ایک عالم - ایک سیاستدان

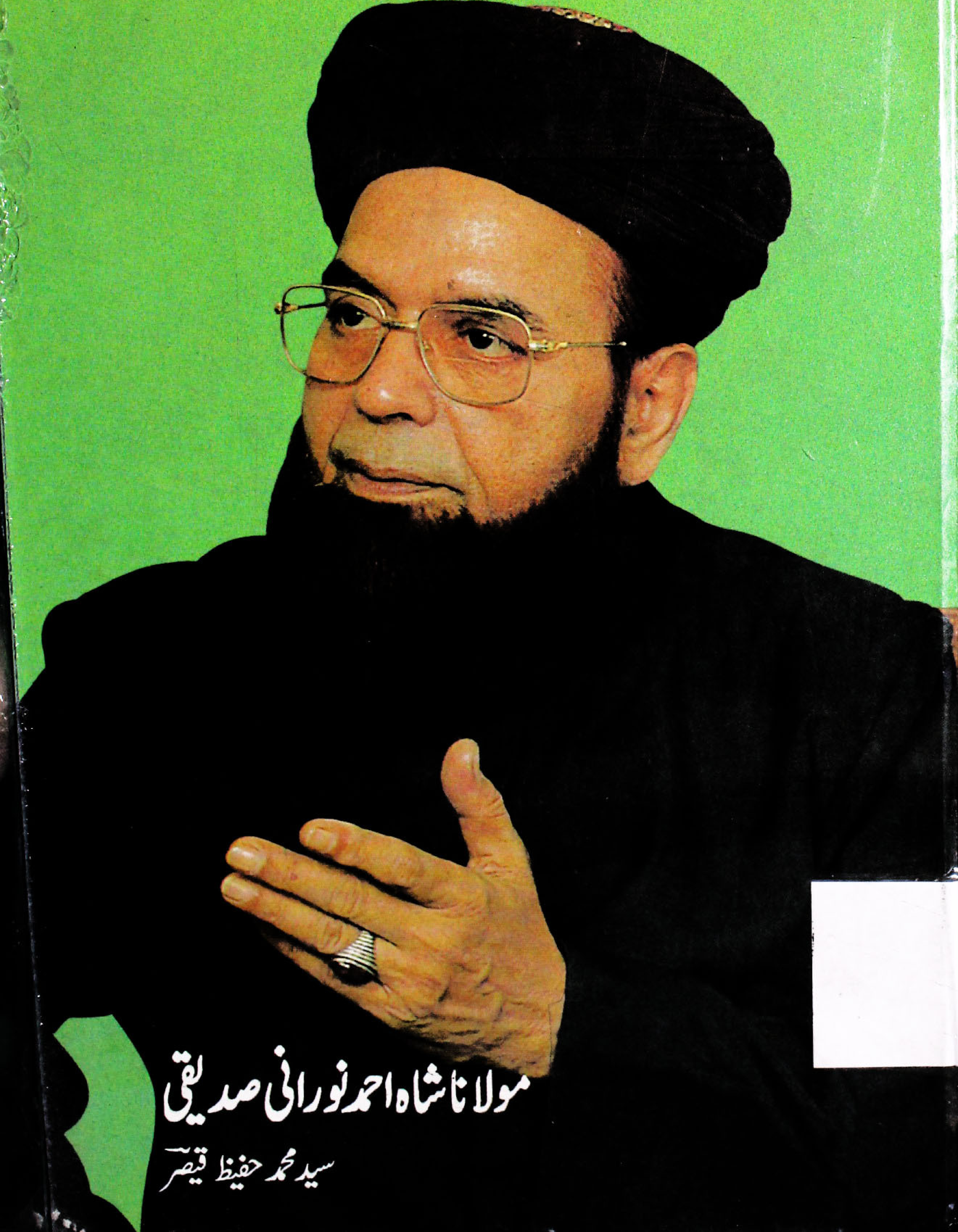

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

سید محمد حفیظ قیصر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

النور پبلی کیشنز

جملہ حقوق بحق النور پبلی کیشنز محفوظ ہیں

نام کتاب : ایک عالم - ایک سیاست دان

تحریر و تحقیق : سید محمد حفیظ قیصرؔ

کمپوزنگ : کامران ہاشمی

سال اشاعت : اگست 2001ء

پبلشر : النور پبلی کیشنز

612 یونی شاپنگ سینٹر شاہراہ عراق، صدر کراچی۔

پرنٹرز : نورانی پرنٹنگ اینڈ پیکیجنگ انڈسٹری، کراچی

قیمت : -/250 روپے صرف

نوٹ: یہ کتاب 12 اکتوبر 1999 سے قبل لکھی گئی ہے۔

Marfat.com

فہرست

حصہ اوّل

سوانحی خاکہ

صفحہ نمبر

باب نمبر 1 تعارف ۔ مولانا شاہ احمد نورانی 1

باب نمبر 2 عالمی مبلغ 3

ورلڈ اسلامک مشن 14

دعوتِ اسلامی 19

باب نمبر 3 داعی اتحاد بین المسلمین 20

باب نمبر 4 مولانا شاہ احمد نورانی کا عشق رسول اور تحفظ ختم نبوت 30

باب نمبر 5 جمعیت علماء پاکستان اور مولانا شاہ احمد نورانی 38

باب نمبر 6 مولانا شاہ احمد نورانی اور بین الاقوامی سیاست 54

حصہ دوئم

تعمیر اور استحکام پاکستان میں مولانا شاہ احمد نورانی کا کردار

باب نمبر 7 ٹوٹا پاکستان اور مولانا نورانی 67

باب نمبر 8 نیا پاکستان اور جمہوری آمریت 92

باب نمبر 9 عوامی بھٹو کے استعماری حربے اور مولانا نورانی 126

باب نمبر 10 ریاستی مظالم اور تحریک نظام مصطفی ﷺ 140

باب نمبر 11 اسلام، ضیاء اور نورانی 171

باب نمبر 12 فوجی آمریت کا استحکام اور عوامی سیاست کا قتل 193

باب نمبر 13 مولانا نورانی کی سیاسی صف بندی اور آمروقت کی فسطائیت 215

باب نمبر 14 غیر جماعتی جمہوریت، لسانی اور علاقائی سیاست 254

باب نمبر 15 مولانا نورانی اور ہم عصر سیاسی زعماء 274

Marfat.com

حرفِ سپاس

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ہر دور میں قومی ہیرو کا انتخاب کرتے ہوئے صرف انہی لوگوں کو معیار پر پورا اترتا ہوا دکھایا جنہیں اقتدار نصیب ہوا۔ حالانکہ ہیرو کے انتخاب کے لیے اقتدار میں آنا لازمی نہیں بلکہ قومی ہیرو وہ ہوا کرتے ہیں جو اپنے کردار و عمل سے تاریخ کو سنہری کر دیں۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ سانحات سے بھری پڑی ہے اور سب سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ 1958ء کے بعد تسلسل سے سیاسی راہنماؤں کی کردار کشی ہو رہی ہے جس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ قائداعظم کے بعد ہمارا کوئی سیاسی ہیرو نہیں۔ تو کیا سارے سیاست دان بے ایمان اور لٹیرے ہیں۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے صحافت کے ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میرے اندر تجسس پیدا ہوا۔ جونہی میں نے پاکستانی سیاست کے نشیب و فراز کا گہرائی سے جائزہ لیا تو جواب ملا کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی زندگی اس دور کے تمام مفروضوں کی تردیدی حقیقت ہے۔ اور مولانا شاہ احمد نورانی مذہب اور سیاست کے حسین امتزاج کے حامل سیاست دان ہیں۔ لیکن انہوں نے مذہب کو سیاست کے لیے استعمال نہیں کیا۔ وہ اس بات کے پر زور حامی ہیں کہ مضبوط سیاسی کردار کے لیے مذہبی تربیت ضروری ہے۔ قائداعظم کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ایمانداری پر ان کے دشمنوں نے بھی شک نہیں کیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں مولانا شاہ احمد نورانی نے قائداعظم کی تقلید کی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آج کا نوجوان ان سیاستدانوں سے متعلق بھی جانے جنہوں نے سیاست کو عبادت سمجھا ہے۔ اور بغیر کسی لالچ اور حرص کے پاکستان کی سیاست میں ٹھوس اور مضبوط کردار ادا کیا۔ انہوں نے اصولوں پر کبھی سودا نہیں کیا بلکہ پارٹی کو جمہوری طریقہ سے چلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان حقیقتوں کا ادراک ہونے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مولانا شاہ احمد نورانی کی مذہبی اور سیاسی جدوجہد کو ایک کتابی شکل میں محفوظ کر لیا جائے۔

اپنی تحقیق کو مستند بنانے کے لیے مولانا شاہ احمد نورانی سے تعاون کی درخواست کی تو

Marfat.com

انہوں نے گریز کیا۔ لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور ان کی پہلو تہی کا سبب تلاش کیا تو پتہ چلا کہ مولانا نورانی ہماری خواہش کو "تشہیر" تصور کرتے ہیں اور اپنی تشہیر ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ان سے گزارش کی کہ آج کے دور میں اکثر سیاست دانوں کے کردار کو "گرہن" لگ چکا ہے جسکی وجہ سے سیاست کے بارے میں مایوسی جنم لے رہی ہے اور سیاست دانوں سے قومی سطح پر مایوسی ملک کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے ہم اس کام کو قومی ضرورت کے طور پر کر رہے ہیں۔ ہماری مسلسل مستقل جدوجہد ایک سال بعد رنگ لائی اور مولانا شاہ احمد نورانی نے انٹرویوز کی شکل میں تعاون پر آمادگی ظاہر کردی۔ آج میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے محبوب حضور پرنور ﷺ کے طفیل اس کتاب کو تکمیل کی منزل سے ہمکنار کیا۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن پر مزید تحقیق کی بہت گنجائش ہے۔ حصہ دوئم مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔ جن کا آغاز انہوں نے الیکشن 1970ء میں جمعیت علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے کیا اور آج تک اس سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے صدر یحییٰ خان، شیخ مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو کے کرداروں کو پاکستان توڑنے میں کیسا پایا؟ پھر نئے پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی سوشلزم کے نفاذ کی تحریک میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب کیسے تسلیم کروایا؟ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت اسمبلی سے کیسے منوایا؟ 1973ء کے تاریخ ساز آئین میں اسلامی دفعات کو کیسے شامل کروایا۔ نیز جنرل ضیاء الحق کے اسلامائزیشن کے نعرہ سے کیسے نبرد آزما ہوئے؟ فوجی اور جمہوریت پسندوں کے حکومتی منفی ہتھکنڈوں سے کیسے بچ نکلے۔ ان تمام تاریخی سوالات کا جواب اس کتاب میں ہے۔ اس کتاب میں سابقہ فوجی حکمرانوں اور جمہوریت کے دعویداروں کے چہروں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے۔

اس لئے یہ کتاب محتاط انداز میں تحقیق کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے تاکہ آنے والی نسلیں روشن مستقبل کیلئے اس سے استفادہ کرتی رہیں اور پاکستانی سیاست دانوں پر تحقیقات کے دور کا آغاز ہو۔

Marfat.com

آخر میں، میں خصوصی شفقت اور تعاون پر مولانا شاہ احمد نورانی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک قومی فرض ادا کرنے میں میری بھرپور معاونت فرمائی ۔ میرے تجسس بھرے مشکل سوالات کے نہایت اطمینان سے جوابات دیے اور نعیم احمد آفس سیکریٹری ورلڈ اسلامک مشن کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے مجھے ہمیشہ سرفراز کیا۔ بالخصوص ملک معراج خالد، سابق وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں حرف سپاس پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی بے شمار مصروفیات سے وقت نکال کر میری کتاب کے لئے دیباچہ لکھا اور محترم استاد پروفیسر ڈاکٹر خواجہ علقمہ کی ہر قدم پر رہنمائی میرے لئے مشعل راہ رہی۔ جن کی بدولت تحقیقی مشکلات سے باآسانی گزر گیا۔

سید محمد حفیظ قیصر

Marfat.com

دیباچہ

پاکستان کی نصف صدی کی داستان غیر معمولی طور پر سبق آموز ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے جن خطروں سے مستقل نجات حاصل کرنے کے لیے آزاد وطن کے حصول کی جدوجہد کی اور اس جدوجہد میں آزادی کے جو تصورات اور نظریات مستقل طور پر طے کئے ان کی روشنی میں ہی پاکستان کو اسلام کی ازلی و ابدی اقدار کی روشنی میں عدل و انصاف، انسان دوستی اور جمہوریت پرستی کا گہوارہ بنانا ممکن تھا اور تمام ان سیاسی اور اقتصادی اعمال سے اجتناب لازم تھا جن سے وسائل رزق کی تقسیم کا منصفانہ نظام معرض خطر میں پڑتا۔ عوام کو شریک اقتدار کرنے سے باز رکھا جاتا۔ ان کے حق حکمرانی کو پامال کیا جاتا، حکمران قیادت، عوام کے سامنے مسلسل اور متواتر جواب دہی کے اصول سے انحراف کرتی۔ عوام کو اپنے حکمران آزادانہ منتخب کرنے سے محروم رکھا جاتا اور انہیں نسل، رنگ، زبان، علاقہ اور عقیدہ کی بنیاد پر گروہوں میں تقسیم کر کے ملی یکجہتی کو پارہ پارہ کیا جاتا۔ قومی دولت کو بے دریغ لوٹا جاتا۔ حکومتی اقتدار و اختیار چند ہاتھوں میں مرتکز کرنے کی راہ اپنائی جاتی۔ حکمران طبقوں کے جبر، بے انصافی، استحصال اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے رشوت، بدعنوانی اور بد دیانتی کو فروغ ملتا، سماجی اونچ نیچ جو کہ اسلامی حریت، اخوت اور مساوات کے سراسر منافی تھی، اس کو اختیار حاصل کرنے اور اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے استعمال کیا جاتا۔ یہ وہ ناگزیر تقاضے تھے جن کو پورا کئے بغیر اسلامیان ہند کی جدوجہد آزادی کا جواز پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی پاکستان کو ایک مثالی اسلامی، فلاحی اور جمہوری ریاست بنا کر عالم انسانیت کو اسلام کی ابدی سچائیوں کا علمبردار بنانے کا دعویٰ کیا جا سکتا تھا۔ ان تمام انسانی قدروں، بصیرت کا حصول اسلام کی عالمگیر سچائیوں کی علمبردار قیادت کی بدولت ہی ممکن تھا۔

جن قابل صد احترام ہستیوں نے اس سیلاب بلا کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی، مسلسل ابنائے وطن کو راہ مستقیم پر چلانے کے لیے کوشاں رہے اور اس راہ میں انہوں نے کسی نفع و نقصان کی پروا نہ کی، اپنے کردار سے سچائیوں کی تبلیغ کی اور ان سچائیوں کے مطابق مملکت پاکستان کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی منصوبہ بندی کی راہیں دکھائیں، ان میں مولانا شاہ احمد نورانی

Marfat.com

ایک مینارہ نور کی طرح ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے زندگی بھر کسی موقع پر بھی کفر، جہالت اور بے انصافی سے مصالحت نہیں کی اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے پاکستان کی کشتی کو ہر بھنور سے نکالنے کی مساعی کیں۔ مولانا صاحب نے اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی ہوئی خوبیوں کے ذریعے اگرچہ عوام کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا لیکن چونکہ اختیار و اقتدار پر قابض قوتوں نے ماحول کو ناقابل بیان حد تک غلیظ کر دیا تھا، اس لئے ان کا جہاد عوام کو انسان دشمنوں کی تدبیروں سے محفوظ نہ رکھ سکا تاہم انہوں نے کسی مرحلہ پر بھی اپنی تگ و دو میں کمی نہیں آنے دی۔ وہ صحیح معنوں میں سیرت طیبہ کی پیروی کرتے ہوئے ایک رول ماڈل کی حیثیت سے موجود رہے ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے جو کچھ کہا اور ان کا انسانیت کی سربلندی کے لیے جو بھی عقیدہ تھا اس کے مطابق عمل کیا۔ ان کے قول و فعل میں کسی نقطہ پر بھی تضاد عمل میں نہیں آیا۔ وہ دین اسلام کی سچائیوں کے سچے علمبردار کی حیثیت سے پاکستان میں محروم، مجبور اور مقہور طبقوں کے قابل احترام قائد رہے ہیں۔ میں نے ذاتی طور پر ان کو ایک بلند فکر اور بلند کردار پارلیمنٹرین پایا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے پختہ اور پاکیزہ کردار کو مشعل راہ بنا کر ہی پاکستانی معاشرے کی خدمت کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے جمعیت علمائے پاکستان کو ایک منظم اور جمہوری پارٹی بنانے میں جو کردار ادا کیا ہے اور اس کے لیے انہوں نے جس طرح قدروں کو اپنے فکر و عمل کی بنیاد بنایا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔

مجھے ذاتی طور پر ان سے بے پناہ عقیدت رہی ہے اور آج بھی ہے۔ وہ ایک درویش صفت، قناعت پسند اور متوکل انسان ہیں۔ ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر گونا گوں مسرت حاصل ہوتی ہے اور اس نہایت ہی مایوس کن ماحول میں ان کی شخصیت ہر حقیقت پسند فرد کو حوصلہ عطا کرتی ہے اور ان کی راہ پر چلنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ان کی سوانح حیات پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے روحانی تسکین مل رہی ہے۔ میری خواہش ہے کہ اب جبکہ ان کی سوانح حیات کو کتابی شکل دی جا رہی ہے۔ اہل وطن اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اپنے ذاتی اور قومی مقاصد سے آشنا ہو کر مملکت پاکستان کی از سر نو بازیافت کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ قائداعظم کے پاکستان کا جغرافیہ تبدیل ہو چکا ہے، لوٹا جا چکا ہے اور لٹیروں کے اس بہیمانہ عمل نے دراصل انسانیت کے زوال کی ایسی صورتیں پیدا کر دی ہیں اور حالات کی سنگینی کو جوں کا

Marfat.com

توں رکھنے کے لیے بدعنوان عناصر جس طرح تمام مکروہ حربے بروئے کار لا رہے ہیں اس کی موجودگی میں پاکستان سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی زوال سے جس طرح دوچار ہے اس کی اصلاح ممکن نظر نہیں آتی۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی ایسے پاکیزہ سیرت قائدین کی راہبری میں عوام کی منظم، شعوری اور انقلابی طاقت کے ذریعے حالات کا رخ مکمل طور پر موڑ دیا جائے اور حصول آزادی کی طرح پاکستان کی بازیابی کا نصب العین جزو ایمان بنا لیا جائے۔ بلاشبہ مولانا شاہ احمد نورانی ایک رول ماڈل کی حیثیت سے کسی ایسے انقلابی نصب العین کی کامیابی کے لیے مشعل راہ ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ملت اسلامیہ اور مملکت پاکستان کی جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ ان کی قدرت کی عطا کردہ خوبیوں اور صلاحیتوں کی بدولت ہیں جن کی بناء پر میرے دل میں ان کے لیے عقیدت و محبت کے گہرے جذبات موجود رہے ہیں۔ ان کی سادگی، متانت، خوش مزاجی، خوش گفتاری اور مشفقانہ ہمدردی کے رویے نے مجھ جیسے بے شمار انسانوں کے فکر و خیال کو متاثر کیا ہے۔ وہ نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو کے پیکر اور رزم ہو یا بزم ہو وہ پاک دل و پاکباز نظر آتے ہیں۔ ان کی طرف سے ان آزمائشوں سے نبرد آزما ہونا جن سے آج تمام بنی نوع انسان دوچار ہے ان کی فطرت کا تقاضا ہے۔

مقام مسرت ہے کہ انہوں نے علمائے پاکستان کی شیرازہ بندی اور ان کی اجتماعی طاقت سے تمام انسانوں کے دکھوں کا مداوا کرنے کی ایسی راہیں استوار کیں جن کو پیش نظر رکھ کر ہم اپنے ذاتی کردار اور ملی اوصاف کو نتیجہ خیز بنا سکتے ہیں۔ ان کی سوانح حیات کو مدون کرنا بلاشبہ ایک نہایت ہی قابل قدر خدمت ہے۔ دعا اور امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہر انسان دوست پورا پورا فیض حاصل کرے گا۔

ملک معراج خالد

سابق وزیر اعظم پاکستان

Marfat.com

قائدِ ملّت اسلامیہ۔ قائد اہلِ سنّت۔ مبلغِ اسلام مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

Marfat.com

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

باب نمبر 1۔

تعارف ۔ مولانا شاہ احمد نورانی

پاکستان کی سیاست تاریکیوں کا دوسرا نام ہے۔ ان ظلمتوں میں بعض ایسے ستارے بھی چمکے جن کی قیادت پر قوم فخر کر سکتی ہے ۔ ایسے ہی سیاست دانوں میں مولانا شاہ احمد نورانی ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ جن کے سیرت و کردار نے سیاست کو ایک وقار بخشا اور ان کی نورانی کرنوں نے ان اندھیروں میں روشنی کا سامان پیدا کیا۔ انہوں نے مذہب اور سیاست کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو ختم کیا۔ سیاست کے میدان میں نئے اسالیب اور روایات متعارف کرائیں۔ انہوں نے اس دور میں کارزار سیاست میں قدم رکھا جب علماء و مشائخ کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ وہ حکومت کی کاسہ لیسی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے اور حکومت سے اختلاف کی ان میں جرأت ناپید ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی زندگی انقلابات کا نمونہ دکھائی دیتی ہے۔ صرف آٹھ سال کی عمر میں کلام پاک کا حفظ کرنا ان کی غیر معمولی ذہانت کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ جدید تعلیم سے آراستہ اور قدیم طرز تعلیم کے بھی ماہر ہیں ۔ یعنی وہ الہ آباد یونیورسٹی کے گریجویٹ بھی ہیں اور درس نظامی میں مکمل مہارت کے حامل بھی ۔ یوں جدید و قدیم کی صفات سے متصف ہیں۔ اسی لئے وہ نام نہاد جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں اور دینی علوم کے تو وہ وارث ہیں ہی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے بحیثیت طالب علم تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے میرٹھ کی سطح پر نوجوانوں کو ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے عسکری انداز میں منظم کیا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں سنی کانفرنسوں کے انعقاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مولانا نورانی عربی، فارسی، انگریزی، سواحلی اور فرانسیسی زبانیں بڑی روانی سے بولتے ہیں۔ انہوں نے اپنے جد امجد مولانا عبدالحکیم صدیقی اور والد شاہ عبدالعلیم صدیقی کے اصول طریقت کو اپنایا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے دوران سیاست نہ کبھی عہدہ قبول کیا اور نہ کبھی اسے دنیاوی دولت کے حصول کا زینہ بنایا۔ وہ آج تک اسی فلیٹ میں سادہ سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جس میں باون سال قبل ہندوستان سے ہجرت کر کے قیام پذیر ہوئے تھے۔ ان کا مقصد صرف اور

صرف ملک میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہے۔ اور یہی ان کی سیاست کا محور ہے۔

مولانا نورانی نے اپنے معمولات زندگی کا آغاز اپنے آباء کی طرح مشنری جذبے سے سرشار تبلیغ دین سے کیا۔ انہوں نے لاکھوں میل کا صعوبتوں بھرا سفر اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لئے کیا۔ دُنیا کے تقریباً تمام ممالک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ جس کی بدولت ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

زُہد وتقویٰ مولانا نورانی کا خاصّہ ہے۔ شرعی قوانین پر سختی سے عمل پیرا ہیں اور احباب کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی کوششیں کر رہے ہیں مگر انتہا پسند علماء میں سے نہیں۔ انہوں نے دین کے وسعت نظری کے پہلو کو ہمیشہ ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سطح کے سیاست دانوں سے ان کے ذاتی مراسم ہیں۔ ان کا مخالف سیاستدان بھی ان کی اصول پسندی، دیانت داری، علمی حیثیت اور کردار وعمل میں یکسانیت کی وجہ سے احترام کرتا ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے معروف جمہوری طریقوں پر اصولی سیاست کو اپنایا جس کی وجہ سے انہیں بہت سی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ان کی جماعت جمعیت علمائے پاکستان کو بہت سے جھٹکے لگے۔ بھٹو سے لے کر آج تک ہر حکمران نے اپنے مفاد کی خاطر مولانا کو وزارتوں کی پیش کش کی مگر ان کا موقف ہمیشہ نظام مصطفیٰ کو اقتدار میں لانا رہا۔ انہوں نے اپنی ذات کو مقدم نہیں جانا۔ سمجھوتوں سے پاک سیاست کرنے والے مولانا شاہ احمد نورانی پر اپنوں اور بیگانوں نے بہت سی ضربات لگائیں۔ ڈکٹیٹروں اور قوم پرستوں نے بھی بے شمار وار کئے مگر انہیں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ کیونکہ مولانا کی معراج وزارت کی بجائے نظام مصطفیٰ کا نفاذ رہی۔ وہ اپنی جدوجہد کو مؤذن کی اذان سے تشبیہ دیتے ہیں۔

المختصر مولانا شاہ احمد نورانی حق گو مستند عالم دین، حافظ قران، قاری خوش الحان، عالمی شہرت یافتہ مبلغ، بلند پایہ مقرر، قدیم و جدید علوم کے ماہر، جرأت مند و بے باک لیڈر، آئین ساز، شیخ طریقت، داعی اتحاد بین المسلمین اور مسلم قومیت کے علمبردار ہونے کے ساتھ ساتھ زیرک اور دور اندیش سیاست دان ہیں۔ اور ایسا درویش صفت سچا مسلمان، عالم سیاست دان دور حاضر کے سیاست دانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ ان کی زندگی کو روشنی میں لانے کا مقصود بھی یہی ہے کہ ان کی خدمات کی تمام تر تفصیلات ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ ممکن ہے اس روشنی سے مستفید ہو کر ہماری سیاست کا دھارا صحیح رخ اختیار کرے۔

Marfat.com

باب 2

عالمی مُبلّغ

مولانا شاہ احمد نورانی کا شمار پاکستان کی ان چند شخصیات میں ہوتا ہے۔ جن کا خاندان نسل در نسل لوگوں کو دین کا شعور دیتا چلا آرہا ہے۔ برصغیر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں چند ہی ایسے خاندان دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا اوڑھنا بچھونا صرف اسلام تھا۔ وہ ہر وقت دین میں مکمل مغلوب دکھائی دیتے ہیں جس مقام پر بھی رہے شب و روز دین کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے والد حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ نے سفیر اسلام بن کر دنیا میں پھیلے ہوئے جہالت اور گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دین حق کی شمع فروزاں کی۔ عیسائیت کی رہبانیت سے تنگ، شراب اور جنسی آلائش میں ڈوبے ہوئے ''مادر پدر'' آزاد معاشرے میں سکون کے متلاشی لوگوں کو اسلام کا عالمگیر پیغام امن وسکون پہنچایا۔ جس کی پناہ میں آنے سے رنگ ونسل اور بے راہ روی کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

مولانا نورانی کے خاندان کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو برصغیر کی تاریخ کا سچا مؤرخ اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتا دکھائی دیتا ہے کہ شاہی مسجد میرٹھ کے خطیب حضرت مولانا عبدالحکیم جوش میرٹھیؒ (مولانا نورانی کے دادا) کی اسلام کے لئے وسیع خدمات تھیں۔ اسی طرح ان کے حقیقی بھائی مولانا محمد اسماعیل میرٹھی نے اردو ادب میں اتنا گراں قدر کام کیا کہ ان کی کاوشیں پرائمری سے ایم اے تک کی کتابوں میں عام ملتی ہیں۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ سے مولانا نورانی کے تایا مولانا نذیر احمد صدیقیؒ خطیب بمبئی کے ذاتی تعلقات تھے۔ قائداعظمؒ مذہبی معاملات میں اکثر ان سے راہنمائی لیتے تھے اور بمبئی کے مشہور آزاد میدان پارک میں انہی کے پیچھے نماز عیدین ادا کیا کرتے تھے۔ مولانا نذیر احمد صدیقیؒ عربی انگریزی، اردو اور کئی دوسری زبانوں کے ماہر تھے۔ اس لئے برصغیر کی بڑی بڑی مسلمان شخصیات ان سے دینی امور میں راہنمائی حاصل کرتی تھیں۔ قائداعظم نے ''رتن بائی'' سے شادی کا فیصلہ کیا تو انہوں نے رتن بائی کو مولانا نذیر احمد صدیقی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام کرایا۔ یوں تو رتن بائی پر اس وقت کی مجلس احرار، جمعیت علمائے ہند، جماعت

Marfat.com

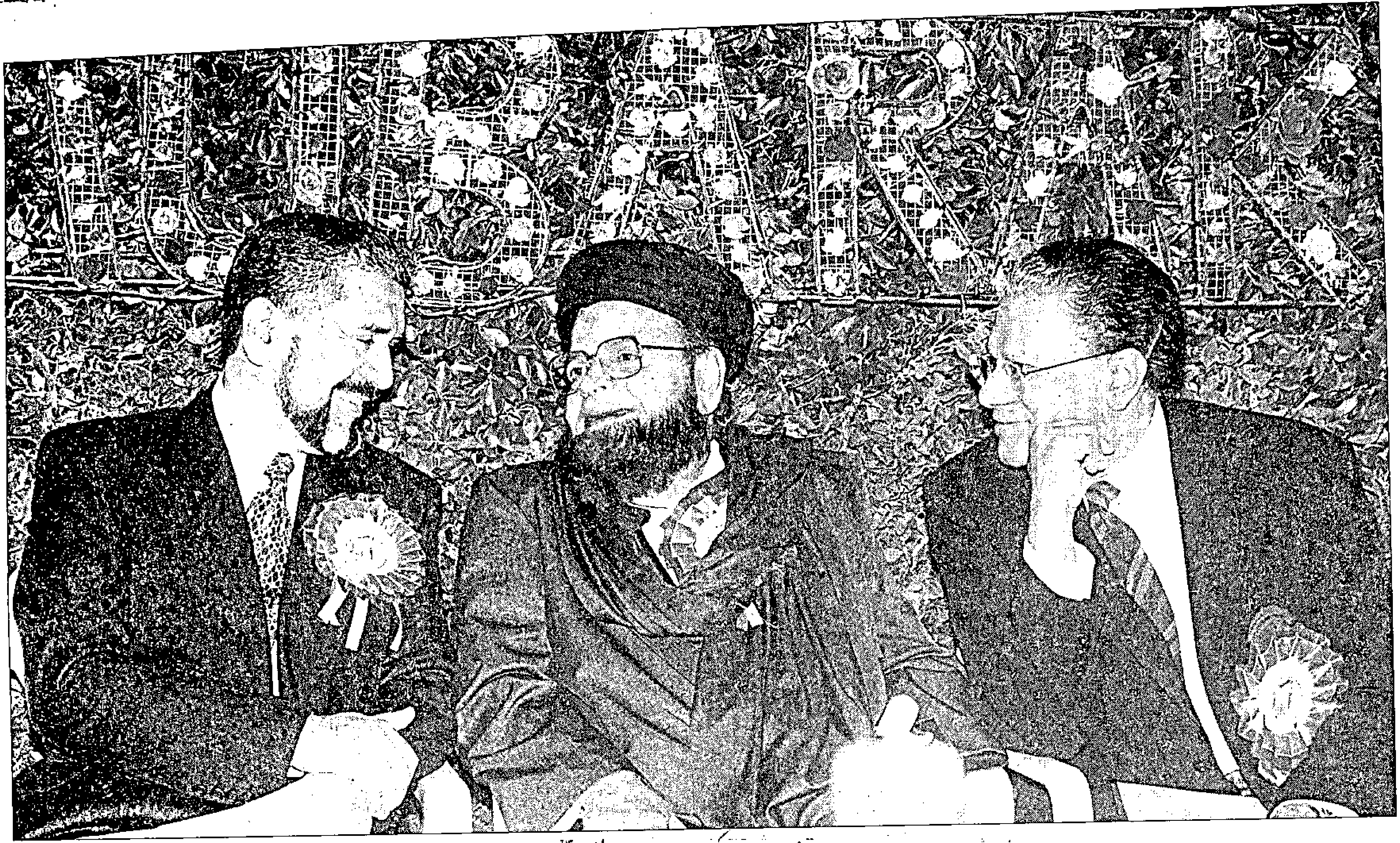

1999ء ۔ ماریشس: ۱۲ ربیع الاوّل یوم النبی ﷺ کے موقع پر۔
مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، ماریشس کے صدر الحاج محمد قاسم یتم، وزیر اعظم ماریشس ریم غلیم اسٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

Marfat.com

اسلامی ، یونینسٹ پارٹی نے آتش پرست اور غیر مسلم ہونے کے الزامات عائد کیے مگر شورش کاشمیری جیسے صحافی اور محقق نے اس تاریخی واقعہ کو اپنی کتاب میں واضح طور پر بیان کر کے رتن بائی پر لگائے گئے تمام الزامات کو مزید دھو دیا۔

مولانا نورانی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں تو ہمیں ان میں اعلیٰ خصوصیات سے بھرے رنگوں کی جو قوس قزح دکھائی دیتی ہے وہ ان کے خاندان کے بزرگوں کی خدمات کی شکل میں تاریخ کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ قائداعظمؒ سے وابستگی اور پاکستان کے قیام کے لئے رائے عامہ کی بیداری جیسے اہم کام عالمی سطح پر مولانا کے دوسرے تایا مولانا مختار احمد صدیقی بمبئی میں قائداعظم کے دست راست کی حیثیت سے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قائداعظم نے انہیں مغربی ممالک میں تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے لئے رابطہ مہم چلانے کا ذمہ سونپا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظمؒ نے پہلی نماز عید مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ (والد مولانا نورانی) کی امامت میں کراچی میں ادا کی۔ یہ واقعات مولانا کے خاندان کی تحریک پاکستان سے وابستگی کا مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دو قومی نظریہ مولانا کی فکر کا محور دکھائی دیتا ہے۔ اسی لئے پاکستان میں دو قومی نظریئے کا عملی مظاہرہ یعنی نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی جدوجہد ان کی زندگی کا مشن ٹھہرا۔ مختلف ادوار میں لوگوں نے انگریز کے فلسفہ دین اور سیاست کو جدا کرنے پر عمل کرتے ہوئے مولانا پر الزامات لگائے کہ وہ ملکی معاملات میں کم اور بیرونی ممالک کے دوروں میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن اسلام کے عالمگیر شعور سے ناآشنا یہ لوگ کیا جانیں کہ ایک ایسا شخص جس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اسلام کو عالمگیر مذہب کے طور پر تسلیم کروانے کے جذبوں سے بھرے ذرات سے بنا ہو وہ کیسے ایک ملک تک محدود رہ سکتا ہے۔ وہ لادینیت کے بڑھتے ہوئے اندھیروں میں انسانیت کو کیسے گم ہونے کی اجازت دے سکتا ہے۔ وہ یہود و ہنود کی سازشوں کے سنہری جالوں میں پھنس کر مسلمانوں کی تذلیل کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کے شعور میں یہ بات موجود ہو کہ اسلام تو آیا ہی غلبہ کیلئے ہے۔ یقیناً ایسا شخص تمام الزامات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے مشن پر گامزن رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی پر جوابدہی روز قیامت اس سے بھی ہونی ہے۔ اگر ہم مولانا نورانی کے ماہ وسال کا جائزہ لیں تو انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ مولانا کی ذاتی زندگی کیسی ہے! مگر پھر اطمینان ہوتا ہے کہ اسلام میں پبلک اور پرائیویٹ لائف ایک ہی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ کی وفات

Marfat.com

(1953ء) کے بعد مولانا نورانی نے اپنے عالمی فرائض سنبھال لئے۔ ان کو بہتر انداز میں جاننے کیلئے ہم ان کی عالمی مصروفیات مختصراً ترتیب سے بیان کر رہے ہیں :۔

۱۔ 1955ء ۔میں عالم اسلام کی عظیم تاریخی یونیورسٹی جامعہ الازھر (مصر) کے علماء کی دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے۔

۲۔ 1956-58ء ۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے حضرت مفتی ضیاء الدین بابا خانوف مفتی اعظم روس کی خصوصی دعوت پر روس کا تبلیغی دورہ کیا ۔ اور سوشلسٹ معاشرہ کا مطالعہ کیا۔ یہاں انہوں نے ازبکستان ،تاشقند ،سمر قند، بخارا کے مقبوضہ علاقوں کے مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے کیلئے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور طاقت ور سوشلزم کے زمانے میں اپنے رابطوں کو مسلسل مستحکم کیا۔

۳۔ 1959ء ۔میں مشرق وسطیٰ کا خیر سگالی دورہ کیا۔

۴۔ 1960ء ۔ میں تبلیغی دورہ کیلئے مشرقی افریقہ، مڈغاسکر اور ماریشس گئے۔

۵۔ 1961ء ۔میں مولانا نورانی نے سری لنکا اور شمالی افریقہ کا دورہ کیا۔

۶۔ 1962ء ۔میں نائیجیریا کے وزیر اعظم احمد وبیلو شہید کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اور ان کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے 3 ماہ کا تبلیغی دورہ کیا۔ مزید صومالیہ، کینیا، ٹانگا نیکا، یوگنڈا اور ماریشس بھی گئے۔ یہ مولانا نورانی کے عالم شباب کا زمانہ ہے جب بڑے بڑے مبلغ اسلام اور قائد ہونے کے دعویدار گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے۔

مولانا کی شادی :

1962ء ہی میں اس قدر مصروفیات کے دوران مدینہ منورہ میں مولانا نورانی کی شادی انجام پائی۔

۷۔ 1963ء میں مولانا نورانی نے ترکی ،فرانس ،مغربی جرمنی، برطانیہ، ماریشس ، نائیجیریا اور اسکینڈے نیوین ممالک کا تبلیغی دورہ کیا۔ اور اس سال چینی مسلمانوں کی دعوت پر عوامی جمہوریہ چین کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔

1962-63ء کی تفصیل دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ عموماً لوگ شادی کے قریب اور بعد اپنی تمام مصروفیات ترک کر دیتے ہیں اور زیادہ تر گھریلو زندگی کے گرد کچھ عرصہ ضرور گھومتے ہیں۔ مگر مولانا کے شب و روز دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ انہیں کم وقت میں بہت کچھ کر گزرنے کی

جلدی ہے کہ جیسے ان کا دل چاہتا ہے کہ فوراً ہی اسلام کا غلبہ پوری دنیا پر ہو جائے اور ہر طرف گنبد خضراء کا سبز پرچم لہرانے لگے۔ دنیا بھر کے انسان اپنا رخ صرف اور صرف کعبۃ اللہ کی طرف کر لیں۔ اسلام اور کفر کے اس معرکہ میں مولانا اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے ہیں تاکہ اسلام کی کرنیں ہر اندھیرے گھر کو اجالے میں بدل دیں۔

۸۔ 1964ء میں مولانا نورانی نے امریکہ (یو ایس اے)، جنوبی امریکہ اور کینیڈا کا تبلیغی دورہ کیا۔

۹۔ 1968ء۔ مناظرہ۔ اسلامک ریویو لندن (برطانیہ) کے قادیانی ایڈیٹر سے ٹرینی ڈاڈ میں ساڑھے پانچ گھنٹے مناظرہ کیا بالآخر وہ کتابیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

۱۰۔ 1969ء میں مولانا نے پاکستان آنے کے بعد سب سے پہلا بیان قادیانی فتنہ پر دیا اور عالم اسلام کے خلاف قادیانیوں کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور پوری قوم کو دعوت دی کہ فتنہ قادیانی سے نمٹنے کیلئے بھرپور لائحہ عمل مرتب کرے۔

۱۱۔ 1970ء میں جمعیت علمائے پاکستان کی جانب سے کراچی سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور پہلی ہی جست میں کامیاب ہو کر سیاست کے میدان میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے درمیان مذہبی طاقت کو تسلیم کروایا۔

۱۲۔ 1971ء میں علامہ نورانی نے سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک کا تقریباً ڈیڑھ ماہ کا دورہ کیا۔

۱۳۔ 1972ء میں فتنہ مرزائیت پر قومی اسمبلی میں خطاب۔

۱۴۔ 1973ء۔ ذوالفقار علی بھٹو کے مقابل متحدہ جمہوری محاذ کا قیام۔

۱۵۔ 1974ء مولانا شاہ احمد نورانی نے 12 اپریل 1974ء کو بریڈفورڈ (برطانیہ) کے سینٹ جارجز ہال میں ایک عظیم الشان عالمی کانفرنس کی صدارت کی۔ اس کانفرنس میں مختلف ممالک کے پچاس علماء شریک ہوئے۔ کانفرنس میں مولانا کو ورلڈ اسلامک مشن کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر مولانا نے 24 ملکوں میں مشن کی شاخوں کے قیام کیلئے کنوینر مقرر کئے۔ جن میں پاکستان، بھارت، سری لنکا، انڈونیشیا، تنزانیہ، پرتگال، صومالیہ، جنوبی افریقہ، سینی گال، نائیجیریا، مصر، شام، عراق، افغانستان، مغربی جرمنی، فرانس، ہالینڈ، انگلینڈ، امریکہ، سرینام (ڈچ گیانا)، ارجنٹائن، سعودی عرب اور ٹرینی ڈاڈ شامل ہیں۔

Marfat.com

۱۶۔ فتنہ مرزائیت کا سدباب ۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانی نے 30 جون 1974ء کو مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینے کیلئے قرار داد پیش کی جس کے تحت ہمیشہ کیلئے مرزائیوں کو پاکستان کے آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا۔

۱۷۔ چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کی حیثیت سے 1975ء میں مولانا شاہ احمد نورانی نے مولانا عبدالستار خان نیازی، پروفیسر شاہ فرید الحق، علامہ ارشد القادری پر مشتمل وفد کی قیادت کرتے ہوئے امریکہ، افریقہ اور یورپ کا دورہ کیا مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کی حاضری اور حج و زیارات کی سعادت حاصل کرنے کے بعد یہ وفد جدہ سے نیروبی (کینیا، افریقہ) پہنچا۔ جہاں جامع مسجد کھبراہ میں عربی زبان میں مولانا نے خطاب کیا۔ اس دورے کے دوران نیروبی، ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ افریقی ممالک میں قادیانی اسلام کا نام لے کر مصروف کار ہیں۔ درحقیقت وہ ان ملکوں کے اتحاد کو کمزور کر رہے ہیں۔ افریقہ کے مختلف ممالک کا 18 روزہ تبلیغی دورہ کرنے کے بعد یہ وفد برطانیہ روانہ ہو گیا جہاں دو ہفتے قیام کے بعد وفد نے امریکہ (یو ایس اے)، جنوبی امریکہ، کنیڈا، مغربی جرمنی، اسپین، تیونس، لیبیا، الجزائر، مصر اور ترکی کا تبلیغی دورہ کیا۔ اس دورہ میں مولانا اور ان کے وفد نے ایک لاکھ میل سے زائد کا سفر طے کیا اور 600 سے زائد تقاریر کیں۔ اس دورہ کے دوران بہت سے غیر مسلموں نے مولانا شاہ احمد نورانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

۱۸۔ 1976ء میں جمعیت علمائے پاکستان کی طرف سے پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔

۱۹۔ 1977ء تحریک نظام مصطفیٰ میں گرفتاریاں اور قاتلانہ حملہ۔

اس مختصر سے جائزہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی کی مصروفیات کا شیڈول سال بھر کیلئے تیار ہوتا ہے ۔ اس میں بین الاقوامی سطح پر مصروفیات اور ملکی داخلی ضروریات کو ہمیشہ مدنظر رکھا جاتا ہے ۔ مولانا نورانی نے یوں تو بہت سے چھوٹے بڑے ادارے قائم کئے لیکن ورلڈ اسلامک مشن جیسی تنظیم کی بنیاد رکھ کر پوری دنیا میں عیسائی مشنری کو منہ توڑ جواب دیا ہے ۔ براعظم افریقہ میں مسلمانوں کی آبادی 65 فیصد ہے ۔ پوپ جان پال دوئم نے افریقی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سجدہ کیا اور کہا کہ موجودہ صدی میں افریقہ ہمارا ہوگا۔ اس کے جواب میں عالم اسلام سے صرف ایک آواز بلند ہوئی تھی اور وہ مولانا شاہ احمد نورانی کی

تھی کہ افریقہ اور موجودہ صدی اسلام کی ہے۔ وقت نے مولانا کی اس بات کو کافی حد تک درست بھی ثابت کر دیا ہے۔

۲۰۔ 1974 کے تبلیغی دورے پر ماریشس (افریقہ) گئے وہاں ایک اسلامی دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ اور 12 ربیع الاول کو عظیم الشان جلسہ میلاد النبی سے خطاب کیا۔ اس جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے ماریشس کے وزیر اعظم رام غلام نے کہا کہ ماریشس کے عوام بالخصوص مسلمانوں پر مولانا شاہ احمد نورانی کا یہ عظیم احسان ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر یہاں تشریف لائے۔ جلسہ میں گورنر جنرل ماریشس سر عثمان، چیف جسٹس ایچ کاسن علی، اراکین اسمبلی، غیر ملکی سفراء، ورلڈ اسلامک مشن ماریشس کے چیئرمین محمد کسینو، نیشنل مسلم کونسل کے احمد عبداللہ اور مسلم یوتھ آرگنائزیشن کے صدر عبدالغفور نے بھی شرکت کی۔ ماریشس سے مدینہ منورہ حاضری دینے کیلئے سعودی عرب پہنچے اور مکہ معظّمہ میں عمرہ ادا کرتے ہوئے کینیا چلے گئے۔

مئی 1978ء میں علامہ نورانی کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) کے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوئے مولانا نے وہاں کے میئر کی جانب سے شہریوں کے استقبالیہ میں ''اسلام بیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرتا ہے'' کے عنوان سے انگریزی میں خطاب کیا۔ جس میں کہا کہ اب دنیا بھر میں غیر مطمئن اور بے چین انسانوں کو اسلام کی اکملیت اور جامعیت کا احساس ہو رہا ہے۔ کیپ ٹاؤن کے میئر نے جوابی خطاب میں مولانا کو ''سفیر اسلام'' کے خطاب سے مخاطب کیا۔ اس دورے میں 105 افریقی، یورپی اور مقامی افراد نے اسلام قبول کیا۔

۲۱۔ 1979ء میں علامہ نورانی نے برمنگھم (برطانیہ) میں منعقدہ عظیم الشان نظام مصطفیٰ کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس سے مفتی اعظم قبرص ڈاکٹر رفعت مصطفیٰ اور ترکی کے ڈاکٹر محمد یوجل نے بھی خطاب کیا۔ یہ برطانیہ کی تاریخ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اسی سال مولانا نورانی نے عظیم الشان میلاد مصطفیٰ کانفرنس راولپنڈی (پاکستان) میں بھی شرکت کی۔

۲۲۔ فروری 1980ء میں امریکہ کے شہر نیو یارک میں کولمبیا یونیورسٹی کے انٹرنیشنل ہال میں ''اسلام کی ہمہ گیریت'' کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا۔ یونیورسٹی کی ایک پروفیسر خاتون نے مولانا نورانی کی تقریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ نیو یارک سے ریاست ٹرینی ڈاڈ کے مسلمانوں کی دعوت پر ٹرینی ڈاڈ ایئر پورٹ پر اترے تو مولانا کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ اور پوری ریاست میں عام تعطیل کر دی گئی۔ یہاں 25 دنوں میں 40 خطابات کئے۔ پھر

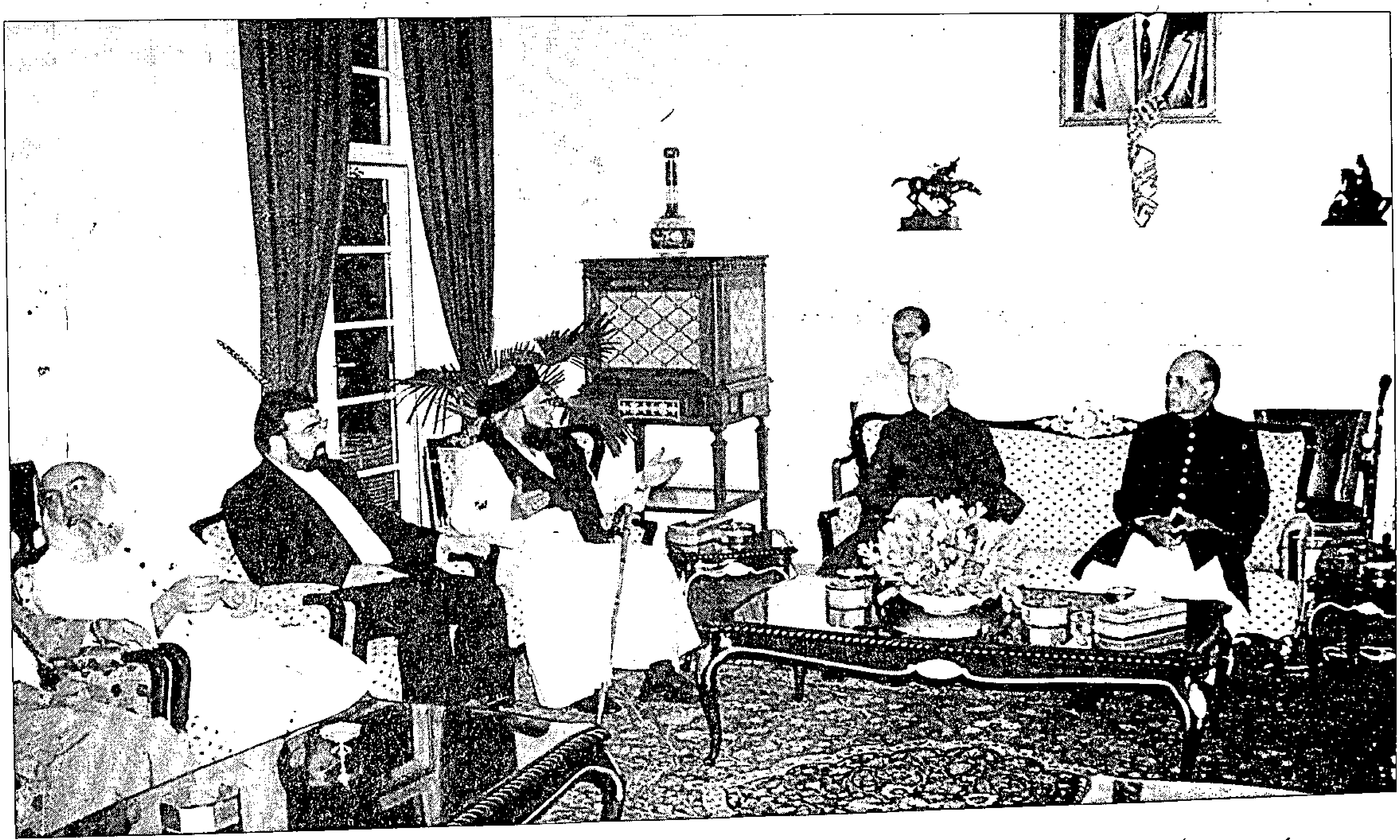

15اکتوبر 96ء گورنر ھاؤس سندھ میں اس وقت کے گورنر کمال الدین اظفر ، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، اور شیخ الجامعۃ الازھر شیخ محمد طنطاوی۔

Marfat.com

سرینام، آساد آئی لینڈ سے ہوتے ہوئے جرمنی پہنچے۔اسلامک سنٹر میامی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل انگریزی میں خطاب کیا۔ جہاں کچھ افریقی مسلمان ہوئے۔

کولمبیا یونیورسٹی میں ''افغانستان میں روسی جارحیت اور افغان مہاجرین'' کے عنوان پر خطاب کیا۔ پھر کیلیفورنیا اور لاس اینجلس کا دورہ کیا۔ 15 جون 1980ء کو ورلڈ اسلامک مشن کی چوتھی کانفرنس میں شرکت کیلئے ہالینڈ گئے۔ یہ کانفرنس ایمسٹرڈیم کے چاپ ایڈن ہال میں منعقد ہوئی۔ جس میں ڈین ہاگ ،روٹر ڈیم ، اترخ ، انتھوفن ،سوٹیلو کے مسلمانوں کے علاوہ برطانیہ، بیلجئیم ، ناروے ، بھارت ، پاکستان ،مصر، ترکی ،مراکش ، الجزائر، امریکہ اور ٹرینی ڈاڈ کے علماء اور مندوبین نے بھی شرکت کی ۔ کانفرنس کی کارروائی مختلف زبانوں میں کی گئی۔ مولانا محمد بشیر، مولانا منیر الزماں، مولانا شاہد رضا نعیمی، ڈاکٹر ذکی بداوی (عربی)، ڈاکٹر رحمت کرامت نے (ڈچ) مولانا جیلانی صدیقی (مولانا نورانی کے بڑے بھائی) نے انگریزی میں اورمولانا عبدالوہاب صدیقی نے بھی خطاب کیا۔ اپنے صدارتی خطاب میں مولانا نورانی نے کہا کہ ''ورلڈ اسلامک مشن پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پھیلانے اور مسلمانوں کے درمیان باہمی رشتہ اخوت استوار کرنے کیلئے وجود میں آیا ہے۔''

۲۳۔ 1981ء میں جنوری میں کینیا کے مسلمانوں کی دعوت پر روانہ ہوئے ۔ پہلے مکہ مکرمہ (سعودی عرب) میں عمرہ ادا کیا۔ پھر مدینہ منورہ میں دربار رسالت میں حاضری دی ۔ پھر کینیا ، ماریشس ، جنوبی افریقہ، زمبابوے ، ملاوی ، جزائر فجی ، آسٹریلیا ، نیوزی لینڈ ، ہانگ کانگ اور سنگا پور کا 6 ماہ کا دورہ کیا۔ واپس کراچی پہنچ کر افطار پارٹی سے خطاب کرتے ہوئے عالمی مبلغ اسلام نے کہا :۔

''اہم بات یہ ہے کہ یورپ ، مشرق بعید اور افریقہ والے اسلام قبول کر رہے ہیں لیکن ان ممالک میں موجود بعض لوگوں نے تبلیغ کے نام پر گروہ بندیاں قائم کر رکھی ہیں ان لوگوں نے من گھڑت تاویلات سے دین کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنی بے راہ روی سے نومسلموں کو اسلام سے متنفر کر رہے ہیں''۔ مولانا نے کہا کہ ہم نے اسلام ورثہ میں پایا ہے جبکہ یورپ اور دیگر ممالک کے نومسلموں نے اسلام کی حقانیت کو دیکھ اور پرکھ کر قبول کیا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کی زندگی میں انقلاب آ جانا چاہئے لیکن نیم ملاؤں کے قول وفعل میں تضاد اور ان کی تفرقہ بازیوں کے باعث انقلاب تو درکنار وہ اسلام کی مبادیات سے بھی

Marfat.com

محروم رہ جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "امریکہ، برطانیہ اور دیگر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کیلئے ماحول سازگار ہے۔ بلاشبہ ہندو اور عیسائی بھی مقابلے پر آچکے ہیں اور بڑے منظم طریقہ سے اپنے مذاہب کا پرچار کر رہے ہیں لیکن اسلام کی طاقت سے انہیں شکست دی جاسکتی ہے۔"

۲۴۔ 18 دسمبر 1982ء کو مولانا شاہ احمد نورانی ماریشس کے تبلیغی دورہ پر گئے اس دورہ میں بہت سے قادیانی (مرزائی) ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہاں انہوں نے 45 اجتماعات سے خطاب کیا۔ تمام خطابات ریڈیو ماریشس نے نشر کیے۔ مولانا نورانی نے آخر میں علیمیہ مشنری کالج ماریشس کا معائنہ کیا۔

۲۵۔ 1983ء۔ 10 جنوری کو ڈربن (جنوبی افریقہ) گئے جہاں انہوں نے میلاد مصطفیٰ کانفرنس سے خطاب کیا۔ جبکہ پروفیسر شاہ فرید الحق اور مولانا شاہ تراب الحق قادری نے بھی خطاب کیا۔ 30 جنوری کو دارالعلوم علیمیہ رضویہ ڈربن کی نئی عمارت کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر مولانا شیخ فضل الرحمان مدنی سعودی عرب سے شریک ہوئے۔ کیپ ٹاؤن کے اجتماعات میں 400 مرزائیوں نے قادیانیت سے تائب ہو کر مولانا نورانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے والے تمام خواتین و حضرات کو قرآن حکیم اور ترجمہ کنز الایمان پیش کیا گیا۔ ہالینڈ کے مشہور شہر ہیگ میں جہاں انٹرنیشنل کورٹس آف جسٹس کا ہیڈ آفس ہے، اس کے قریب "کالج فار مسلم اسکالرز" کا افتتاح کیا۔ ہالینڈ کے ایک ماہ کے تفصیلی دورہ کے دوران ہزاروں لوگوں کے سینکڑوں اجتماعات سے خطاب کیا۔ یہاں بھی متعدد عیسائی اور قادیانی مولانا کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس دورے میں مولانا عبدالستار خان نیازی اور پروفیسر شاہ فرید الحق ہمراہ تھے۔ وہاں سے مولانا لندن پہنچے اور برلن ہال میں ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ وکٹوریہ پارک مانچسٹر، اسلامک لرننگ سنٹر ایڈی لیڈ، اسلامک کونسل آف برطانیہ اور آکسفورڈ میں مختلف پروگراموں میں خطاب کیا۔ اسی طرح مولانا شب و روز بڑے بڑے اجتماعات، محافل اور مساجد کا افتتاح کرتے چلے جاتے ہیں۔ مولانا کے لیکچرز اور اعلیٰ پائے کے علمی خطابات سن کر مسلمان ہونے والے خواتین و حضرات کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے وہ ایک ہی نشست میں سینکڑوں لوگوں کے اسلامی نام رکھتے ہیں۔

۲۶۔ 1984ء۔ جنوری میں ماریشس کیلئے روانہ ہوئے جہاں کئی غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ بمبئی (بھارت) کے راستے آتے ہوئے اجمیر شریف حاضری کی خواہش کی پانچ روز

Marfat.com

بمبئی ایئر پورٹ پر انتظار کیا مگر ہندوستانی حکومت نے اجازت نہ دی ۔ اسی سال مولانا نے برطانیہ میں چھ مساجد کا سنگ بنیاد رکھا۔

۲۷۔ 1985ء ۔ 4 اور 5 مئی کو ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کے تحت ویمبلے ہال لندن میں ''حجاز مقدس کانفرنس'' میں شرکت کی ۔ اسی سال ایمسٹرڈیم (ہالینڈ) کی 25 ملین پاکستانی روپے کی لاگت سے جامع مسجد طیبہ کی تعمیر مکمل ہوئی ۔ یورپ کی یہ پہلی مسجد تھی جس میں پانچوں وقت لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے ۔ اسپیکر کی اجازت وہاں کے یہودی میئر سے حاصل کی گئی۔ اس مسجد میں ایک بہترین لائبریری قائم کی گئی ہے جس میں ہالینڈ کے پوپ کی جانب سے دیا گیا سو سال قبل ایک ڈچ کے ہاتھ کا عربی میں لکھا ہوا قرآن بھی موجود ہے۔

اسی سال مولانا نے حکومت سری لنکا کی دعوت پر دو ہفتے کا تبلیغی دورہ کیا۔

۲۸۔ 1986ء میں مولانا نے برطانیہ، ہالینڈ، ماریشس کا تبلیغی دورہ کیا۔

۲۹۔ 24 مارچ 1986ء کو ایران عراق جنگ ختم کرانے کیلئے ورلڈ علماء کانفرنس کی قائم کردہ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کیلئے عراق گئے۔ نومبر میں برطانیہ، جنوبی افریقہ، فرانس اور کینیا کا تفصیلی دورہ کیا۔

۳۰۔ 1987ء ۔ ہالینڈ میں ایک مسجد کا افتتاح کیا اور بہت سے مذہبی اجتماعات سے خطاب کیا۔ نیز وزارت اوقاف عراق کی دعوت پر دورہ کیا۔

بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ لیبیا میں شرکت، ایران، عراق جنگ بندی کیلئے کرنل قذافی سے ملاقات کی۔

نیز برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک کا دورہ کیا۔

۳۱۔ دسمبر 87ء میں تھائی لینڈ، جرمنی، سوئٹزر لینڈ اور افریقی ممالک کا دورہ کیا۔ ہالینڈ اور برطانیہ میں مساجد کا افتتاح کیا۔ عراق اور ہالینڈ گئے۔

۳۲۔ اگست 1988ء میں جامع مسجد لسٹر (برطانیہ) کا سنگ بنیاد رکھا جس پر 20 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ خرچ کیے گئے اور یہ برطانیہ کی انتہائی عظیم الشان مسجد ہے جو 5 سال میں مکمل ہوئی۔

۳۳۔ 1989ء میں بھارت کا تبلیغی دورہ کیا۔ دارالعلوم علیمیہ احمد آباد میں جلسہ کی صدارت کی۔ مختلف اجتماعات میں اسلام کی جامعیت، عالمی اصلاحی معاشی اور سماجی نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالی ۔ ہندومت اور اسلام کے تقابل پر لیکچر دیئے۔ پھر سوئٹزر لینڈ، لیبیا کا دورہ کیا اور

Marfat.com

جامعۃ الازہر، مساوات یونیورسٹی کے سینٹ کے اجلاسوں میں بطور رکن شرکت کی۔

۳۴۔ 1996ء میں ناروے کے دارالحکومت اوسلو میں پہلی مسجد کا افتتاح کیا۔

ان کے تبلیغی دوروں کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

یوں تو مولانا شاہ احمد نورانی کے دوروں کی مصروفیات انہیں اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتیں کہ وہ کتابیں لکھ سکیں جبکہ اس دور میں گھر بیٹھ کر کتابیں لکھنے والے کو کتابی مبلغ کہہ کر بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ مگر مولانا نے وقت نکال کر چند کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں عیسائیت اور مرزائیت کی رد میں دو ضخیم کتابیں بھی شامل ہیں۔

۱۔ دی سیل آف پرافٹ (مہر نبوت)

۲۔ جیس کرائسٹ ان دی لائٹ آف قرآن۔ (یسوع مسیح قران کی روشنی میں)

۳۔ جیل کے دن، جیل کی راتیں۔ (تحریک نظام مصطفیٰ میں اسیری کے دوران تحریر کی)

مولانا نے چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کی حیثیت سے تمام براعظموں کے جس قدر دورے کئے، جتنی اسلامی خدمات انجام دیں اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔

مولانا نورانی کی سرپرستی میں مزید ادارے بھی دنیا کے مختلف ممالک میں کام کر رہے ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

۱۔	ماریشس۔	حلقہ قادریہ علیمیہ اشاعت اسلام
		علیمیہ اسلامک مشن کالج
		علیمیہ دارالعلوم
		ورلڈ اسلامک مشن
۲۔	سری لنکا۔	حلقہ قادریہ علیمیہ اشاعت اسلام سیلون
۳۔	گیانا۔	ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن
۴۔	امریکہ۔	مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ، جارج ٹاؤن
۵۔	ساؤتھ امریکہ۔	اسلامک مشنریز گلڈ
۶۔	ملائشیا۔	آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی
۷۔	برطانیہ۔	حنفی مسلم سرکل۔ پریسٹن

۸۔ ہالینڈ۔ دارالعلوم جامعہ مدینتہ الاسلام، ڈین ہاگ

یہ 18 کمروں پر مشتمل عظیم الشان عمارت ہے جہاں بلجئم فرانس وغیرہ سے بچے قرآن پاک اور دینی تعلیم (جس میں حفظ و تجوید شامل ہے) حاصل کرنے آتے ہیں اور یہاں عربی زبان بھی سکھائی جاتی ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن کی سرگرمیوں کا جائزہ مولانا کی عالمی مبلغانہ شخصیت کا نمایاں پہلو ہے۔ گویا ورلڈ اسلامک مشن اور مولانا کی شخصیت اور ان کا خاندان لازم وملزوم ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس ادارے کی ضرورت و اہمیت کاموں کی نوعیت اور حصول وسائل کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔ کیونکہ اس کی کارکردگی کی تفصیل آج تک با ضابطہ طور پر منظر عام پر نہیں لائی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ مولانا تشہیر کو پسند نہیں کرتے۔ جبکہ ہمارے معاشرے میں معمولی سا کام کر کے اخبارات میں بڑی تصاویر چھپوانے کیلئے بعض لوگ خصوصی ماحول پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ خیرات اگر ایک ہاتھ سے دی جائے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہیں ہونی چاہئے۔ مگر اچھے کام کو اس لئے مشتہر کرنا چاہئے کہ عام لوگوں میں اس کی تقلید کا جذبہ بیدار ہو اور معاشرہ سے برائیاں کم ہوں۔ یہی نیک جذبہ ورلڈ اسلاک مشن پر روشنی ڈالنے کا سبب بن رہا ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن

مولانا شاہ احمد نورانی کے والد حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ (مرحوم) نے جس طرح دنیا بھر میں دورے کر کے اسلام کی شمع کو فروزاں کرنے کیلئے اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو آگے بڑھایا اس وقت یہ طریقہ ہی مناسب تھا۔ مگر جب عیسائیوں نے عیسائیت کے فروغ کیلئے تعلیمی ادارے، گرجے، ہسپتال، رفاہی ادارے منظم طریقے پر بنانا شروع کر دیئے کہ انگلستان کے دستور کے مطابق تاج برطانیہ کو چرچ کا محافظ قرار دیا گیا یعنی چرچ کیلئے وسائل فراہم کرنا، ان کی خدمات کا معاوضہ، الغرض ہر قسم کے کام ملکہ کے حصہ میں آئے۔ اس طرح وسائل کی بے دریغ فراوانی نے عیسائیت کے اس مردہ جسم میں پھر سے جان ڈال دی جو سلطان صلاح الدین ایوبی کی جرآت مندانہ صلیبی جنگوں میں فتوحات کی بدولت مردنی کا شکار ہو چکا تھا۔ برطانوی سامراج کے تازہ خون کی سپلائی نے اسے پھر سے زندہ کر دیا۔ دنیا کے دیگر ممالک کے علاوہ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے روپ میں تجارت کا آغاز کیا اور پھر برصغیر پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو عیسائیت کی جانب لانے کیلئے رفاہی اداروں کا جال بچھایا۔ جہاں انگریز حکمرانوں کے ظلم وستم پر مرہم رکھنے کیلئے مشنری کے تیار کردہ لوگ اخلاقیات کے لبادے میں عیسائیت کا پیغام لئے ضرورت مندوں کے منتظر ہوتے تھے۔ اس کے اثرات آج بھی پاکستان اور انڈیا میں بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔

آج دنیا نے حیرت انگیز ترقی کر لی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت تبلیغ کیلئے نت نئے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں یہود و ہنود کی بڑی بڑی تنظیمیں مختلف روپ دھار کر پوشیدہ مقاصد حاصل کرنے کیلئے شبانہ روز کوشاں ہیں۔ ان حالات میں طویل عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ عالمی سطح پر ایک ایسی تنظیم قائم کی جائے جو مسلمانوں کی دینی، روحانی ضروریات کو پورا کرے۔ بالخصوص ان مسلمانوں کیلئے جنہوں نے روزگار کے سلسلہ

Marfat.com

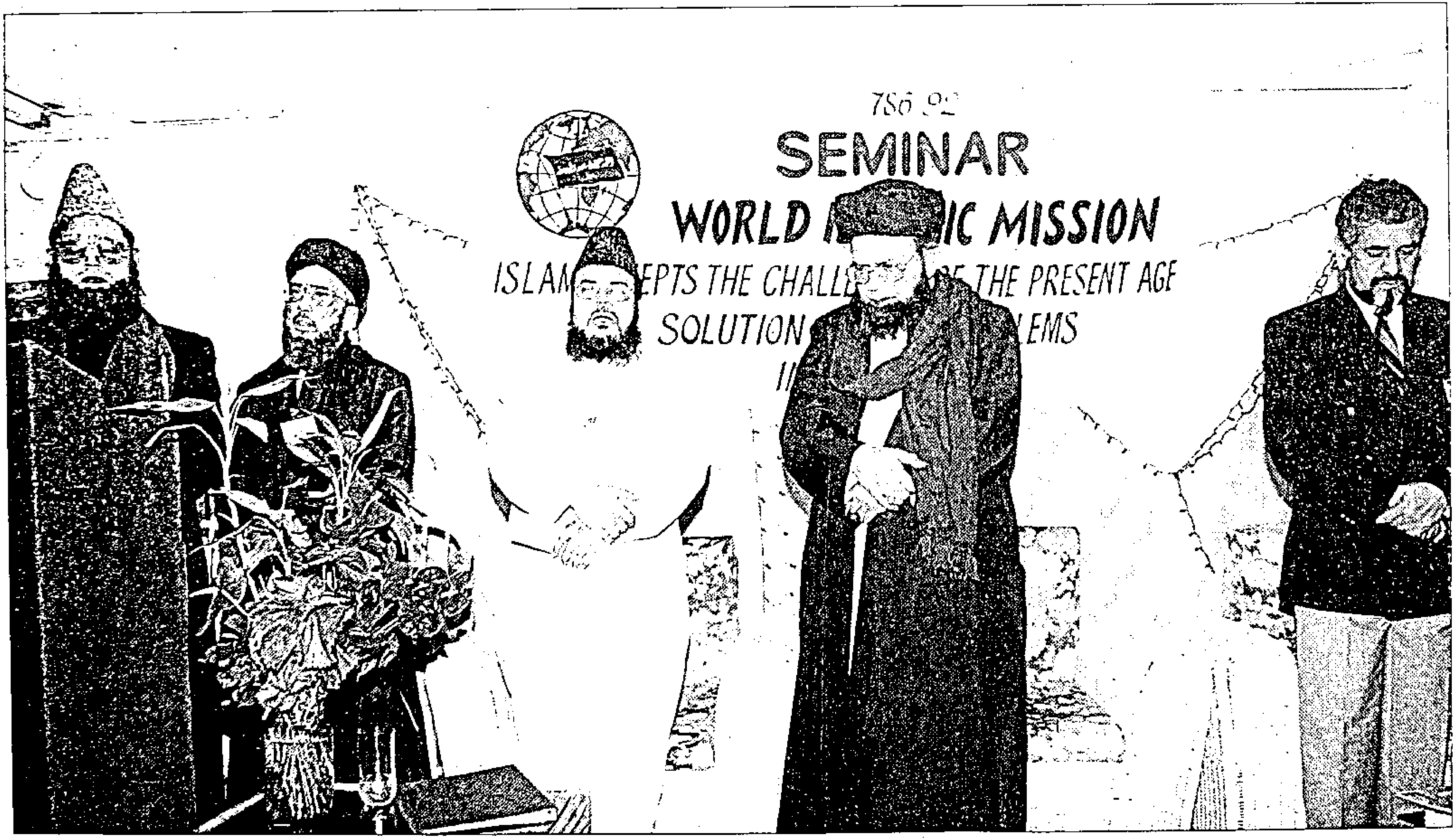

ورلڈ اسلامک مشن ماریشس کی طرف سے سیمنار کے اختتام پر درود و سلام پڑھا جارہا ہے۔
مولانا شاہ احمد نورانی کے ہمراہ ماریشس کے صدر الحاج محمد قاسم یتیم اور علامہ شاہد رضا نعیمی سیکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن یورپ کھڑے ہیں۔

Marfat.com

میں 40، 50 سال سے ہندوستان اور پاکستان کو خیر باد کہہ کر امریکہ اور یورپ کو اپنا مسکن بنایا ہوا ہے۔ دن رات کی انتھک محنت سے انہوں نے مالی مشکلات سے تو چھٹکارا پا لیا۔ لیکن ان کی آنے والی نسلوں کیلئے دین کا رشتہ برقرار رکھنا دشوار ہو گیا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین کیلئے ان کی تشنگی بڑھتی جا رہی ہے۔

دنیا بھر کے مسلمان اور خصوصاً برصغیر کے لوگ جو امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور یورپ کے بعض حصوں نیز سنگا پور، ہانگ کانگ وغیرہ میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کی مذہبی ضروریات نسبتاً زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان ممالک کی حکومتیں غیر مسلم عیسائی ہیں۔ غیر مسلم سیکولر ہو تو اس سے اتنے نقصانات نہیں ہوتے جبکہ یہاں تو عیسائی حکومتیں برملا اپنے مذہب کی سرپرستی کرتی دکھائی دیتی ہیں اور ان کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہاں آباد مسلمانوں کو عیسائی بنا لیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو آئندہ نسل کو عیسائی بنانے کیلئے ماحول تیار کریں۔

مولانا شاہ احمد نورانی چونکہ بچپن سے ہی بین الاقوامی سطح پر اسلام کی دعوت عام کرنے کے مشن پر عمل پیرا تھے۔ اس لئے اس کیفیت کو انہوں نے شدت سے محسوس کیا۔ اس کمی کو دور کرنے کیلئے جنوری 1973ء میں حج کے موقع پر دنیا بھر کے مذہبی پیشواؤں کو مکہ مکرمہ میں اکٹھا کیا۔ ان جید علماء کی مجلس مشاورت مسلسل کئی روز تک اس بات پر غور کرتی رہی کہ لادینیت کی یلغار کو روکنے، مسلمانوں میں دین کا احترام کرنے اور اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کا جذبہ کیسے پیدا کیا جائے۔ کئی روز کی محنت رنگ لائی اور یہ بات طے ہو گئی کہ عالمی سطح پر ایک مذہبی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس کے ذریعے جہاں ایک طرف مسلمانوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جائے وہاں دوسری طرف اسلام کے خلاف لا دینی طاقتوں کی یلغار کو بھی روکا جائے۔ چنانچہ 12 دسمبر 1973ء کو بریڈ فورڈ (برطانیہ) میں ورلڈ اسلامک مشن کا مرکزی سیکریٹریٹ قائم کیا گیا برطانیہ کے مسلمانوں نے اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور 12 اپریل 1974ء کو مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت میں سینٹ جارجز ہال میں اس کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تنظیم کے اصول وضوابط ترتیب دیئے گئے۔ اس موقع پر ہندوستان، پاکستان، عراق، یمن، برطانیہ، افریقہ اور دیگر اسلامی ممالک سے تقریباً ایک سو مذہبی رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ پاکستان اور ہندوستان میں جس طرح دین کا کام کیا جا رہا ہے اسی طرح یورپ اور امریکہ سمیت دیگر ممالک کے افراد اور

Marfat.com

ان کے بچوں کو کفر سے بچانا بھی ہمارا دینی فریضہ ہے اور یہ بھی عہد کیا گیا کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں مسلمانوں کو دفاع اسلام کی ضرورت پیش آئی تو ورلڈ اسلامک مشن اس فرض کو بھرپور طریقے سے ادا کرے گا۔

مشن کی جانب سے تبلیغ کے خدوخال یوں واضح کئے گئے۔

ا۔ مشن کی دعوت بنی نوع انسان کیلئے ہو گی۔ مسلم غیر مسلم کی تمیز کئے بغیر ترجیحاً مسلمانوں کی اصلاح اورانہیں اسلامی احکام کا پابند بنانے کی کوشش کرے گا۔

۲۔ کسی بھی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے کیلئے نہ کسی طرح کا لالچ دیا جائے گا اور نہ جبر بلکہ شعوری بنیاد پر تبدیلی لانے کیلئے ماحول پیدا کیا جائے گا۔ تاکہ وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اس کی آفاقی خوبیوں کی بدولت اسلام قبول کرے۔

۴۔ ورلڈ اسلامک مشن نے پروگرام ترتیب دیا کہ مسلمان بچوں اور نوجوانوں کے قلوب میں اسلام کی تاریخ، عقائد اور فرائض پیغمبر اسلام ﷺ کے فضائل و کمالات اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے نقوش ثبت کئے جائیں گے۔

۵۔ معاشرے میں خواتین کا ہمیشہ سے اہم کردار رہا ہے۔ اس لئے مسلم خواتین کو تربیت اولاد، فرائض عائلی، محاسن اخلاق اور اسلامی معاشرت کی بنیادی تعلیم دی جائے گی تاکہ وہ اپنا کردار بھرپور طریقہ پر ادا کرسکیں۔

اور سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ نو مسلم افراد کو اسلامی معاشرہ میں ضم کر کے امتیاز مٹایا جائے گا اور ایک نو مسلم کو نت نئے حالات کا سامنا کرتے وقت جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا اس کی ہر ممکن مدد کی جائے گی۔

ورلڈ اسلامک مشن نے ایک اور اہم کام یہ انجام دیا کہ روز مرہ کے پیش آمدہ مسائل اور ان کے بارے میں درست حل کیلئے دارالافتاء قائم کیا جو عالمی مرکز میں جید مفتیان کرام کی نگرانی میں کام کر رہا ہے اور بغیر کسی معاوضہ کے دنیا بھر سے بھیجے گئے سوالات کے جوابات پیش کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی تشکیل کر کے اسلام پر تحقیقی کام کو مزید آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن پاکستان آج تک مختلف موضوعات پر لاکھوں کتابیں مختلف زبانوں میں شائع کر چکا ہے۔ جنہیں اس انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا ایک ہی نشست

میں کسی ایک موضوع پر مکمل معلومات کم سے کم وقت میں حاصل کر لیتا ہے۔ یہ تمام کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں جن میں قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ اور دوسری کتابیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

ورلڈ اسلامک مشن کے لٹریچر، اس کی علمی نشستیں اور والہانہ جذبے کے کاموں کو دیکھ کر بسا اوقات عیسائی پادری مولانا کو مناظرہ کی دعوت دے دیتے ہیں جن کا مقصد اسلام کے مقابل عیسائیت کو سچا مذہب ثابت کرنا ہوتا ہے۔ وہ ایسے غیر منطقی سوالات کرتے ہیں کہ آخر میں سوائے شرمندگی کے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ بائبل کی اصل کتاب روئے زمین پر کہیں نہیں۔ مختلف عیسائی فرقوں نے اپنی اپنی ضروریات کے مطابق اس میں تحریف کر لی ہے۔ اکثر مولانا کو یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں خطاب کی دعوت دی جاتی ہے۔ وہاں بھی عیسائی پادری آتے ہیں اور لیکچر کے اختتام پر سوالات کی اجازت ہوتی ہے۔ یہاں بھی عیسائی پادری مولانا کے سامنے عیسائیت کا دفاع نہیں کر پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ مادیت کی آگ میں جل رہا ہے اور خود عیسائیت کے پیروکار اپنے مذہب سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس لئے ورلڈ اسلامک مشن کی کارکردگی کی بدولت اسلام کی جڑیں ان ممالک میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہیں۔ اس قدر وسیع کام کو چلانے کیلئے فنڈز نہایت اہم ہوتے ہیں۔ اس لئے وسائل کی بنیاد پر تنظیم کی پالیسی مرتب کی جاتی ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی عالمی سطح کے مبلغ کی حیثیت سے تنظیموں کے درمیان تقابلی جائزہ کی فہم و فراست رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے آغاز میں ہی وسائل پیدا کرنے کے طریقے وضع کر لئے۔ ممبر شپ فیس کے علاوہ متعلقین باقاعدگی سے معاونت کرتے ہیں تاکہ اپنی مدد آپ کے تحت صحیح سمت میں بغیر ''ڈکٹیشن'' کے کام کر سکیں۔ کیونکہ اس وقت چند اور تنظیمیں بھی اسی طرز پر کام کر رہی ہیں۔ مگر ان کا مقصد مختلف حکمرانوں کی بادشاہتوں کا تحفظ کرنا ہے۔ پیسہ خرچ کرنے والے ممالک کے حالات جس طرف کروٹ لیں وہ اس طرف چل پڑتی ہیں۔ عالم اسلام کو اس کا نفع ہو یا نقصان وہ اپنے آقاؤں کی خوشنودی اور اپنی گرانٹ میں اضافہ کیلئے اپنا سب کچھ لگا دیتی ہیں۔ گویا وہ مذہبی سے زیادہ سیاسی ہیں۔ جس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی خوددارانہ مزاج کے انسان ہیں اس لئے ورلڈ اسلامک مشن کی پالیسیوں میں اس کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ اپنی آزادانہ پالیسی کی وجہ سے ورلڈ اسلامک مشن نے ہر دور میں عالم اسلام کے وسیع تر مفاد میں کام کیا ہے۔ اس لئے دنیا کے ہر گوشہ میں

Marfat.com

اسے پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ورلڈ اسلامک مشن کی تنظیم پر غور کیا جائے تو ہر ملک ایک الگ یونٹ کی شکل رکھتا ہے۔ تمام یونٹس اپنے وسائل سے اپنے کام سرانجام دیتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے بیشتر ممالک میں اس کی رجسٹریشن ہے۔ ورلڈ اسلامک مشن نے اب تک اپنی مدد آپ کے تحت کینیڈا، ساؤتھ امریکہ، فرانس، ناروے، بلجیم، ہالینڈ، پرتگال، جرمنی، آسٹریلیا، ماریشس، کینیا، تنزانیہ، ساؤتھ افریقہ سمیت بہت سے علاقوں میں اپنے ادارے قائم کئے ہیں جن سے ہزاروں تشنگان دین استفادہ کر رہے ہیں۔ مولانا ہر سال ان اداروں کی کارکردگی، تنظیم تبلیغ اور نئے قائم شدہ مدارس و مساجد کا افتتاح و سیمینار میں شرکت کرنے کیلئے دنیا بھر کا دورہ کرتے ہیں۔ ان کا ورلڈ اسلامک مشن پاکستان کے دفتر میں بیٹھ کر بھی اپنے یونٹوں سے ہر ملک میں مستقل رابطہ رہتا ہے اور کسی بھی ایمرجنسی میں وہاں پہنچتے ہیں ان کے دورے اور رابطے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کو مضبوط رکھتے ہیں۔ اور ایک ملک کی شاخ دوسرے ملک کی شاخ کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھاتی ہے۔ مولانا کے ان دوروں کا سب سے اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سرگرمیوں کا بھی پتہ چلتا رہتا ہے۔ اس طرح غیر سرکاری سطح پر پوری دنیا کے مسلمان ورلڈ اسلامک مشن کے ذریعے زنجیر کی مانند ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں اب وہاں نہ تو افریقہ کا حبشی رہتا ہے اور نہ برطانیہ کا گورا۔ رنگ و نسل سے آزاد ایک قوم حضور پرنور ﷺ کے جھنڈے تلے متحد نظر آتی ہے۔ ان میں پاکستانی بھی ہیں۔ ہندوستانی بھی، ایرانی، امریکی، چینی، روسی، افریقی، جاپانی الغرض ہر براعظم کا شخص محبت رسول کی لڑی میں پرویا نظر آتا ہے۔ ان کا یہ اتحاد غلبہ اسلام کی تحریک کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ اور یورپ میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مولانا کے مسلسل رابطے اس کی رفتار میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔ مولانا نورانی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ماریشس کے وزیر اعظم نے درست کہا تھا:۔

"ربیع الاول میں مولانا ماریشس تشریف لاتے ہیں تو ان کا استقبال سربراہ مملکت کی طرح ہوتا ہے اور ماریشس میں امن وسکون کا سہرا مولانا نورانی کے سر ہے۔"

یہ جملے مولانا کے عالمی مبلغ ہونے اور چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کے منصب جلیلہ کو بہترین طریقہ پر نبھانے کا اعتراف ہیں۔

Marfat.com

دعوت اسلامی کی تشکیل

پاکستان میں محبت رسول کے فروغ اور لوگوں کو سیرت طیبہ پر عمل پیرا کرنے کیلئے مولانا شاہ احمد نورانی نے 1981ء میں اپنی رہائش گاہ پر علماء کرام کا ایک اجلاس بلایا جس کی صدارت غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے کی اس میں مفتی وقارالدینؒ، عبدالمصطفیٰ الازہری، علامہ ارشد القادری سمیت بہت سے علماء کرام شریک ہوئے۔ رات دو بجے تک جاری رہنے والے اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ خالصتاً غیر سیاسی انداز میں کام کرنے کیلئے ایک تنظیم قائم کی جائے جس کا بنیادی کام لوگوں کو حضور پر نور ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہو۔ تاکہ پاکستانی معاشرے میں حضور ﷺ کی سنت سے دوری کا جو رجحان پھیلتا جا رہا ہے اسے روکا جا سکے اور نوجوانوں کو سیرت نبوی کے سانچہ میں ڈھالنے کا انتظام ہو۔ ہر جگہ درود وسلام کی صدائیں گونجیں۔ اس تنظیم کا نام دعوت اسلامی تجویز کیا گیا اور مفتی وقار الدین کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس کام کا آغاز کریں اور پھر انہیں اس کام کیلئے جو بہتر نوجوان نظر آئے یہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے۔ ان دنوں مفتی وقار الدینؒ کے پاس مولانا الیاس قادری زیر تعلیم تھے۔ انہوں نے مولانا شاہ احمد نورانی سے اجازت لے کر مولانا الیاس قادری کو دعوت اسلامی کا امیر مقرر کیا۔ آج مولانا شاہ احمد نورانی کا لگایا ہوا دعوت اسلامی کا پودا تناور درخت بن چکا ہے۔ ملک بھر کے طول وعرض میں دعوت اسلامی کے ''اسلامی بھائی'' حضور ﷺ کی سنتوں کو عام کرنے کیلئے شب و روز کوشاں ہیں۔ لاکھوں نوجوان دعوت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ ہر سال اس کا باقاعدہ سالانہ سہ روزہ اجتماع منعقد ہوتا ہے جس میں لاکھوں افراد شریک ہو کر حضور ﷺ کی سنتوں کا احیاء کرتے ہیں۔

بدی سے بچ کر دعوت اسلامی کے بتائے ہوئے نیکی کے راستہ پر جتنے بھی افراد چلتے جائیں گے اس کا اجر ہمیشہ بانی دعوت اسلامی عالمی مبلغ قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کو ملتا رہے گا۔ ورلڈ اسلامک مشن اور دعوت اسلامی دونوں ایسی تحریکیں ہیں جن کے ذریعے عالمی مبلغ کا عالمگیر غلبہ اسلام کا خواب ضرور پورا ہوگا۔

Marfat.com

باب 3

داعی اتحاد بین المسلمین

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے...... محبت و اخلاق اس کے اہم ستون ہیں۔ یہ اپنے ماننے والوں کو اعلیٰ اخلاق کا درس دیتا ہے اور اخلاق ہی اسلام کو دیگر مذاہب کے مقابلے میں ممتاز کرتا ہے۔ اسلام تحقیق کے مسلسل عمل کو دین کا بنیادی جزو بیان کرتا ہے اور تحقیق میں اختلاف رائے کو رحمت قرار دیتا ہے۔ تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیں تو اسلام نے جتنی بھی ترقی کی وہ نت نئی تحقیقات کی بدولت ہی ممکن ہوئی ہے لیکن بدقسمتی سے ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب تحقیق بہتری کی بجائے ضد کا سبب بننے لگی۔ علم کی جگہ انا نے لے لی۔ یہیں سے مسلم قوم میں اختلافات نے جنم لیا۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے ان باتوں کا فائدہ اٹھایا۔ اس طرح اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا آغاز ہوگیا۔ مسلم اتحاد کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے آخری ضرب کے طور پر لارنس آف عریبیہ کے روپ میں برطانوی جاسوس نے عرب اور غیر عرب کی بحث چھیڑ کر آگ بھڑکا دی جس سے عظیم الشان سلطنت عثمانیہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اس طرح مسلم قومیت علاقوں اور ملکوں کے جغرافیہ میں بٹ گئی۔ مسلم امہ کے مفادات عرب اور غیر عرب کی بھینٹ چڑھ گئے۔ برطانوی سامراج نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتوحات کا بدلہ لینے کے لئے تقسیم در تقسیم کے فارمولے پر عمل کرکے بڑے بڑے مسلم ممالک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ چھوٹی چھوٹی عرب ریاستیں قائم کروائیں تاکہ مسلمانوں میں طاقت کا مرکز نہ رہے اور نہ کبھی وہ سر اٹھا کر چل سکیں اور نہ ہی اسلام غلبہ حاصل کرسکے۔ برصغیر دنیا کے نقشہ پر ایک ایسا خطہ تھا جہاں بتوں کے پجاری انسانی ذہنوں کو بت کدوں میں قید کیے ہوئے تھے۔ غازی محمد بن قاسم کی فتوحات اور عرب تاجروں کے ذریعے اسلام کی روشنی اس علاقے میں پھیلی۔ 711ء میں ایک نئی مملکت کی ضرورت اس وقت پڑ گئی جب پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا۔ یہیں سے ہندو مسلم کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ اسلام کے شعور کی وجہ سے یہاں کے مسلمان سامراجی طاقتوں کے خلاف منظم ہونا شروع ہوگئے۔ بزرگان دین اور مشائخ عظام نے تبلیغ اسلام کے ذریعے دینی فتوحات کے علم بلند کرکے برصغیر میں مضبوط مسلم

Marfat.com

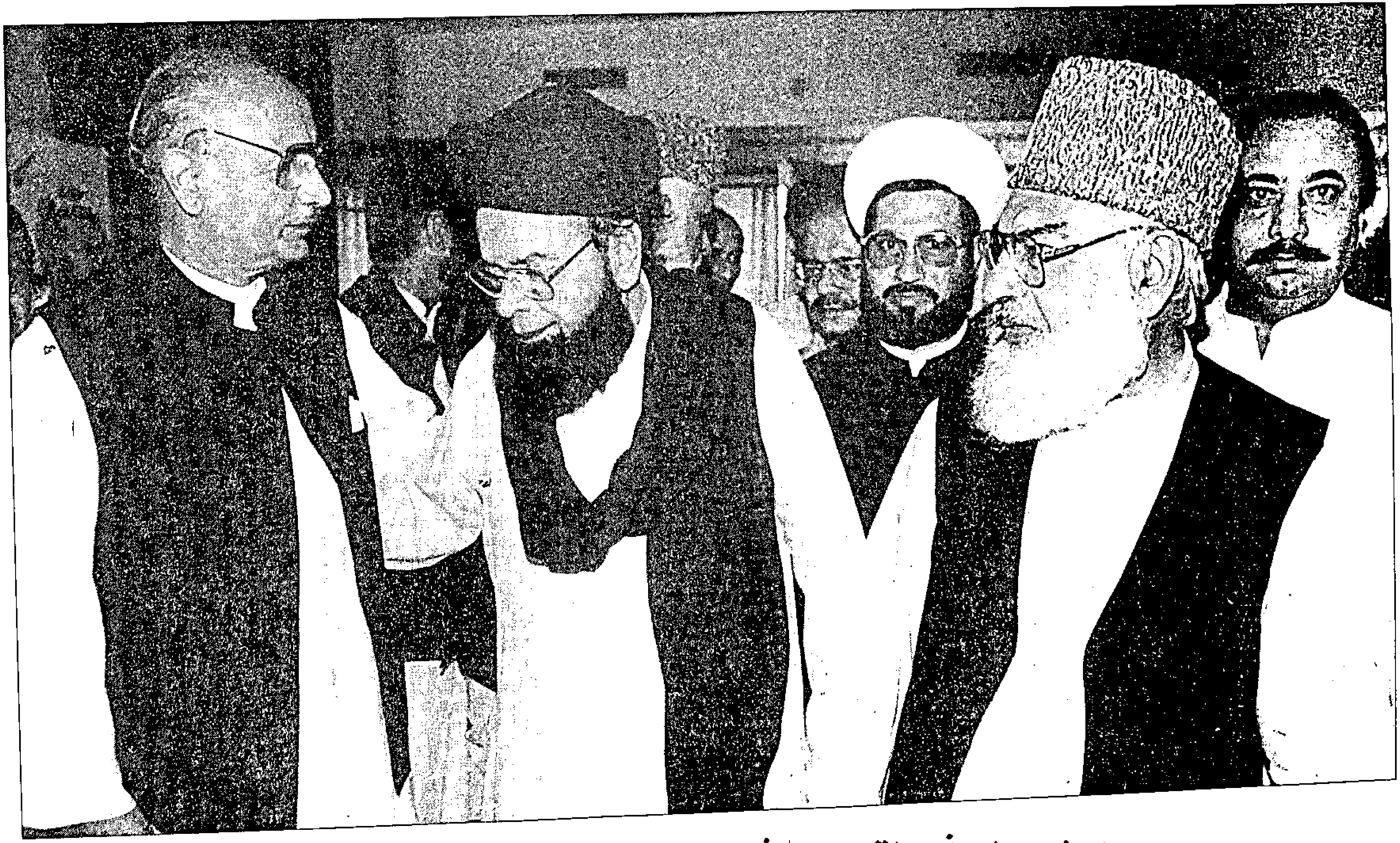

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، ائیر مارشل اصغر خاں ، قاضی حسین احمد اور دیگر

Marfat.com

قوم تشکیل دیدی۔ یہاں کے مسلمانوں کے دل نئے جذبوں کے ساتھ عالم اسلام سے جسد واحد کی طرح جڑ گئے۔ یہ کسی بھی ملک کے مسلمانوں کی تکلیف کو اپنے اندر محسوس کرنے لگے۔ ہندو اس جذبہ میں رکاوٹ بنتے تھے۔ یہ رکاوٹ مسلمانوں کو الگ سرزمین کے مطالبے پر لے آئی اور قائد اعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں پاکستان نہایت کٹھن جدوجہد کے بعد معرض وجود میں آ گیا قائد اعظمؒ نے پاکستان کو عالم اسلام کی لیبارٹری قرار دیا کہ جہاں سے مسلم قومیت کے جذبہ کو ملت اسلامیہ میں پھیلانا تھا۔ یہ بات سامراجی طاقتوں کو قبول نہ تھی کہ جس قومِ رسولِ ہاشمی کو انہوں نے طویل منصوبہ بندی سے علاقوں کی بنیاد پر تقسیم کیا تھا پھر ایک قوم بن جائے۔ نئی سازشوں کے جال بنے گئے۔ علماء کے درمیان اختلافات کو بڑھانے کی کوششیں کی گئیں۔ مسلک اور فرقہ بندی کی باتیں عام ہونے لگیں۔ لیکن 1951ء میں 31 علماء کرام نے 22 نکات پر اتفاق رائے کر کے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔ اسلام دشمن طاقتوں کو منہ کی کھانا پڑی۔ کچھ وقفے کے بعد انہوں نے محرومیوں کے نام پر نئے انداز سے جال پھیلایا۔ اب مسلمان قوم بنگالی اور غیر بنگالی کے نام پر تقسیم ہونے لگی۔ نفرتوں کی اس آگ نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ نئے پاکستان میں نفاذ اسلام کا جذبہ پھر بھی ماند نہ پڑا۔ کیونکہ مولانا شاہ احمد نورانی مسلم قومیت کے علمبردار کی حیثیت سے موجود تھے۔ مولانا کی قیادت میں علماء نے طویل جدوجہد کر کے 73ء کے آئین میں نفاذ اسلام کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کر دی اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے مستقبل کا نقشہ بھی بنا دیا۔ اب سیکولر حکومت راہ فرار اختیار نہیں کر سکتی تھی۔

1977ء میں تحریک نظام مصطفےٰ میں پشاور تا کراچی عوام کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ ملک میں نظام مصطفےٰ نافذ کرو۔ مگر لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے تربیت یافتہ بعض فوجی اور سول آفیسران رکاوٹ بن گئے۔ انہوں نے ملک میں سیاسی ڈیڈ لاک لگا دیا۔ امریکہ کی شہ پر (جس کا فائدہ مہم جو فوجی جرنیلوں نے اٹھایا) اسلامائیزیشن رک گئی اور مارشل لاء آ گیا۔ چند مہم جو فوجی جرنیلوں نے اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لئے مسلم قومیت کے جذبۂ محرّکہ کو لسانیت کے روپ میں بدلنا شروع کر دیا۔ جی ایم سید کی سرپرستی کر کے جئے سندھ کو منظم کرایا گیا۔ الطاف حسین کو کھڑا کر کے مہاجر قومیت کو ابھارا گیا۔ سرائیکی علاقوں میں ’’اساں قیدی تخت لاہور دے‘‘ کے نعرے لگوا دیئے ...... سرحد میں پختونستان اور بلوچستان میں پختون بلوچ کی

Marfat.com

بات کروا کر اسلام کے بڑھتے ہوئے ماحول کو نفرتوں میں بدل دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی ان حالات سے پریشان تھے جونہی 1988ء میں انتخابات کا اعلان ہوا سیاسی و مذہبی جماعتوں نے نئی صف بندی کا آغاز کیا۔ اس کی بدولت نفرتوں کی جگہ نظریات آئے۔ جذبہ اسلام پنپنے لگا۔ مذہبی طبقہ نئے خطوط پر آہستہ آہستہ منظم ہونے لگا۔ انقلاب ایران اور روس کی افغانستان میں شکست کے باعث ایک نیا اسلامی بلاک بننے لگا۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد یہ نقشہ امریکہ کے لئے ناقابل قبول تھا اس لئے امریکیوں نے اپنا نیو ورلڈ آرڈر تشکیل دے کر مسلم ممالک کی خودمختاری پر پہرے لگانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کے لئے ''بنیاد پرست'' اور ''Militant'' کے الفاظ ایجاد کیے گئے۔ سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کے نام سے دیوبندی اور اہل تشیع مسلمان فرقوں کو آپس میں لڑا دیا تاکہ ایران، پاکستان اور افغانستان میں کہیں بھی امن نہ ہو۔ بیرونی سرمائے کی طاقت سے مسلح گروپ بنائے جانے لگے۔ عبادت گاہیں جو کہ جائے امن ہوا کرتی تھیں، اسلحہ کی زد میں آ گئیں۔ دہشت گردوں کی بن آئی۔ ایک دوسرے کو کافر کہہ کر قتل کرنے کا جواز ڈھونڈ لیا گیا۔ مساجد اور امام بارگاہیں قتل گاہیں بن گئیں۔ یہود و ہنود نے الیکٹرونک میڈیا کی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مناظر ٹی وی اسکرین پر دنیا بھر میں دکھلائے۔ بلکہ بعض چینل مخصوص کر دیئے گئے جو ان واقعات کی فلم بنا کر چلاتے۔ تھے اس طرح عالمی سطح پر اسلام کے خلاف دہشت گرد مذہب ہونے کا منفی پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا تاکہ یورپ اور امریکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکا جاسکے۔ انہیں اس کام میں خاطر خواہ کامیابیاں بھی ہوئیں۔ پاکستان میں جگہ جگہ نفرتوں کے الاؤ جلنے لگے ہر روز کسی نہ کسی عبادت گاہ سے لاشیں اٹھائی جانے لگیں۔ مذہب بدنام ہو رہا تھا۔ ملک کا امن تباہ تھا۔ اسلام کو ''ہمارا دین'' کہنے والے اور ''اسلامائیزیشن'' کے دعویدار اس صورتحال میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ اسلام مخالف اور سیکولر جماعتیں مذہبی طبقہ کو رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ ایسے میں بیدار ذہن مذہبی سیاسی قیادت نے اسلام کے تحفظ اور پاکستان کی سلامتی کے لئے پھر ایک قدم آگے بڑھایا۔ 23 مارچ 1995ء کو مختلف مذہبی جماعتوں کا اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا جس میں مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی پاکستان، مولانا سمیع الحق امیر جمعیت علماء اسلام (س)، مولانا عبدالستار خان نیازی، صدر جمعیت علماء پاکستان (نیازی گروپ) پروفیسر ساجد میر امیر جمعیت

۳۵۵۵۳ھ

Marfat.com

اہلحدیث۔ علامہ ساجد نقوی قائد تحریک جعفریہ پاکستان،مولانا ضیا القاسمی ، سپاہ صحابہ پاکستان، علامہ مرید عباس یزدانی سپاہ محمد ،مولانا اسفند یار ولی سربراہ سواد اعظم پاکستان ، آغا مرتضی پویا سربراہ حزب الجہاد پاکستان ، مولانا محمد اجمل خان۔ جمعیت علماء اسلام (ف) کے علاوہ چند معروف مذہبی شخصیات شریک ہوئیں یہ اجلاس نہایت ہنگامہ خیز تھا اکثر حضرات اپنی اپنی بالادستی چاہتے تھے اس کاروان کی قیادت کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کرگیا۔ ایسی شخصیت کی تلاش تھی جس پر تمام مذہبی قائدین متفق ہوجائیں اور مزید آنیوالوں کو بھی اعتراض نہ ہو......غوروفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ صرف مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت اتنی قدآور ہے جس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا اور عالم اسلام کے لئے ان کا کام اتنا زیادہ ہے جسکی مثال نہیں وہ اندرونی و بیرونی مسائل کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں نیز حکمرانوں کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں اور عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح اتفاق رائے سے انہیں صدر اورمولانا سمیع الحق کو سیکریٹری جنرل چنا گیا۔ علماء کرام نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ تشدد کے ذریعے اپنے مسلک کے پرچار کا رجحان خطرناک ہے۔ مساجد اور امام بارگاہوں پر حملے ہورہے ہیں۔ سپاہ صحابہ (دیوبندی) اور سپاہ محمد (شیعہ) ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ان کارروائیوں کو فی الفور روکا جائے اس موقع پر مولانا نورانی نے کہا کہ پاک وطن کے خرمن کو فرقہ واریت کی آگ سے بچانا از حد ضروری ہے انہوں نے شرکاء پر زور دیا کہ آج کے اجلاس میں اہم فیصلے کئے جائیں۔ آج اتحاد کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کریں گے تو آئندہ کا اجلاس موثر ہوگا۔ اجلاس کے اختتام پر مولانا نورانی نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اتحادویکجہتی کے قیام پر پوری قوم کو مبارک باد دی انہوں نے کہا کہ:۔

’’ہم اس وقت بھارتی، امریکی اور اسرائیل کے گٹھ جوڑ کی زد میں ہیں۔ وہ ہمیں لسانی، علاقائی،نسلی، اور فرقوں کی بنیاد پر لڑانا چاہتے ہیں۔ تاکہ پاکستان میں مکمل خانہ جنگی ہو۔ جس سے ان طاقتوں کو اپنے عزائم پورے کرنے کا موقع ملے۔ سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد شیعہ کی دیگر تنظیموں کو ابھار کر پاکستان اور ایران کے درمیان جنگ کروانا چاہتے ہیں (جس طرح عراق ایران جنگ کروائی) تاکہ بعد میں پاکستان کو بھی ختم کردیں نقشے پر دیکھیں آذر بائیجان ایران سے ملتا ہے اور نئے سروے کے مطابق مستقبل میں آذر بائیجان اور وسط ایشیائی ممالک میں عرب سرزمین سے بھی زیادہ تیل نکلے گا۔ یہود و ہنود کا مقصد مسلمانوں کی اقتصادیات کو کنٹرول

Marfat.com

کرنا ہے اس لئے یہ کھیل کھیلا جارہا ہے۔ پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کا باہمی امن وتعاون ان کے مقصد کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ دینی جماعتوں نے اس خطرہ کا بروقت احساس کیا ہے امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اسلام دشمن طاقتوں کو بروقت سمجھا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا جائے جو تحقیقات کرے کہ پاکستان میں شیعہ سنی شروع سے رہتے ہیں پھر فسادات کیسے شروع ہوئے۔ یہ کمیشن ذمّے دار افراد کا تعین کرے۔ میرے خیال میں کوئی بھی ذمے دار مسلمان مساجد اور امام بارگاہوں پر حملوں کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اسلام دشمن طاقتیں ملت اسلامیہ میں فرقہ واریت کی ہوا دے کر یکجہتی کو پارہ پارہ کررہی ہیں۔ انہوں نے ہی قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔"

قومی و ملی یکجہتی کونسل نے ایک متفقہ اعلامیہ بھی جاری کیا جس کے الفاظ کچھ یوں تھے:۔

"وطن عزیز پاکستان اس وقت اندرونی و بیرونی خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اسلام دشمن قوتیں ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کررہی ہیں اور فرقہ واریت کو ہوا دے رہی ہیں۔ حکمرانوں کی مجرمانہ غفلتوں کی وجہ سے پورے ملک میں عموماً اور کراچی میں بالخصوص دہشت گردی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ یہاں تک کہ عبادت گاہیں قتل گاہیں بن گئی ہیں ان حالات میں ملک بھر کی دینی جماعتوں کا یہ نمائندہ سربراہی اجلاس ان خطرات کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے کے لئے درج ذیل فیصلوں کا اعلان کرتا ہے:۔

۱...... پاکستان کے آئین اور تمام ملکی قوانین پر قرآن وسنت کی بالادستی ہے...... کتاب وسنت کی مکمل آئینی حکمرانی اور شریعت محمدی کے عملی نفاذ اور ایک مکمل اسلامی انقلاب برپا کرنے کو ہم اپنا دینی اور ملی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے مشترکہ جدوجہد کریں گے۔

۲......عالمی اور ملکی سطح پر اسلام اور دینی قوتوں کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کے تحت جو مہم جاری ہے اس کا ہم سب مل کر مقابلہ کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

۳...... یہ اجلاس اسلام کے بنیادی عقائد اور اقدار پر قائم رہنے کو باعث فخر سمجھتا ہے۔ اور وزیراعظم پاکستان کی طرف سے اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف امریکی امداد طلب کرنے کو اسلام اور پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ کے خلاف سمجھتا ہے اور امن غیرت اسلامی کے منافی اقدام کی بھر

پور مذمت کرتا ہے۔
۴...... ہم ملک کے اندر مذہب کے نام پر دہشت گردی اور قتل و غارت گری کو اسلام کے خلاف گردانتے ہوئے اس کی پر زور مذمت کرتے ہیں۔
۵...... یہ اجلاس عظمت رسول ، عظمت اہل بیت اطہارؓ، عظمت ازواج مطہراتؓ اور عظمت صحابہ کرامؓ کو ایمان کا جزو سمجھتا ہے اور ان کی تکفیر کرنے والے کو اسلام سے خارج سمجھتا ہے اور ان کی توہین اور تنقیص کو حرام سمجھتے ہوئے قابل تعزیر جرم سمجھتا ہے۔
۶...... یہ اجلاس کسی بھی اسلامی فرقے کو کافر قرار دینے کو غیر اسلامی اور قابل نفرت قرار دیتا ہے۔
۷...... یہ اجلاس جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے تحفظ ناموس رسالت کے سلسلے میں منعقدہ اجلاسوں میں ہونے والے فیصلوں کی توثیق کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ توہین رسالت کی ہمت افزائی کی پالیسی ترک کر کے تحفظ ناموس رسالت کی پالیسی کا واضح اعلان کرے۔ اور یہ اجلاس واضح کرتا ہے کہ اگر توہین رسالت کے قانون میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی تو دینی جماعتیں ایسے مذموم اقدام کے خلاف بھر پور کارروائی کریں گی۔
۸...... یہ اجلاس ملک کے اندرامت مسلمہ کے درمیان اتحاد کی فضا قائم کرنے، کشیدگی کو دور کرنے اور یکجہتی پیدا کرنے کے لئے دینی سربراہوں پر مشتمل ایک اسلامی یکجہتی کونسل کے قیام کا اعلان کرتا ہے۔ اور یہی کونسل دل آزار اور توہین آمیز مواد پر مشتمل لٹریچر کا جائزہ لے کر ضروری اقدام کرلے گی اور کونسل اپنے کئے گئے فیصلوں کے عملی نفاذ کی بھی ذمہ دار ہوگی۔ واضح رہے کہ فی الحال یہ کونسل گیارہ دینی جماعتوں کے سربراہوں پر مشتمل ہے جن کے نام درج ذیل ہیں:۔

ا۔مولانا شاہ احمد نورانی	صدر، جمعیت علماء پاکستان
۲۔مولانا سمیع الحق سینٹر	امیر جمعیت علماء اسلام ''س''
۳۔قاضی حسین احمد	امیر جماعت اسلامی پاکستان
۴۔علامہ سید ساجد علی نقوی	قائد تحریک جعفریہ پاکستان
۵۔مولانا عبدالستار خان نیازی	جمعیت علماء پاکستان ''نیازی گروپ''
۶۔پروفیسر ساجد میر	جمعیت اہلحدیث پاکستان

Marfat.com

فیصل آباد۔ مشہور صنعت کار۔ زاہد انوار کی طرف سے اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل کے بعد دیئے گئے استقبالیہ میں۔
مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا فضل الرحمٰن، جنرل کے۔ ایم اظہر خان، اور میزبان۔

۷۔مولانا ضیاء القاسمی سپاہ صحابہ پاکستان

۸۔مولانا اسفند یار خان سربراہ سواد اعظم

۹۔آغا مرتضیٰ پویا سربراہ حزب الجہاد پاکستان

۱۰۔نمائندہ تحریک منہاج القرآن پاکستان

۱۱۔مولانا محمد اجمل خان جمعیت علماء اسلام (ف)

بعد میں سپاہ محمد سمیت بہت سی اور جماعتیں شامل ہوگئیں۔

ملی یکجہتی کونسل کے اس ابتدائی اجلاس پر عوام کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ مذہب کے نام پر دہشت گردی سے تنگ آ چکے تھے جبکہ اسلام مخالف قوتیں یہ مذموم پروپیگنڈا نہایت منظم طریقے پر کررہی تھیں کہ مختلف مسالک کے علماء اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکتے تو اکٹھے بیٹھ کیسے سکتے ہیں ملی یکجہتی کونسل کے اکابرین نے ان تمام باتوں کو اپنے عمل سے غلط ثابت کردیا کامیاب اجلاس منعقد کرکے بنیادی فیصلے بھی کردیئے گئے حتی کہ ملی یکجہتی کونسل کے نومنتخب چیئرمین مولانا شاہ احمد نورانی کی امامت میں مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے قائدین نے باجماعت نماز ادا کی جس کی تصاویر تمام بڑے اخبارات میں بھی شائع ہوئیں۔ اس طرح ملی یکجہتی کونسل نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں اسلام دشمن طاقتوں کے عزائم خاک میں ملا دیئے اور یہ ثابت کردیا کہ اسلام کے خلاف کی جانیوالی سازشوں کو مختلف مسالک کے اختلافات کے باعث کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔ کیونکہ ہم سب ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کے ماننے والی ایک امت ہیں۔ جس طرح کفار ایک ملت ہیں۔ ملی یکجہتی کونسل کی تشکیل اور اعلی کارکردگی پر ملک بھر کی عوام نے خوشی کا اظہار کیا اور علماء کو مل بیٹھنے پر مبارکباد پیش کی۔ اس اجلاس کے اثرات ہر سطح پر محسوس کیئے گئے۔ ماردھاڑ میں کمی واقع ہوئی جس سے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ ہر شخص نے "اپنا مسلک چھوڑو نہ دوسرے کا مسلک چھیڑو نہ" کے فارمولے کو پسند کیا۔

انہیں دنوں پیپلزپارٹی کی حکومت امریکہ و صیہونی طاقتوں کے دباؤ میں ناموس رسالت کے قانون میں ترمیم کا سوچ رہی تھی جس کے مطابق توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جاتی تھی ملی۔ یکجہتی کونسل نے اس مسئلے کو بھی اپنے ایجنڈے میں شامل کیا۔ علماء کرام نے حکومت کے مدارس عربیہ کے خلاف عزائم کو بھی تشویشناک قرار دیا اور روشنیوں کے شہر کراچی میں پائے جانے والے نسلی، علاقائی اور لسانی تشدد کے واقعات کے تدارک کے

Marfat.com

لئے بھی لائحہ عمل طے کیا۔ علماء نے محسوس کیا کہ ''صلیبی'' طاقتیں ''ہلال'' کے خلاف پھر نئے انداز سے سازشیں کررہی ہیں اور منظم طریقے سے ہمارے اندر گھس آئی ہیں تاکہ ہمیں آپس میں لڑائیں اور ہم یورپ میں دینی کام نہ کرسکیں۔ کیونکہ اگر مسلمان آپس میں متحد ہوگئے، ان کے مسائل ختم ہوگئے تو وہ کلیساؤں پر کام کریں گے۔ اس لئے جنوبی سوڈان ، بوسنیا ، چیچنیا، فلسطین، کشمیر کے مسائل پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ملی یکجہتی کونسل مستقل بنیادوں پر کام کرے۔ مشترکہ جلسے ہوں۔ ریلیاں ہوں۔ مشترکہ دستور بنایا جائے تاکہ بگڑتے ہوئے حالات میں مسجد کی آزادی کو سلب ہونے سے بچایا جاسکے کونسل نے نچلی سطح تک معاملات کو حل کرنے کے لئے درج ذیل کمیٹیاں بنائیں:۔

مصالحتی کمیٹی ، ضابطہ اخلاق کمیٹی ، کراچی و سندھ کیلئے کمیٹی ، مالیاتی کمیٹی ،تعلیمی کمیٹی، سیاسی کمیٹی۔ ان میں تمام جماعتوں کے ممبران شامل تھے۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں ملی یکجہتی کونسل نے تاریخ ساز فیصلہ کیا کہ 26 مئی 1995ء کو بروز جمعہ عالم اسلام کے ساتھ یکجہتی کا دن منایا جائے اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مولانا شاہ احمد نورانی کی جانب سے جاری شدہ خط کی روشنی میں تمام مکاتب فکر کی مساجد میں ایک ہی موضوع پر تقاریر ہوئیں اور 27 مئی کو تحفظ ناموس رسالت کے لئے خیبر تا کراچی مکمل پہیہ جام ہڑتال ہوئی۔ یہ ہڑتال بھی مذہبی جماعتوں کے لئے آزمائش تھی۔ حکمرانوں اور سیکولر دانشوروں کا خیال تھا کہ یہ ہڑتال ناکام ہوجائے گی مگر 27 مئی کا سورج محافظ ناموس رسالت بن کر ابھرا۔ ملک بھر کے عوام نے بغیر کسی دباؤ کے کاروبار زندگی بند کردیا۔ ٹریفک سڑکوں پر نظر نہ آئی گویا عوام نے غلامان مصطفیٰ ہونے کے عہد کی تجدید کی۔ ایک خطبہ اور کامیاب ہڑتال کی وجہ سے حکومت کے ایوانوں میں سناٹا چھا گیا۔ حکمرانوں نے کونسل کو اپنا حریف سمجھنا شروع کردیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ملی یکجہتی کونسل کا دائرہ وسعت اختیار کرتا جارہا تھا ،اس کا ایجنڈا ملک کے تمام مسائل کا احاطہ کرنے لگا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی عقابی نگاہیں اور محبت رسول میں ڈوبی ہوئی بصیرت دشمنان دین وملت کا تعاقب کررہی تھیں۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کو اکٹھا بیٹھا دیا۔ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ایک دسترخوان پر کھانے لگے۔ اب ایران و پاکستان کے درمیان مسالک کی وجہ سے لڑائی کا خطرہ ٹل گیا تھا۔ پاکستان کے علماء نے یہود و ہنود کی سازش کو 1951ء کے

Marfat.com

بزرگوں کی طرح ناکام کردیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے پشاور میں علماء سے خطاب کرتے ہوئے 26 مئی کو عالم اسلام کے ساتھ یک جہتی کا دن اور 27 مئی کو ملک گیر ہڑتال کی کامیابی کو اتحاد کی برکت، نیتوں کا اخلاص اورعوام کی طرف سے عشق رسول پر مٹنے کے جذبات کو امت مسلمہ کے لئے قیمتی اثاثہ قرار دیا۔ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ قانون توہین رسالت پر حکومت سے کوئی مذاکرات نہیں ہوں گے۔ مولانا فضل الرحمٰن پہلی مرتبہ کونسل کے اس اجلاس میں شریک ہوئے۔

قاضی حسین احمد صاحب نے کہا کہ پہیہ جام ہڑتال نے دنیا پر واضح کردیا ہے کہ پاکستان کی دینی جماعتوں کو پوری قوم کا بھرپور اعتماد حاصل ہے۔قوم نے جس یکجہتی کا مظاہرہ کیا اس سے یہ بات ایک بار پھر ثابت ہوگئی ہے کہ اگر پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء متحد ہو جائیں تو قوم ان کے شانہ بشانہ چلنے کا جذبہ رکھتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دینی جماعتیں قوم کی صحیح راہنمائی کرسکتی ہیں۔

سپاہ صحابہؓ کے سرپرست ضیاء القاسمی نے بتایا کہ میں نے ذاتی طور پر اپنی جماعت کو ہدایت کردی ہے کہ جس مقام پر اور جس وقت اہل تشیع کا جلسہ ہو اس روز وہاں جلسہ ہی نہ کریں۔

مولانا سمیع الحق نے کہا کہ ہمارا اتحاد مشیت ایزدی سے مقبول ہورہا ہے۔ ہر روز ملک کے کونے کونے سے ملی یکجہتی کونسل میں شرکت کے خطوط موصول ہورہے ہیں۔

علامہ سید ساجد علی نقوی نے کہا کہ ہمارے اتحاد نے دینی حلقے کا وقار بلند کیا ہے۔ اب فرقہ واریت کا کوئی داغ ہمارے دامن پر نہیں آنا چاہئے۔

مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ ہم نے موجودہ اور سابقہ حکومتوں کو آزما کر دیکھ لیا ہے۔توہین رسالت کا مسئلہ ہو یا دینی مدارس کا معاملہ، افغانستان کے معاملات ہوں یا امریکہ اور ورلڈ بینک سے تعلقات کے مسائل، عرب مجاہدین کے خلاف آپریشن ہو، سب ایک ہیں۔

سینیٹر پروفیسر ساجد میر نے کہا کہ ہم نے ملی یکجہتی کونسل بنا کر دین کو بدنام کرنے کی سازشوں کا توڑ کردیا ہے ہم نے ملک وقوم کو پائدار امن کا تحفہ دیا ہے۔

علامہ مرید عباس یزدانی صدر سپاہ محمد نے کہا کہ فرقہ واریت ایک بین الاقوامی سازش ہے۔ عالم اسلام کے ساتھ اظہار یکجہتی کا سلسلہ جاری رہے گا۔

Marfat.com

مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں علماء نے بغیر حکومتی طاقت کے ملک میں پیدا شدہ امن وامان کا مسئلہ حل کر دیا۔ دہشت گردوں سے برأت کا اعلان، تبرا بازی پر پابندی اشتعال انگیز لٹریچر پر قدغن کے اصول وضع کیے۔ حتی کہ مدارس کے نام پر بیرونی امداد کو بھی وزارت مذہبی امور کے ذریعے طے کرنے کی سفارش کی۔ یہ ایسا سنہری ضابطہ اخلاق تھا جس کی بدولت ملک تھوڑے ہی دنوں میں امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اگر حکمران سیاسی ضرورتوں اور مصلحتوں سے بلند ہو کر اس ضابطہ اخلاق کو مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتے ہوئے سختی سے عمل درآمد کریں تو ملک میں کبھی مذہبی بنیاد پر فساد نہ ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے فرقہ واریت کے عفریت کو جس طرح قابو کیا یہ ان کی حکمت و دانائی اور ملت اسلامیہ سے گہری وابستگی کا مظہر ہے۔

Marfat.com

ملی یکجہتی کونسل

حوالہ نمبر ____________

تاریخ ____________

۱۳-۱۴ الکی چیمبرز، برنس روڈ، کراچی۔ رابطہ فون نمبرز: 5682521-5219537-2210931

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

محترم مولانا صاحب

السلام علیکم

مغربی استعماری طاقتیں اور صیہونیت امریکہ کی سربراہی میں مسلمانان عالم کے خلاف جو کچھ کر رہی ہے آپ کی روحانی اور سیاسی فراست سے یقیناً پوشیدہ نہیں ہوں گی۔ عالم اسلام کے خلاف دشمنان اسلام، یہود، ہنود، عیسائی اور قادیانی جو کچھ کر رہے ہیں وہ توقع کے خلاف نہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بعض مسلم ممالک امریکہ اور اس کے حواریوں کی خوشنودی میں جان بوجھ کر اس سازش کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان مغربی استعماری قوتوں نے انسانی حقوق کی اپنی من مانی تعبیر کر کے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر رکھی ہے۔ توہین رسالت ﷺ کے مرتکب شخص کو سزا دینا ان کے نزدیک انسانی حقوق پر کاری ضرب ہے۔ لیکن اسرائیل اور نصرانی جو کچھ فلسطینی اور بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں نیز ہندو شدت پسند کشمیری مسلمانوں کی نسل کشی کر رہے ہیں یہ سب کچھ امریکہ اور اس کے حواریوں کے نزدیک جائز اور درست ہے۔ امریکہ نے سوڈان، ایران، عراق اور لیبیا کو دہشت گرد ملک قرار دے دیا ہے۔ پاکستان بھی اس کی زد پر ہے۔ حکومت پاکستان نہ جانے کس خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ پاکستانی حکمران بھی علانیہ اسلام کی بنیادی باتوں سے اپنی برأت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ناموس رسالت ﷺ جیسے اہم اور بنیادی مسئلہ پر معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے مسلمانوں کی ایمانی حمیت اور اسلامی غیرت کو للکار رہے ہیں۔ اس المناک صورت حال کے پیش نظر ملی یکجہتی کونسل نے متفقہ طور پر ۲۶ مئی ۱۹۹۵ء بروز جمعہ پورے ملک میں عالم اسلام کے ساتھ یک جہتی کا یوم منانے کا اعلان کیا ہے۔ لہٰذا آپ سے دردمندانہ درخواست کی جاتی ہے کہ آپ ۲۶ مئی ۱۹۹۵ء کو جمعہ کے خطاب میں مندرجہ ذیل موضوعات پر تقریر فرما کر اسلام دشمن طاقتوں

کی سازشوں کو بے نقاب کریں:۔

۱۔ ناموس رسالت ﷺ کی دینی اہمیت اور اس سے متعلق سزا کا تصور۔

۲۔ قبلہ اول کی سرزمین کو امریکہ کی جانب سے یہودیوں کے حوالے کرنے کے لئے امن کا ڈھونگ رچانا۔

۳۔ توہین رسالت ﷺ کی سزا سے متعلق موت سے کم سزا کا تصور نا قابل قبول ہے۔
حکومت پاکستان کو اس سزا سے متعلق کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۴۔ امریکہ اور استعماری قوتوں کے نیو ورلڈ آرڈر جس کا مقصد صرف صیہونی عزائم کی تکمیل ہے، کے خلاف مشترکہ جدوجہد کے لئے مسلمانوں کو آمادہ کرنا۔

۵۔ ۲۷ مئی ۱۹۹۵ بروز ہفتہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لئے کراچی تا خیبر مکمل ہڑتال کی اپیل کی جائے تاکہ ذات اقدس حضور ﷺ سے مکمل اطاعت کے عہد کی تجدید ہو اور اس عزم کا اعلان ہو کہ توہین رسالت کی سزا کے مستوجب کو موت کے سوا کوئی اور سزا نہیں دی جاسکتی۔

والسلام

شاہ احمد نورانی صدیقی چیئرمین
ملی یکجہتی کونسل پاکستان

Marfat.com

ملی یکجہتی کونسل کا متفقہ اعلامیہ (جاری کردہ 13-4-95)

وطن عزیز پاکستان اس وقت اندرونی اور بیرونی خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اسلام دشمن قوتیں ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہی ہیں اور فرقہ واریت کو ہوا دے رہی ہیں۔ حکمرانوں کی مجرمانہ غفلتوں کی وجہ سے پورے ملک میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ یہاں تک کہ عبادت گاہیں قتل گاہیں بن گئی ہیں۔ ان حالات میں ملک بھر کی دینی جماعتوں کا یہ نمائندہ سربراہی اجلاس ان خطرات کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے کے لئے درج ذیل فیصلوں کا متفقہ اعلان کرتا ہے:۔

۱۔ پاکستان کے آئین اور تمام ملکی قوانین پر قرآن و سنت کی بالادستی ہے۔ کتاب و سنت کی مکمل آئینی حکمرانی اور شریعت محمدی ﷺ کے عملی نفاذ اور ایک مکمل اسلامی انقلاب برپا کرنے کو اپنا دینی اور ملی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے مشترکہ جدوجہد کریں گے۔

۲۔ عالمی اور ملکی سطح پر اسلام اور دینی قوتوں کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کے تحت جو مہم جاری ہے اس کا سب مل کر مقابلہ کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

۳۔ یہ اجلاس اسلام کے بنیادی عقائد اور اقدار پر قائم رہنے کو باعث فخر سمجھتا ہے اور وزیراعظم پاکستان کی طرف سے اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف امریکی امداد طلب کرنے کو اسلام اور پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ کے خلاف سمجھتا ہے اور اس غیرت اسلامی کے منافی اقدام کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔

۴۔ ہم ملک کے اندر مذہب کے نام پر دہشت گردی اور قتل و غارت گری کو اسلام کے خلاف گردانتے ہوئے اس کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔

۵۔ یہ اجلاس عظمت رسول ﷺ، عظمت اہل بیت، اور عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایمان کا جزو سمجھتا ہے اور ان کی تکفیر کرنے والے کو اسلام سے خارج سمجھتا ہے اور ان کی توہین اور تنقیص کرنے کو برا سمجھتے ہوئے قابل تعزیر جرم تصور کرتا ہے۔

۶۔ یہ اجلاس کسی بھی اسلامی فرقہ کو کافر قرار دینے کو غیر اسلامی اور قابل نفرت فعل سمجھتا ہے۔

۷۔ یہ اجلاس جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے سلسلہ میں

Marfat.com

منعقدہ اجلاسوں میں ہونے والے فیصلوں کی توثیق کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ توہین رسالت ﷺ کی ہمت افزائی کی پالیسی ترک کر کے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی پالیسی کا واضح اعلان کرے اور یہ اجلاس واضح کرتا ہے کہ اگر توہین رسالت ﷺ کے قانون میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی تو دینی جماعتیں ایسے مذموم اقدام کے خلاف بھرپور اقدام کریں گی۔

۸۔ ملک کے اندر امت مسلمہ کے درمیان اتحاد کی فضا قائم کرنے، کشیدگی کو دور کرنے اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے دینی سربراہوں پر مشتمل ایک "ملی یک جہتی کونسل" کے قیام کا اعلان کرتا ہے اور یہی کونسل دل آزار اور توہین آمیز مواد پر مشتمل لٹریچر کا جائزہ لے کر ضروری اقدام کرے گی اور کونسل اپنے کئے گئے فیصلوں کے عملی نفاذ کی بھی ذمہ دار ہوگی۔ واضح رہے کہ فی الحال یہ کونسل گیارہ دینی جماعتیں کے سربراہوں پر مشتمل ہے جن کے نام درج ذیل ہیں:۔
اس کونسل کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی اور سیکریٹری جنرل سینیٹر مولانا سمیع الحق ہوں گے۔

۱۔	مولانا شاہ احمد نورانی صاحب	جمعیت علماء پاکستان
۲۔	مولانا سمیع الحق سینیٹر	جمعیت علماء اسلام "س"
۳۔	قاضی حسین احمد صاحب	امیر جماعت اسلامی پاکستان
۴۔	علامہ سید ساجد نقوی صاحب	قائد تحریک فقہ جعفریہ پاکستان
۵۔	مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب	جمعیت علماء پاکستان "نیازی گروپ"
۶۔	پروفیسر ساجد میر صاحب	جمعیت اہل حدیث پاکستان
۷۔	مولانا اسفندریار خان صاحب	سربراہ سواد اعظم
۸۔	مولانا ضیاء القاسمی صاحب	سربراہ سپاہ صحابہؓ پاکستان
۹۔	آغا مرتضیٰ پویا صاحب	سربراہ حزب الجہاد پاکستان
۱۰۔	پروفیسر طاہر القادری صاحب	تحریک منہاج القرآن پاکستان
۱۱۔	مولانا محمد اجمل خان صاحب	جمعیت علمائے اسلام (ف)

جاری کردہ:
ملی یکجہتی کونسل پاکستان

Marfat.com

باب 4

مولانا شاہ احمد نورانی کا عشق رسول اور تحفظ ختم نبوت

عشق رسول مومن کی معراج ہے جس کے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ ایمان کی اس بنیادی صفت کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے اور زبان سے ایمان کی جان قرار دیتا ہے۔ مگر عملی زندگی میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے عشق رسول کی روح کو صحیح معنوں میں سمجھا۔ عشق حقیقی ہو یا مجازی اس کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ جس میں عاشق ہر وہ کام کرتا ہے جو اس کا محبوب چاہتا ہے اور ہر اس کام سے بچتا ہے جیسے اس کا محبوب پسند نہیں کرتا۔

تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے جس میں عشق مجازی کرنے والوں نے اپنی منزل کو پانے کیلئے عزت، دولت حتیٰ کہ خاندانی جاہ وجلال بھی داؤ پر لگا دیا۔ آج ایسے لوگ تاریخ کے اوراق میں نشان عبرت بنے ہیں۔ دوسری جانب وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے لئے عشق رسول کا راستہ پسند کیا۔ اپنی زندگیوں کو دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھا اور اپنی ذات کو فرمودات رسول کی روشنی میں فنا کیا۔ سچائی کے راستہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تو محبوب خدا نے اپنی محبت کے دروازے اپنے محبّ پر کھول دیئے۔ جسے عشق رسول جیسی نعمت عطا ہو جائے وہ عام لوگوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ اس کے شب و روز بدل جاتے ہیں۔ اس کیلئے زندگی کے معنی ومفہوم بدل جاتے ہیں۔ اب اس کا اوڑھنا بچھونا حضور پر نور کیلئے ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وہ کام کرتا ہے جس سے رسول آخر الزماں ﷺ خوش ہوں۔ وہ علاقائی حدود وقیود، رنگ ونسل اور زماں ومکاں کے بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے اور اسلام کے عالمگیر نظریے مسلم امّہ کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کا علمبردار بن جاتا ہے۔ عصر حاضر میں مولانا شاہ احمد نورانی کی ذات انہیں صفات کا محور ومرکز دکھائی دیتی ہے۔ ان کا لباس، وضع و قطع، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، میل جول، خلوت وجلوت سب کچھ تعلیمات مصطفوی کا مظہر ہیں۔

Marfat.com

مولانا کی شخصیت پر دو جملوں میں تبصرہ کرتے ہوئے چوہدری فضل الٰہی (سابق صدر پاکستان) نے کہا کہ "ان کا نام ہی نورانی نہیں ان کی داڑھی نورانی ہے عمل بھی نورانی ہے اور ان کا چہرہ بھی" یہ رائے صرف ایک ملاقات یا ایک دن میں نہیں بنتی بلکہ مسلسل غور و فکر اور جائزے کے بعد قائم کی جاتی ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی زندگی کا ہر لمحہ عشق مصطفیٰ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ قول و فعل میں تضاد کے قائل نہیں۔ مذہبی غیرت و حمیت ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ اس پر سمجھوتہ نہیں کرتے۔ خواہ کتنا ہی نقصان کیوں ہی نہ ہو جائے۔

مولانا شاہ احمد نورانی کو ابتدا ہی سے ان تمام مسائل پر تشویش رہی ہے۔ جن سے رسالت محمدی پر کوئی حرف آتا ہے۔ چنانچہ جب 1901 میں مرزا غلام احمد نے اپنے خود ساختہ نبی ہونے کا اعلان کیا۔ تو اس سے نمٹنے کے لئے علماء مشائخ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کاوشیں کرتے رہے۔ قیام پاکستان تک امت مسلمہ اس مسئلہ پر یک زبان رہی کہ قادیانی گروہ کا ہر فرد غیر مسلم ہے۔ قیام پاکستان کے بعد عاشقان رسالت مآب کو توقع تھی کہ ایک اسلامی نظریاتی مملکت کی حکومت باضابطہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم ضرور قرار دیدے گی۔ لیکن اس وقت منزل انہیں ملی جو تحریک پاکستان میں شریک سفر نہ تھے۔ ایوان اقتدار میں سیاسی رسہ کشی اور گروپ بندی کا دور دورہ تھا۔ مسلم لیگ گروپوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ لہٰذا حکمرانوں نے مسلمانوں کے اس عظیم مطالبہ کو اہمیت نہ دی۔ علماء و مشائخ اس فتنے کا مقابلہ کتابوں اور لٹریچر اور واعظ و تبلیغ کے ذریعے کر رہے تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی محبت رسول سے سرشار ہو کر عظمت مصطفیٰ اور تحفظ ختم نبوت کے لئے کام شروع کر دیا۔ انہوں نے دنیا کے ہر خطے میں اس فتنہ کا پیچھا کیا۔ جونہی اس عاشق رسول کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں آنے کا موقع ملا۔ انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل یحییٰ خاں سے اپنی پہلی ملاقات میں قادیانی ایم ایم احمد کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ یہ بات بھی پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ریکارڈ پر ہے کہ پاکستان کی پہلی قومی اسمبلی کے ممبر علامہ شبیر احمد عثمانی بھی رہ چکے ہیں جو کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر بھی تھے۔ اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری سر ظفر اللہ قادیانی تھے۔ مگر مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتنہ مرزائیت پر اسمبلی کے اندر ایک لفظ بھی نہ بولا۔ اور نہ ہی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کی کوئی تحریک پیش کی۔ اسی طرح 1962 میں صدر ایوب خاں نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کروائے تو جمعیت علماء اسلام کے مفتی محمود قومی اسمبلی کے ممبر منتخب

ہوئے۔ جب کہ ان کے قریبی ساتھی مولانا غلام غوث ہزاروی مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی میں پہنچے۔ یہ دونوں حضرات پانچ سال تک ممبران اسمبلی رہے۔ اسمبلی کا ریکارڈ آج بھی اس بات کا گواہ ہے کہ ان دونوں نے بھی پانچ سال میں تحفظ ختم نبوت کے لئے کوئی احتجاج نہ کیا۔ اسمبلی میں مرزائیت کے خلاف جدوجہد نہ کرنے کی کون سی وجوہات تھیں، اس بارے میں تو یہی حضرات بہتر جانتے ہیں۔ لیکن ہماری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اگر مرزائیت کے مسئلے پر پاکستان کی پہلی اسمبلی یا 1962 کی اسمبلی میں قانون سازی ہو جاتی تو مرزائی پاکستان کو کمزور نہ کر سکتے اور نہ ہی مشرقی پاکستان محرومیوں کے نام پر بنگلہ دیش بنتا انہی حالات کا تجزیہ مولانا شاہ احمد نورانی نے ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کو انٹرویو دیتے ہوئے یوں کیا کہ میرے نزدیک سقوط مشرقی پاکستان کے سو فیصد ذمہ دار قادیانی ہیں۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا جو بھی بجٹ تیار کیا جاتا ہے۔ اور جو بھی پلاننگ ہوتی رہی ہے۔ اس کے چیئرمین ایم۔ایم احمد (قادیانی) رہے۔ جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے عوام کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ بجٹ میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ مرزائی جان بوجھ کر یہ کوشش کرتے رہے کہ جس قدر ممکن ہو غلط فہمیاں بڑھتی چلی جائیں اور ناانصافیاں نفرت کو جنم دیتی رہیں۔ انہوں نے کہا:۔ ڈھاکہ میں جانے سے مزید اندازہ ہوا۔ کہ قادیانی واقعی بڑا گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ کردار ایسا ہی ہے جیسا امریکہ میں یہودی ادا کر رہے۔ قادیانیوں نے بڑی منظم سازش کے تحت پاکستان کے اہم سرکاری عہدوں پر قبضہ کیا۔ جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس عظیم الشان اسلامی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ انہوں نے ملک کا ایک حصہ تباہ کر دیا۔ سرکاری سطح پر ان کی سرپرستی ہوتی ہے۔ کیونکہ 1970 کے الیکشن میں مرزا ناصرالدین محمود نے ربوہ میں اپنے خطبے میں باقاعدہ اعلان کر کے پیپلز پارٹی کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا تھا۔ جب کہ شیخ مجیب الرحمٰن قادیانیت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا نورانی نے بتایا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے ان سے اپنی ملاقات میں کہا:۔

"دیکھئے ایم۔ایم احمد ڈھاکا میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ یہاں اس کا کوئی کام نہیں اور کوئی مقصد نہیں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے لیکن میں نے انکار کر دیا۔ بعد میں اس کی درخواست پر ملاقات ہوگئی"۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مزید کہا کہ "مرزائیت مغربی پاکستان کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یہ جانور نہیں پایا جاتا"۔

Marfat.com

مولانا نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ قادیانیوں اور یہودیوں میں گہری مماثلت ہے اور دونوں ایک ہی نہج پر کام کر رہے ہیں۔ جب کہ اسرائیلی اصل فلسطینی مسلمانوں کو وہاں سے نکال رہے ہیں، اسلام کا نام پسند نہیں کرتے ۔ مرزائیت یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے۔ اس لئے یہ لوگ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکت پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ قومی اسمبلی کے مباحث میں یہ بات ثابت کی گئی کہ قادیانیوں کو اسرائیل خصوصی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔

اس طرح عاشق رسول مولانا شاہ احمد نورانی نے مقام مصطفیٰ کے تحفظ کے لئے حکومتی سطح پر رائے عامہ کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ مولانا کی نبی اکرم ﷺ سے وابستگی کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں 15 اپریل 1972 کو عبوری آئین میں اپنے پرزور دلائل سے مسلمان کی تعریف کو متعین کرتے ہوئے یہ لازمی قرار دیا کہ وہ ختم نبوت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ وہ لمحات تھے جب پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ قومی اسمبلی میں کوئی عاشق رسول پہنچا اور اس نے بے خطر ناموس رسالت کی حفاظت کا حق ادا کیا۔ انہوں نے محبت رسول میں ڈوبے ہوئے تاریخ ساز کلمات مسلمان کی تعریف میں درج کرائے:۔

''مسلمان وہ ہے جو خدا کی وحدانیت، قیامت کے آنے ، قرآن پاک کے خدا کی آخری کتاب ہونے، رسول ﷺ کے خاتم النبیین ہونے اور رسول کریم ﷺ کی سنت و حدیث اور قرآن پاک کے احکامات پر کامل یقین رکھتا ہو''

انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے ہم ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔

1973ء کے آئین کی تشکیل کے مرحلے میں مولانا شاہ احمد نورانی کی طرف سے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے پر اصرار کا مقصد یہ تھا کہ کوئی غیر مسلم کسی بھی طرح سے مملکت خدا داد پاکستان کی سربراہی تک نہ پہنچ سکے ۔ مولانا نے مطالبہ کیا کہ مسلمان کی تعریف جب آئے تو اس کے بعد یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہوگا۔ ختم نبوت کا انکار کر کے اپنے آپ کو مسلمان کہلا کر کوئی بھی برسر اقتدار نہ آسکے اور منکرین ختم نبوت بڑے بڑے عہدوں پر فائز نہ ہوسکیں۔

مولانا نورانی سچے عاشق رسول ہونے کی حیثیت سے اس نکتے پر کتنا زور دے رہے

Marfat.com

تھے اس کا تذکرہ مسٹر بھٹو کے عہد حکومت کے اٹارنی جنرل یحیٰ بختیار نے ''آتش فشاں'' کو انٹرویو دیتے ہوئے یوں کیا:۔

''سوال یہ تھا کہ مسلمان کون ہے؟ سربراہ مملکت مسلمان ہونا چاہئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کہہ رہے تھے کہ اس میں مشکل یہ ہے کہ پہلے آپ مسلمان کی تعریف کریں۔ آپ قادیانیوں کو اس میں سے نکالیں۔ آئین میں اس کی تعریف ہونی چاہئے کہ مسلمان کیا ہے؟''

خان قیوم خان (اس وقت کے وزیر داخلہ) کہتے تھے کہ اس کے بعد ہر عدالت میں جھگڑا ہوگا کہ حلف نامہ داخل کرو کہ تم مسلمان ہو کہ نہیں ۔ بڑا الجھاؤ پیدا ہوگا۔ اس پر میں نے کہا کہ بھئی معاملہ صدر کا ہے ۔ اس کے حلف نامے میں کہہ دیجئے کہ میں مسلمان ہوں میں ان سب باتوں پر یقین رکھتا ہوں معاملہ صاف ہو جائے گا۔ مولانا نورانی نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے مسئلہ حل کر دیا ہے۔

مولانا نورانی کے ان خیالات کے بعد ان تمام گروہوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی جو اس معیار پر پورا نہیں اترتے تھے اور محض مسلمان کہلا کر اپنے مفادات کی تکمیل کر رہے تھے۔ انہوں نے اس صورت حال سے نمٹنے کیلئے صف بندی شروع کی ۔ادھر مولانا نے منکرین ختم نبوت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کیلئے نہایت منظم انداز میں کام کی رفتار کو اور تیز کر دیا۔ عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ سیکولر سیاست دان اس قرار داد پر دستخط نہیں کریں گے۔ مولانا نے انہیں قرار داد پر دستخط کرنے کیلئے کہا تو انہوں نے بغیر پڑھے یہ کہہ کر دستخط کر دیے کہ ہمیں یقین ہے کہ آپ جو کام کریں گے درست ہوگا۔ ہم آپ کے کردار وعمل کی پختگی سے واقف ہیں ۔ 37 افراد نے اس قرار داد پر دستخط کر دیے اور اس طرح مولانا شاہ احمد نورانی نے فتنۂ مرزائیت پر قرار داد قومی اسمبلی میں 30 جون 1974ء کو پیش کر دی۔

تحفظ مقام مصطفیٰ کی یہ قرار داد مولانا کے عشق رسول کا سخت امتحان تھی۔ خدانخواستہ یہ قرار داد ناکام ہو جاتی تو پاکستان میں کبھی بھی مقام مصطفیٰ کے تحفظ کا مسئلہ حل نہ ہوتا اور بیرون ممالک مقام مصطفیٰ کے منکر زیادہ طاقتور طریقے سے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو تہہ و بالا کرتے۔ جس سے اسلام کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی سے اپنی تحریک کو منظور کروانے کیلئے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سمیت ہر ممبر سے تفصیلی مذاکرات کئے ۔ انہوں نے عوامی سطح پر رائے عامہ کو منظم

Marfat.com

کرنے کیلئے صرف پنجاب میں 40 ہزار میل سے زائد سفر کیا۔ عاشقان رسول کی بیداری کو دیکھتے ہوئے مرزائیوں کا قائد مرزا ناصر آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ مولانا شاہ احمد نورانی کی قرار داد یک طرفہ ہے ہمیں بھی اس بات کا حق دیا جائے کہ قومی اسمبلی میں ہم اپنے موقف کو پیش کر سکیں۔ وزیر اعظم بھٹو سخت پریشان تھے۔ انہوں نے اسپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خان کے چیمبر میں مولانا شاہ احمد نورانی کو کہا کہ آپ قومی اسمبلی کو اسمبلی ہی رہنے دیں۔ کیا اب اسمبلی میں مناظرہ ہو گا۔ مسٹر بھٹو نے کہا کہ آپ مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں ہم نے اس سے کبھی انکار نہیں کیا پھر اسے اسمبلی میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ بھٹو نے کہا کہ یہ سب مذہبی جنون کی باتیں ہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ محض مذہبی مسئلہ نہیں پاکستان کے اندر یہ مسئلہ بہت حد تک سیاسی بن چکا ہے۔ مسٹر بھٹو نے کہا کہ مرزا ناصر کے بیان کے بعد اب اس کا کیا حل ہے۔ جبکہ وہ قومی اسمبلی کے ممبر نہیں۔ انہیں کیسے سنا جائے۔ مولانا نے جواب دیا۔ پارلیمنٹ ان کیمرہ میں بلائیں۔ اور انکا موقف سنیں ۔ پھر قومی اسمبلی اس پر بحث کر کے فیصلہ دے دے۔ انہیں دنوں اکبر عادل سابق وفاقی سیکریٹری صنعت و حرفت کے گھر مولانا شاہ احمد نورانی کی دعوت تھی ۔ وہاں سرکاری افسران پر مشتمل ایک گروپ مولانا سے ملنے آیا۔ انہوں نے اکبر عادل سے درخواست کی کہ مولانا شاہ احمد نورانی سے علیحدگی میں ملاقات کرائیں۔ اکبر عادل نے ملاقات کا اہتمام کر دیا۔ وفد نے پوچھا جناب ہم نے سنا ہے کہ آپ نے اپنی قرار داد میں لاہوری گروپ کو بھی غیر مسلم قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہم مرزا کو نبی نہیں مانتے۔ لہٰذا اپنی قرار داد سے ہمارا نام نکال دیں ۔ ہم اس کے عوض آپ کو پچاس لاکھ روپے پیش کرتے ہیں۔ مولانا نے سخت لہجے میں جواب دیا کہ آپ کی پیش کش ہمارے جوتے کی نوک پر۔ مرزا مدعی نبوت ہے اور جو اسے مجدد، مصلح یا مسلمان مانتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ میری قرار داد سے ایک بھی لفظ حذف نہیں ہو گا۔ اس سے قبل بھی کئی سرکاری افسران ان کی سفارش کر چکے ہیں۔ ہمارا سودا بازار مصطفیٰ میں ہو چکا ہے۔ اب ہمیں کوئی کیا خریدے گا۔ اصل دولت ایمان ہے اور سرمایہ آخرت۔ مولانا شاہ احمد نورانی کو تحفظ ناموس رسالت کی یہ لڑائی بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنا پڑ رہی تھی۔ اس چوکھی لڑائی میں ہر جانب سے مولانا پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ کسی بھی بہترین پیش کش کو قبول کر کے اپنی قرار داد سے دستبردار ہو جائیں ۔ پیپلز پارٹی کے جے رحیم اور شیخ رشید نے بہت ہنگامہ کیا۔ مگر وزیر اعظم بھٹو، مولانا شاہ احمد نورانی سے مکالمے کے دوران اپنے

منشور کے اس جملے کی بناء پر شکست کھا چکے تھے کہ ’’اسلام ہمارا دین ہے‘‘۔ اب بھٹو کا موقف یہ تھا کہ اسلام کی بات ہے اور پیپلز پارٹی اس کی مخالفت نہیں کرے گی۔ آخر مولانا شاہ احمد نورانی کا سچا عشق رسول جیت گیا اور مرزا ناصر قومی اسمبلی میں 180 سوالات میں لاجواب ہو کر شکست سے دوچار ہوا۔ مرزائیت کو اپنے انجام تک پہنچانے والی جو تاریخی قرار داد 30 جون 1974ء کو پیش ہوئی اس کا متن یہ تھا:۔

☆ چونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت محمد ﷺ کے بعد جو اللہ کے آخری نبی ہیں نبوت کا دعویٰ کیا۔

☆ چونکہ اس کا جھوٹا دعویٰ نبوت قرآن کریم کی بعض آیات میں تحریف کی سازش اور جہاد کو ساقط کر دینے کی کوشش، اسلام سے بغاوت کے مترادف ہے۔

☆ چونکہ مسلم امہ کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہوں یا اسے کسی اور شکل میں اپنا مذہبی پیشوا یا مصلح مانتے ہوں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

☆ چونکہ اس کے پیروکار خواہ انہیں کسی نام سے پکارا جاتا ہو وہ دھوکا دہی سے مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ بن کر اور اس طرح ان سے گھل مل کر اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔

☆ چونکہ مسلمانوں کی تنظیموں کی ایک کانفرنس جو 6 تا 10 اپریل 1974ء مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ جس میں دنیا بھر کی 114 اسلامی تنظیموں اور انجمنوں نے شرکت کی اس میں مکمل اتفاق رائے سے یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ قادیانیت جس کے پیروکار دھوکا دہی سے اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ کہتے ہیں۔ دراصل اس فرقہ کا مقصد اسلام اور مسلم دنیا کے خلاف تخریبی کارروائیاں کرنا ہے۔

اس لئے اب یہ اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ انہیں لاہوری، قادیانی یا کسی نام سے بھی پکارا جائے مسلمان نہیں ہیں اور یہ کہ اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو دستور میں ضروری ترامیم کے ذریعے عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

7 ستمبر 1974ء کو وہ گھڑی آن پہنچی جس کا انتظار 1901ء سے مسلم امہ کو تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس طرح مسیلمہ بن کذاب کو اس کے انجام سے دوچار کیا تھا۔ آج

انہیں کی اولاد مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی قرارداد کے مطابق حکومت نے باضابطہ طور پر قادیانی گروہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ اور یوں امت مسلمہ کا خواب 73 سال کے بعد حقیقت میں ڈھل گیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے بقول اس تاریخی فیصلے کے نتیجے میں 50 ہزار کے قریب اندرون و بیرون ملک مرزائی مسلمان ہوئے ۔ یوں مولانا شاہ احمد نورانی نے مسجد میں بیٹھ کر سیاست والی عبادت کی یاد تازہ کر دی۔

مولانا شاہ احمد نورانی کو عام لوگ محض ایک سیاست دان خیال کرتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ مولوی ہیں۔ لیکن ان کی زندگی کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے تو وہ درحقیقت مکمل عاشق رسول ہیں ۔ ان کی زندگی کا ہر شعبہ سیرت نبوی کا آئینہ دار ہے۔ وہ آج بھی جمعرات اور پیر کو باقاعدگی سے روزہ رکھتے ہیں ۔73 برس کی پیرانہ سالی کے باوجود 64 برس سے مسلسل رمضان شریف میں تراویح پڑھاتے ہیں ۔ اور تہجد میں ڈھائی سپارہ ان کا معمول ہے ۔ وہ شب بیدار عابد ہیں اور اپنے احباب کو عشق نبی کے رنگ میں رنگنے کیلئے نشستوں کا اہتمام کرتے ہیں ۔ سینکڑوں لوگوں کی خاموشی سے مالی اعانت ان کا خاص وصف ہے۔ جبکہ درجنوں مدارس اور مساجد کی لاکھوں روپے سے مستقل سرپرستی کرتے ہیں۔ وہ اپنے عقیدت مندوں کو خودداری اور مذہبی غیرت وحمیت کا درس دیتے ہیں۔ تقریباً سو سال پرانے مختصر فلیٹ میں دنیاوی آلائشوں سے پاک سادہ زندگی ، سادہ خوراک اور عربی لباس ان کے مزاج کا حصہ ہیں ۔ سیاسی ذہن رکھنے والے لوگ انہیں انتخابات میں بار بار شکست کا احساس دلا کر سیاست سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیتے ہیں ۔ مگر انہیں اس بات کا ادراک نہیں کہ مولانا دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دیے ہوئے ہیں۔ وہ طائف میں حضور پرنور ﷺ کے پتھر کھانے کی سنت کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ وہ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں مجھے حضرت محمد ﷺ کے روبرو پیش ہونا ہے۔ اس موقع پر مجھے شرمندگی نہیں ہوگی کہ میں نے نظام مصطفیٰ کی دعوت کو گھر گھر نہیں پہنچایا۔ اس لئے یہ ظاہری ہار آخرت میں سرکار دو عالم ﷺ سے ملاپ کی ضمانت ہے۔

Marfat.com

باب 5

جمعیت علماء پاکستان اور مولانا شاہ احمد نورانی

پاکستان کا قیام دوقومی نظریے کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ اس نظریے میں نوزائیدہ مملکت کے دستور کی جھلک واضح نظر آتی ہے اور قائد اعظمؒ ہی کے الفاظ میں کہ" پاکستان اسلام کا قلعہ ہوگا'' لیکن قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ طبقہ ابھر کر سامنے آ گیا جس کی وابستگی تحریک پاکستان میں کہیں دکھائی نہ دیتی تھی بلکہ بعض وہ لوگ بھی اقتدار میں حصے دار بنتے نظر آئے جو عملاً پاکستان کے مخالف تھے۔ کچھ لوگوں نے پاکستان کے قیام کی وجہ "اسلام'' کی بجائے معاشی ضروریات میں وسعت کا حصول قرار دیا۔ جبکہ بعض نے کچھ اور کہا۔ گویا ہر شخص اپنے نظریات اور سوچ کے مطابق قیام پاکستان کی تشریح کرنے لگا۔ قائد کے وہ فرمودات جو پاکستان کے دستور کی اساس بنتے ان کی بیماری اور پیرانہ سالی کی وجہ سے حالات کی دبیز تہہ میں گم ہونا شروع ہوگئے...... یہ لمحات فکریہ تحریک پاکستان کی سنی کانفرنس کے علماء و مشائخ کے لئے پریشانی کا سبب بن رہے تھے۔ ہر چند کہ ابھی مہاجرین کی آبادی، نہری پانی اور وسائل کی تقسیم سمیت کشمیر جیسے اہم مسائل نئی مملکت کے سامنے گھمبیر صورت میں موجود تھے مگر یکجہتی متاثر کرنے والی باتیں اس سے بھی زیادہ خطرناک تھیں۔ اگر خدانخواستہ مسلم قومیت کے مقدس جذبے کو ٹھیس پہنچتی تو پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ سکتا تھا یا اگر فرقہ واریت کی آگ بھڑک اٹھتی تو ہر چیز خاکستر ہوجاتی اس بھیانک سازش کو بھانپتے ہوئے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے مشن کا بیڑا پھر سے اٹھا لیا اور ایک مکتوب حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کو 4 مارچ 1948ء کو ان الفاظ میں لکھا:۔

" دنیا کے گوشے گوشے میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مگر ہم خواب غفلت میں مدہوش ہیں۔ اس کے برعکس اغیار نے ہمیشہ موقع شناسی سے کام لیا۔ حالات کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور جو قدم اٹھایا برمحل اور مقتضائے حال کے مطابق اٹھایا۔ چنانچہ ان کی وہ مشہور شخصیتیں اور جماعتیں جواب سے قریباً دوسال قبل تک نظریہ پاکستان اور اس کے قیام کی شدید

Marfat.com

ترین مخالفت کرتی رہیں، آج قیام پاکستان کے بعد بھی ان جماعتوں کے بیشتر افراد پاکستان کی مخالفت ہی کیے جاتے ہیں۔ ان کی دو رخی پالیسی اور موقع شناسی برابر کارفرما ہے۔ جب انہیں قیام پاکستان کا یقین ہو چلا تو انہوں نے حیرت انگیز طور پر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور کچھ ایسا رسوخ پیدا کیا کہ ان کا ایک فرد ایک ہی جست میں منصب دستور سازی پر فائز ہو کر پاکستان کی اسمبلی پر چھا گیا۔ ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے ہمیشہ مسلم لیگ کی حمایت کی اس کا ساتھ دیا اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں جانی و مالی قربانی میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ اللہ کے کرم سے اپنے اور بیگانوں کی شدید مخالفتوں کے باوجود پاکستان قائم ہو گیا۔ مگر ہماری عدم تنظیم نے ہمیں یہ وقت دکھایا کہ آج اس حکومت پاکستان میں جس کا قیام ہماری قربانیوں کا نتیجہ ہے ہمیں کوئی امتیاز و وقار حاصل نہیں۔ نہ ہماری خدمات کا کوئی نتیجہ ہے۔ ہمارا مستقبل شدید ترین خطرات میں گھرا ہے مستقبل قریب میں جو طوفانی انقلاب رونما ہوتا نظر آ رہا ہے اس کی تہہ میں ہمارے مخالفین کی طاغوتی طاقتیں ہمیں کچلنے اور حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے درپے نظر آتی ہیں۔ ہم اسی طرح غیر منظم و منتشر رہے تو اس کا انجام ظاہر ہے۔" علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

"ہر جماعت کا وجود اس کے کارہائے نمایاں کی بنا پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ انفرادی کام کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور نہ انفرادی زندگی و عزت کوئی عزت و زندگی ہے۔ اس لئے اب تک جو ہوا سو ہوا اس پر افسوس کا وقت نہیں رہا۔ اگر ہم عزت و وقار کے ساتھ رہنے اور اپنے صحیح مذہب و مسلک کی بقاء کے خواہش مند ہیں تو ہمیں فی الفور ایک مرکز پر ایسی وسیع اور مستحکم تنظیم کے ساتھ منظم ہونا پڑے گا کہ ہمارا ایک فرد بھی ہم سے جدا نہ رہے۔ آفتاب امید کی شعاعیں چمکتی نظر آتی ہیں۔ خدا کی رحمت ہماری حرکت کی منتظر ہے۔ ہمیں کسی کو گرانا نہیں، بلکہ اپنے گرے ہوؤں کو اٹھانا ہے۔ ہمارا مقصد کسی سے برسرپیکار ہونا نہیں۔ نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کسی مذہبی اور سیاسی جماعت سے متصادم ہوں۔ ہم تو اہل سنت کی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو وسیع تنظیم کے مضبوط رشتے میں پرونا اور ایک امیر اہل سنت کی قیادت میں منظم اور مجتمع کر کے یہ چاہتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کی ایسی صحیح دینی اور ملی خدمت کریں کہ وہ آئین شریعت کے مکمل نفاذ کے ساتھ صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بن جائے۔"

یہ مطالبہ درحقیقت انہیں اہل سنت کا حق اور فرض ہے جو ہمیشہ قیام پاکستان کی

Marfat.com

حمایت اور اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔

اس اہم مکتوب میں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے ان کڑیوں کو پھر سے جوڑنے کی کوشش کی جو قائد اعظمؒ کے نظریاتی ہراول دستے کی صورت میں تخلیق پاکستان کا سبب بنیں اور جن کے درویشانہ مزاج اور اعلیٰ نظریات نے تحریک پاکستان کو فرقہ واریت کی آگ سے ہمیشہ بچائے رکھا۔

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے افتتاحی اجلاس کے شرکاء کو جو دعوت نامہ ارسال کیا اس میں جمعیت علماء پاکستان کی ضرورت اور اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:۔

"یہ امر جناب سے مخفی نہیں کہ علماء و جمہور اہل سنت ابتدا سے قیام پاکستان کی حمایت اور اس کے حصول کے لئے پوری جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ قیام پاکستان میں جو لوگ حائل رہے وہ صرف غیر مسلم ہی نہ تھے بلکہ بدقسمتی سے کچھ مسلمان بھی تھے جو ہندوؤں کی ہمنوائی اور ہماری مخالفت کرتے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام مخالفین کی کوششوں کو ناکام فرما کر محض اپنے فضل و کرم سے امت مسلمہ کو پاکستان کی دولت عطا فرمائی۔"

یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ عامۃ المسلمین نے حصول پاکستان کیلئے جس قدر جدوجہد کی وہ صرف اس مقصد کے پیش نظر تھی کہ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت ہوگی۔ اس کا دستور و نظام صحیح اسلامی دستور و نظام ہوگا۔ مسلمانوں نے اس مقصد عظیم کے لئے جو قربانیاں پیش کیں اور اس راہ میں ان کو جس قدر آلام و مصائب اور قیامت خیز خونی انقلاب سے دوچار ہونا پڑا دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن اب بھی وہ مقصد حقیقی حاصل نہ ہوا تو یہ ملت اسلامیہ کی انتہائی بدقسمتی بلکہ موت ہوگی اور یہ سب قربانیاں خاک میں مل جائیں گی۔ اس وقت ہر ایک جماعت اپنے مقاصد کے پیش نظر میدان عمل میں گامزن ہے۔ ہمارا مقصد اعظم صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ لاکھوں مسلمانوں کی یہ جانی قربانیاں ضائع نہ ہوں پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی مملکت قرار پائے اس میں اسلامی آئین و قوانین کا پوری طرح نفاذ ہو"

ایسے خطوط اور دعوت ناموں کے جواب میں بعض علماء و مشائخ نے واضح حوصلہ افزائی نہ کی۔ بلکہ یہ موقف اختیار کیا کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اس لئے اب ہم اپنے خانقاہی نظام اور مروجہ دعوت دین کے کام کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ اب مسلم لیگ، اور اس کی قیادت کی یہ ذمے

Marfat.com

داری ہے کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں اور تشکیل پاکستان کا مقصد پورا کریں۔ علامہ سید احمد کاظمی ان حوصلہ شکن باتوں سے بالکل نہ گھبرائے ان کی بصیرت جس طوفان کو اٹھتا دیکھ رہی تھی انہوں نے اس کے لئے بند باندھنے کا کام تندہی سے جاری رکھا اور 28 مارچ 1948ء کو ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کی باقاعدہ تشکیل کردی۔ حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ اس کے پہلے صدر اور حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ سیکریٹری جنرل منتخب ہوئے۔

جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل سے قبل بھی قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے کراچی میں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں علماء و مشائخ کے ایک وفد نے ملاقات کی تھی۔ جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ، مفتی صاحب داد رحمتہ اللہ علیہ، پیر صاحب بھرچونڈی شریف رحمتہ اللہ علیہ اور پیر غلام مجدد سرہندی شامل تھے۔ اس وفد نے قائد اعظمؒ کو اسلامی آئین اور جامع دستور کا مسودہ پیش کیا۔ مذکورہ علماء نے تین گھنٹے قائد اعظمؒ سے ملاقات کی اور مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ نے تجویز کردہ اسلامی آئین کے ہر پہلو پر تفصیلی روشنی ڈالی اور قائد اعظمؒ کو مطمئن کیا۔ آخر میں قائد اعظمؒ نے اس وفد کو یقین دلایا کہ وہ اس مسودے کو اسمبلی سے منظور کر کے جلد نافذ کردیں گے مگر شدید بیماری کے بعد ان کی موت نے اس وعدہ کو وفا نہ ہونے دیا۔

قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد ملکی سیاست کے داخلی حالات تیزی سے بدلنا شروع ہوگئے۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی نے ان حالات کا بغور جائزہ لے کر طویل المعیاد اور قلیل المیعاد پالیسیوں کو اپنایا۔ انہوں نے تقاریر کے ذریعے اور کبھی مظاہروں کے ذریعے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے حکمرانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جمعیت علماء پاکستان نے مذہبی جماعت کی حیثیت سے نظام مصطفےٰ کے نفاذ اور مقام مصطفےٰ کے تحفظ کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس جماعت نے جہاد کشمیر 1948ء میں بھرپور حصہ لیا اور مجاہدین کے لئے مالی امداد بھی روانہ کی۔ 1949ء کی قرار داد مقاصد 1953 کی تحریک ختم نبوت اور 1956 میں تدوین دستور پاکستان کے لئے بھی تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔ ان کے رہنماؤں نے قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں اور دار ورسن تک پہنچے ۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی نے جمعیت علماء پاکستان کی

Marfat.com

منزل کا تعین کر کے اپنی توجہ پھر سے درس و تدریس کی جانب مبذول کردی۔ یہ وہ دور تھا جب جمعیت علماء پاکستان انتخابی سیاست سے دور تھی اور اسمبلیوں سے باہر ایک مذہبی جماعت کی حیثیت سے قومی سطح کے مختلف کام کر کے اپنے وجود کو منوانے کی کوشش کررہی تھی۔ دوسرا یہ کہ اس کی حمایت سیاسی میدان میں فطری حلیف مسلم لیگ کو حاصل تھی۔ قائدین جمعیت نے اسلامائیزیشن کے لئے ملک بھر میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی۔ اس زمانے میں انتخابی مہم کے دوران حکمرانوں کا علماء و مشائخ سے تعلق ہونا نہایت اہتمام سے جلسوں میں بیان کیا جاتا تھا۔ تاکہ عوام اہل سنت کی غالب اکثریت سے ووٹ حاصل کئے جاسکیں۔ مسلم لیگی جاگیردار عوامی جلسوں میں علماء ومشائخ کے سامنے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا وعدہ کرتے مگر ایوان میں پہنچ کر دین اور سیاست کو جدا کردیتے۔ ان کے نزدیک علماء کا کردار صرف اتنا ہونا چاہیے کہ وہ نماز پڑھائیں، نکاح پڑھائیں اور اگر کوئی مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھائیں۔ انہوں نے عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام کو اور اسلامی قیادت کو مسجدوں اور مدرسوں تک محدود کرنا شروع کردیا۔

ان دنوں مولانا شاہ احمد نورانی تبلیغ اسلام کے لئے دنیا بھر میں مصروف تھے۔ وہ فتنہ مرزائیت کی سرکوبی کے لئے مسلم امہ اور بالخصوص حکمرانوں کو بیدار کررہے تھے۔ انہیں جہاں بھی موقع ملتا اس فتنہ کے سر پر کاری ضربیں لگاتے (اس کے لئے الگ تفصیل درکار ہے) مولانا پاکستان آتے تو یہاں کے مسائل پر توجہ دیتے۔ وہ اس وقت جمعیت علماء پاکستان کے خاموش مگر گہری نظر رکھنے والے کارکن تھے۔

1968ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان کے خلاف تحریک چلی تو حزب اختلاف کی مختلف جماعتوں نے بحالی جمہوریت کے لئے ''جمہوری مجلس عمل'' قائم کی۔ اس مجلس کے زیراہتمام روزانہ جلسے اور جلوس نکلا کرتے تھے۔ جنرل ایوب نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے علماء ومشائخ کا سہارا لیا۔ اس وقت یہی ایک طبقہ ایسا تھا جس کی جڑیں عوام میں تھیں اور انہیں کی پاکدامنی حکومت کی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈال سکتی تھی۔ صدر ایوب نے جمعیت علماء پاکستان کے سادہ لوح مشائخ کے دروازے پر حاضریاں دے کر ان کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ اس طرح ان کے اندر ایک ہم خیال گروپ بنالیا۔ جس کی وجہ سے حزب اختلاف میں اس کا کردار نظر نہ آتا تھا۔ عوام کی اکثریت جن کے ساتھ تھی وہ آرام میں تھے اور جن لوگوں کا وجود نہ تھا ان کی

Marfat.com

شہ سرخیاں اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ سواد اعظم کا وجود کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ جمعیت کے پاس اتنی فعال قیادت بھی نہ تھی کہ دیگر سیاسی جماعتوں کی موجودگی میں اپنا وجود تسلیم کرواسکے۔ عوام پریشان تھے کہ کیا کریں علماء و مشائخ کا ایک گروپ ایوب خان کی صدارت کے تحفظ کے لئے شب و روز کوشاں نظر آتا تھا۔ اس وقت جمعیت کے کردار پر اقتدار پرستی کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ جنرل یحییٰ کا دور اور سال 1970ء پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی کشمکش کا اندوہناک باب ہے۔ اس وقت اسلام کے نام پر قائم ہونے والے پاکستان کو سوشلسٹ ریاست بنانے کی کوششیں عروج پر پہنچ گئیں تھیں۔ بھٹو، بھاشانی اور مجیب الرحمان اس کے سرخیل تھے۔ 22مارچ 1970ء کو مشرقی و مغربی پاکستان کے سوشلسٹوں نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ''کسان کانفرنس'' منعقد کرکے اپنے لادینی نظریات کا برملا اعلان کیا اور ملک بھر کے مذہبی طبقوں کو پیغام دیا کہ:

ماریں گے مرجائیں گے
سوشلزم لائیں گے

بھاشانی نے سوشلزم کی یادگار کے طور پر ٹوبہ ٹیک سنگھ کو ''لینن گراڈ'' قرار دیا۔ اس اعلان کو سن کر مذہبی قیادتوں کے دعوے دار سناٹے میں آگئے۔ کسی کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ سوشلسٹوں کو منہ توڑ جواب دے ...... اس مشکل گھڑی میں پاکستان کی نظریاتی اساس کو بچانے کے لئے علماء و مشائخ کی قیادت میں جمعیت علماء پاکستان نے سوشلسٹوں کے چیلنج کو قبول کیا اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے اسی میدان میں 13، 14 جون 1970 کو آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں خصوصی شرکت کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی کے خسر مولانا مفتی محمد فضل الرحمٰن مدنی مدینہ منورہ سے تشریف لائے۔ لاکھوں کے اس اجتماع اور ہزاروں علماء و مشائخ کی موجودگی میں مولانا شاہ احمد نورانی دو قومی نظریے کے محافظ بن کر سرخ انقلاب کے نعرے لگانے والوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر نظام مصطفٰے کے نفاذ کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور لینن گراڈ کہنے والوں کے مقابل نظام مصطفٰے کی فلاحی ریاست کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی ان حالات میں علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کی روشن کی ہوئی بجھتی شمع جمعیت علماء پاکستان کو آگے بڑھ کر تھامتے ہیں اور ماضی کی روش سے ہٹ کر جمعیت کو اقتدار کی آندھیوں سے بچاتے ہوئے اپنی حقیقی منزل نظام مصطفٰے کی جانب عازم سفر ہوتے ہیں۔ اب جمعیت علماء پاکستان نے سرخ طوفان کو روکنے

Marfat.com

کے لئے براہِ راست سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ دستور پاکستان کو اسلامی سانچہ میں ڈھالا جاسکے۔ اس فیصلے سے سنی عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا کا یہ انداز سیاست کاسہ لیس اور اقتدار پرست لوگوں کو پسند نہ آیا۔ انہوں نے آغاز ہی میں مولانا نورانی کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔

جمعیت کی جدید تنظیم کو اس کے علاوہ بھی کئی اور مسائل درپیش تھے۔ جن میں اہم مسئلہ ان لوگوں کو جماعت میں دوبارہ شامل کرنا تھا جو دل برداشتہ ہوکر مساجد اور مدارس تک محدود ہوگئے تھے اور صرف نظام مصطفٰے کے لئے کام کرنا چاہتے تھے۔ اپنوں کی سازشیں اور اغیار کی مخالفتیں انہیں ہر قدم پر کام کرنے سے روکتی تھیں۔ جاگیردار سجادہ نشینوں کا طبقہ روکاوٹیں کھڑی کرنے لگا۔ تاکہ بزرگوں کے نام پر عوام کا استحصال جاری رکھ سکیں۔ انہیں ڈر تھا کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے عوام اہل سنت میں نظام مصطفٰے کا شعور بیدار کردیا تو ان کی چودھراہٹیں ختم ہوجائیں گی۔ وہ دولت اور طاقت کے بل بوتے پر مولانا کو قصہ خوانی کے لئے بھی مجبور نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ مولانا نے بچپن سے مالی خوشحالی دیکھی تھی اور اس دور میں دنیا بھر کے ممالک کا تبلیغی دورہ کئی بار کیا تھا۔ جب ماسوائے چند خاندانوں کے ان ممالک میں جانے کا کوئی تصور نہیں کرسکتا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے جمعیت کو نئے خطوط پر منظم کرنا شروع کیا تو اولیاء کے نام پر استحصال کرنے والا طبقہ بے نقاب ہونے لگا مولانا نے انہیں اس حد تک مجبور کردیا کہ یا تو وہ اپنے کردار و عمل کی اصلاح کرکے نظام مصطفٰے کے نفاذ کی جدوجہد میں اخلاص کے ساتھ شریک ہوجائیں یا پھر جو ان کے دلوں میں ہے اسے ظاہر کردیں۔ یہ انتہائی فیصلے کی گھڑی تھی۔ کمزوردل لوگوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بزدلوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے ٹکرانے کی بجائے ان کی پناہ کو پسند کیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی سفید پوش طبقہ سے تعلق رکھنے والے پہلے سیاستدان تھے جن کا تعلق علماء سے تھا اور جو اس طاقتور گروہ سے برسرپیکار تھے ...... مولانا کی منفرد پالیسی پرہفت روزہ زندگی نے یوں تبصرہ کیا:

"مولانا نورانی 1970ء کے عام انتخابات سے پیشتر عملی سیاست میں آئے اور انتخابات کے بعد اپنی جماعت کو یحیٰی اور پھر بھٹو کی کنیز بننے سے بچایا۔ حالانکہ مشائخ اور صاحبزدگان کی اکثریت کبھی حکومت وقت سے روگردانی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے خاندانی

Marfat.com

مشائخ اور صاحبزادگان کی روایت سے بغاوت کی۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو منتخب نمائندے اور خاندانی حیثیت کے بل پر پیپلز پارٹی کی قیادت سے بہت کچھ حاصل کرسکتے تھے"۔

جمعیت علماء پاکستان نے 1970ء کے انتخابات میں پہلی مرتبہ حصہ لیا۔ نئی سیاسی جماعت ہونے کے باوجود اس نے بہت سی قدیم جماعتوں کے مقابل بہتر نتائج حاصل کئے۔ مولانا نورانی قومی اسمبلی میں اس کے پارلیمانی لیڈر تھے۔ مولانا نورانی نے کچھ ہی دنوں میں جمعیت کا نام اتنی بلندی پر پہنچا دیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کرنے کے لئے صدر یحییٰ خان کو مولانا نورانی سے رابطہ کرنا پڑا۔

مولانا نورانی نے مختصر وقت میں اپنی صلاحیتوں کو حزب اختلاف کی جماعتوں سے یوں منوایا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے میں حزب اختلاف کے متفقہ فیصلہ سے وزارت عظمیٰ کا الیکشن لڑا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کی ہر ممکن کوشش تھی کہ بلامقابلہ وزیراعظم بن جائیں۔ مگر مولانا اعلیٰ جمہوریت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس آمرانہ خواہش کی راہ میں رکاوٹ بن گئے اور اس وقت کی قومی اسمبلی سے بتیس (32) ووٹ لئے۔ جب کوئی ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔مولانا نورانی نے پاکستان کو اسلام کے راستہ پر چلانے کے لئے دستور میں بنیادی ترامیم کروائیں تاکہ سوشلزم اور سیکولرازم کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے اور ملک اپنے بنیادی نظریہ کی طرف آجائے۔ان کی چند اہم ترامیم جو انہوں نے بحیثیت ممبر آئین ساز کمیٹی منظور کرائیں، درج ذیل ہیں:۔

1.....مسلمان کی تعریف دستور میں شامل کی گئی۔

2.....مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

3.....قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہ بنایا جائے گا۔ پہلے سے موجود قوانین کو قرآن سنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

4.....دستور کے نفاذ کے 90 دن کے اندر اندر اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل ضروری ہوگی۔ جس میں کم از کم دو ممبران سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج ہوں گے۔کونسل کا چیئرمین ان میں سے کسی ایک کو مقرر کیا جائے گا۔

5.....صوبائی یا مرکزی اسمبلی کی 2/5 اقلیت بھی کسی زیرغور قانون کو اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس بھیج سکنے کی مجاز ہوگی۔(پہلے یہ حق صرف اکثریتی پارٹی کو حاصل تھا)

6..... کونسل کا مشورہ موصول ہونے سے پہلے انتہائی ناگزیر حالات میں کوئی قانون پاس ہوجائے اور کونسل بعد میں یہ رائے دے کہ یہ قرآن وسنت کی منافی ہے۔ تو اس پر لازماً نظرثانی کی جائے گی۔ کونسل کی آخری رپورٹ وصول ہونے کے دو سال کے اندر قومی اورصوبائی اسمبلیاں ان قوانین کو کونسل کے مشوروں کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں بنانے کی پابند ہوں گی۔

7...... وہ آرٹیکل حذف کردیا گیا جس کے مطابق پاکستان کی معیشت کی بنیاد اسلامی سوشلزم قرار پائی تھی۔

ہر چند کہ مولانا نورانی کی یہ ترامیم دستور پاکستان کا حصہ تو بن گئیں لیکن وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو مولانا کی جارحانہ مثبت تنقید اور سوشلزم کے راستہ میں رکاوٹ بننا پسند نہ آیا۔ انہوں نے چند علماء کو اکٹھا کر کے جمعیت علماء پاکستان کا متوازی دھڑا بنوا دیا۔ سرکاری میڈیا اور حکومتی اخبارات اس کی خبریں زور شور سے پیش کرتے تھے۔ تا کہ مولانا شاہ احمد نورانی کے کام کی رفتار کو روکا جاسکے۔ ان مشکل حالات میں علامہ قمرالدین سیالوی نے خرابی صحت کی وجہ سے جمعیت کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا۔ یہ ایک اور پریشانی مولانا نورانی کے سر پر آن پڑی۔ اب انہیں قائمقام صدر کی حیثیت سے ہر مسئلے سے خود نمٹنا تھا۔ دوسری جانب جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی شوریٰ کے چند ممبران کو اکسایا گیا کہ وہ شوری کے اجلاس میں مولانا کی پالیسیو ں کے خلاف اراکین شوری کو قائل کریں تا کہ مولانا بھٹو کے خلاف متحد محاذ (UDF) کو منظّم نہ کرسکیں۔ مگر یہاں بھی حکومتی کوششیں ناکام ہوئیں اور اراکین شوری نے مولانا کی پالیسیوں کی توثیق کرکے انہیں صدر بھی منتخب کرلیا۔ اس موقع پر جمعیت کے پالیسی ساز ادارے نے طویل بحث کے بعد نیا دستور جاری کیا جس میں مولانا نورانی کے اختلاف کے باوجود دوبارہ صدر نہ بننے کی شق کوختم کردیا گیا۔ اس طرح جمعیت علماء پاکستان اس بھنور سے نکل گئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے مزید اعتماد کے ساتھ پاکستان کو نظام مصطفیٰ کا گہوارہ بنانے کے لئے کام کی رفتار اور بڑھا دی۔ اب جمعیت علماء پاکستان اتنی موثر جماعت بن گئی تھی کہ اسمبلی کے اندر حزب اختلاف کی اور باہر عوام کی رہنمائی کرنے لگی۔ جمعیت کے لاکھوں کارکن اس کی پالیسیوں کے منتظر رہتے تھے۔ مولانا نے اپنے کارکنان کو اعتماد میں لینے کے لئے ایک کھلا خط بھی جاری کیا جس میں جمعیت کے ماضی اور مستقبل کے پروگرام پر ان الفاظ میں روشنی

Marfat.com

ڈالی:۔

”خدا کے فضل وکرم، حضور پر نور ﷺ کی برکت آپ کی دعاؤں اور تعاون کے نتیجہ میں جمعیت علماء پاکستان ملکی سیاست میں سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی ترجمان بن کر نمایاں مقام حاصل کرچکی ہے اور مختصر عرصے میں اس جماعت نے جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کا اعتراف آپ بھی یقیناً کریں گے محدود وسائل کے باوجود ہم سے جو ہوسکا ہے، بفضلہ تعالیٰ توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ اپنے تو اپنے غیر بھی اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ جمعیت علماء پاکستان نے ملکی سیاست میں مثبت اور منفرد کردار ادا کرتے ہوئے ہر مرحلہ پر حق گوئی اور جرأت مندی کے ساتھ سواد اعظم کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ 24 جون 1970ء کو دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کی عظیم سنی کانفرنس میں سواد اعظم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جمعیت علماء پاکستان قومی سیاست میں حصہ لے اور اس طرح بے سروسامانی کے عالم میں انتخابات میں حصہ لینے کے لئے صرف چار ماہ ملے تھے اور بڑی مشکل سے قومی سطح پر صرف 40 امیدوار انتخابات میں حصہ لے سکے تھے۔ پھر بھی جمعیت نے 13 لاکھ سے زائد ووٹ حاصل کئے اور اس طرح جمعیت کو پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد سب سے زیادہ ووٹ ملے۔ یہی نہیں بلکہ سندھ میں صوبائی سطح پر جمعیت ایک مضبوط قوت کی حیثیت سے ابھری۔ 12 نشستوں پر امیدوار کھڑے کئے اور 7 نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور اسی وجہ سے قائد حزب اختلاف بھی جمعیت کے رہنما ہیں، اور سندھ اسمبلی میں جمعیت کے رہنما قابل فخر کردار ادا کررہے ہیں۔ ایسے ہی پنجاب میں بھی وسائل کی دشواریوں کے باعث صوبائی اسمبلی کے لئے بہت قلیل تعداد میں امیدوار کھڑے کئے گئے۔ پھر بھی 4 امیدواروں نے جمعیت کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کی آئین سازی کے دوران بھی جمعیت کا قابل فخر کردار آپ کے سامنے ہے کہ اس نے اسمبلی کے اندر سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا کہ آئین میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا جائے اور مسلمان کی تعریف آئین میں شامل کی جائے۔ یہی نہیں بلکہ جمعیت کے نمائندوں نے مسلمان کی جو متفقہ تعریف ترتیب دی تھی اور اسے اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا وہ جوں کی توں صدر اور وزیر اعظم کے حلف نامے میں شامل کی گئی ہے۔ اس طرح صدارت اور وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر منکرین ختم نبوت کے چور دروازے سے داخلے کے امکانات معدوم ہوگئے ہیں۔ اب جمعیت نے یہ مطالبات کئے ہیں کہ:

Marfat.com

☆ اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دیا جائے۔

☆ عائلی قوانین منسوخ کیے جائیں۔

☆ مسلح افواج کے سربراہوں کے لئے بھی مسلمان ہونے کی شرط لگائی جائے۔

☆ مسلمان کے مرتد ہونے پر پابندی لگائی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جمعیت علماء پاکستان نے موجودہ دستور پر رائے شماری میں حصہ لیا۔ دستور سازی کے علاوہ بھی سقوط مشرقی پاکستان سے قبل اور بعد میں جمعیت کا جو سیاسی موقف رہا ہے اور اس نے ملک میں جمہوری اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے جو جدوجہد کی ہے وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک روشن باب بن گئی ہے۔

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ جمعیت علماء پاکستان کی کوششوں سے سواد اعظم کے 35 کے قریب دینی مدارس کو مسلح افواج کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے اور باقی کے لئے کوشش کی جارہی ہے اس طرح اہل سنت آئمہ کا بھی افواج پاکستان میں تقرر کیا جاسکے گا۔ ان کامیابیوں کے باوجود آپ اس امر سے متفق ہوں گے کہ اب تنظیمی اعتبار سے ہمیں اور آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔ اس لئے مستحکم تنظیم اور وسائل کے بغیر ہمیں قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ سواد اعظم مکمل طور پر متحد ہو کر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے منظم ہو جائیں اور جمعیت کو ایک قابل فخر تنظیم بنا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس تاریخی مرحلے پر آپ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے"

پاکستان کی تاریخ میں ایک موڑ ایسا بھی آیا کہ جمعیت علماء پاکستان کے منشور نظام مصطفٰی کے نفاذ پر تمام جماعتیں پیپلز پارٹی کے مقابل متحد ہوگئیں۔ یہ وقت نفاذ اسلام کے لئے سازگار تھا۔ مولانا نورانی نے مسلسل محنت کر کے رائے عامہ اسقدر ہموار کرلی کہ بھٹو حکومت مفلوج ہو کر رہ گئی۔

اب پوری قوم کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ ملک میں نظام مصطفٰی نافذ ہو۔ پاکستان میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصالی نظام کی بجائے اسلام کا فلاحی نظام رائج ہو تا کہ عام آدمی کی زندگی میں مصنوعی طبقاتی تفریق ختم ہو۔ پاکستان میں اسلامی انقلاب کی یہ فضا امریکی سامراج کو بھی گوارہ نہ تھی۔ امریکی منصوبہ سازوں نے پاکستانی عوام کے بدلے ہوئے مزاج کو دیکھتے ہوئے ایسے شخص کو حکومت سنبھالنے کی شہ دی جو لباس خضر پہن کر آیا...... اور تاریخ نے

Marfat.com

ثابت کیا کہ اس شخص کو اسلام کا راستہ روکنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی (اور اسی کے دور میں اسلام آباد میں سی آئی اے CIA کا ہیڈ کوارٹر قائم ہوا) لہذا جنرل ضیاء الحق نے ملک پر اس وقت قبضہ کرلیا جب عوام کی جدوجہد رنگ لانے والی تھی۔ وزیراعظم بھٹواور اس کے مشیر نئے انتخابات کی بات تسلیم کر چکے تھے اور قومی اتحاد کو نظام مصطفیٰ کے نام پر اقتدار حاصل ہوسکتا تھا جس سے ملک میں عوام کی طاقت سے اسلام نافذ ہوتا مگر عوام کو اسلامی لیبل کے ساتھ امریکن برانڈ پیش کیا گیا۔قومی اتحاد کی جماعتوں کو اسلام کی بجائے اسلام آباد کے ایوان اقتدار میں شرکت کی پیش کش کی گئی۔ اس وقت قومی اتحاد کی اکثر جماعتیں امریکی سازش کی زد میں آچکی تھیں۔ ان جماعتوں نے ضیاء الحق کے مارشل لاء میں وزارتیں قبول کر کے اسلام آباد میں رہنا پسند کیا۔ جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی نے اس چال کو سمجھ لیا اور اسلام آباد میں حصہ داری کی بجائے نئے انتخابات کے ساتھ نفاذ اسلام کا مطالبہ کیا۔ سیاسی رشوت اور ترغیبات ان کے مضبوط ارادوں کو متزلزل نہ کرسکی۔مولانا کی اسلام کے لئے ضد امریکی منصوبہ میں رکاوٹ تھی اس لئے امریکی پالیسی سازوں نے طے کیا کہ جمعیت علماء پاکستان کی عوامی طاقت کو توڑ کر مولانا کی سیاسی قوت ختم کی جائے۔ اس کام کی ذمہ داری بھی جنرل ضیاء کو سونپی گئی کہ وہ اسلام اور جمہوریت کا مطالبہ کرنے والی جماعت کے خلاف ہر سطح پر آپریشن کریں۔ اس کے ساتھ ہی مارشل لاء کے ضابطے اور اقتدار کی طاقت کے مختلف حربے جمعیت علماء پاکستان کو ختم کرنے کے لئے استعمال کئے گئے۔بالآخر جنرل ضیاء جمعیت علماء پاکستان کے تیسرے درجے کی قیادت توڑنے میں کامیاب ہوگئے...... 24 مارچ 1981 کو ظہور الحسن بھوپالی مرحوم کو اسلام آباد بلایا گیا......جس کے بعد دوست محمد فیضی، سید احد یوسف اور حافظ محمد تقی حکومت سندھ میں صوبائی وزیر لئے گئے جبکہ اور بہت سے مجلس شوریٰ میں شامل کر لئے گئے۔اب فوجی حکومت اور جمعیت علماء پاکستان کی قیادت کے درمیان اصولوں پر اختلافات انتہائی مقام تک پہنچ گئے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لئے 1985ء میں غیر جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کا اعلان کیا، تاکہ ہمیشہ کے لئے قومی سیاست کا خاتمہ کردیا جائے۔ جمعیت علماء پاکستان نے بھی دیگر جمہوریت پسند قومی جماعتوں کی طرح ان انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر بھی اقتدار کی خاطر جمعیت سے نکالے ہوئے افراد نے حاجی حنیف طیب کی قیادت میں جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دیا۔حاجی حنیف طیب وہ ہیں جنہیں مولانا شاہ احمد

Marfat.com

نورانی نے قومی اسمبلی کی اپنی جیتی ہوئی سیٹ چھوڑ کر الیکشن لڑایا تھا حاجی حنیف طیب نے ''نظام مصطفیٰ'' گروپ کے نام سے عبدالمصطفیٰ الازہری اور مولانا شاہ تراب الحق کے ساتھ مل کر غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا...... جبکہ صوبائی سطح پر شمیم الدین اور حافظ محمد تقی لڑے...... ان تمام حضرات کو جمعیت کی پالیسی کی خلاف ورزی کرنے پر جماعت سے نکال دیا گیا۔ جونہی یہ گروپ اسمبلیوں میں پہنچا تو جنرل ضیاء نے محمد خان جونیجو کے ذریعے انہیں گود لے لیا...... حاجی حنیف طیب وفاقی اور حافظ محمد تقی صوبائی وزیر بنا دیئے گئے۔ انہوں نے سرکاری گاڑی اور قومی وسائل کے بل بوتے پر نظام مصطفیٰ گروپ کو منظم کرنے کے لئے دورے شروع کر دیئے۔ اہل سنت کی وہ طاقت جو قائد اہل سنت کے زیر سایہ متحد و منظم ہوئی تھی۔ نظام مصطفیٰ گروپ جنرل ضیاء کے زیر سایہ اسے توڑنے کے درپے ہوگیا۔ مساجد اور مدارس سے آواز حق دبانے کیلئے محکمہ اوقاف کے ذریعہ زکوٰۃ کی تقسیم سیاسی بنیادوں پر کی گئی۔ پرمٹوں اور ملازمتوں کے ذریعے مسلک کے نام پر مقامی لیڈر شپ کو ترغیبات دی گئیں۔ جھنڈے والی گاڑیاں گھر گھر دستک دینے لگیں جو کام ضیاء الحق کر رہا تھا اب اسے نظام مصطفیٰ گروپ نے سنبھال لیا۔

حاجی حنیف طیب اور ان کے ساتھی جمعیت علماء پاکستان کو تو نہ توڑ سکے۔ البتہ انہوں نے عوام اہل سنت میں غیر یقینی کی صورتحال ضرور پیدا کر دی۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ علاقائی سطح پر ابھرنے والی نوجوان قیادت تذبذب کا شکار ہو کر مرکز سے دور ہوگئی۔ انہیں جمعیت علماء پاکستان اور عام سیکولر جماعتوں میں فرق نظر نہ آنے لگا...... یہ لوگ نظریات سے ہٹ کر نئی جماعتوں کی تلاش میں سرگرداں ہوگئے۔ نظریات کی جگہ مفادات نے لے لی۔ بہت سے کمزور دل مخلصین حوصلہ ہار کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ اس طرح علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کی بنائی ہوئی فکری اور نظریاتی تنظیم جمعیت علماء پاکستان کو جو تازہ خون سپلائی ہونا تھا رک گیا۔ جس کا فائدہ حاجی حنیف طیب کے پھیلائے ہوئے انتشار کی وجہ سے غیروں کو پہنچا...... ضیاء الحق کے زیر سایہ پروان چڑھنے والا نظام مصطفیٰ گروپ ماضی میں بنائے گئے گروپوں کی طرح اقتدار کے مزے لوٹنے کے بعد ضیاء الحق کے ساتھ ہی انجام کو تو پہنچ گیا، مگر اہل سنت کی متحدہ طاقت کا ہمیشہ کے لئے شیرازہ بکھیر کر اپنے سرپرستوں کا مشن مکمل کر گیا۔ ان نامساعد حالات کے باوجود مولانا نورانی پھر بھی عازم سفر ہیں۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی جو منزل 77ء میں تحریک نظام مصطفیٰ کی وجہ سے قریب آ گئی تھی ایک دفعہ پھر دور ہوگئی۔ لیکن

ماضی کے مقابلے میں آج کے مورخ نے جمعیت کی کارکردگی کو جو مقام دیا ہے اس کا اندازہ ''پاکستان کی سیاسی جماعتیں'' میں پروفیسر عثمان کی زبانی ملاحظہ کریں:

''جمعیت علماء پاکستان نے سیاست کا کھیل ہمیشہ اصولوں کے مطابق کھیلا ہے۔ اس نے اقتدار میں شرکت کی خاطر کبھی سودا بازی نہیں کی۔ وہ بھٹو حکومت کے خلاف پی این اے کی تحریک 1977ء میں شدومد سے شامل تھی مگر جب مارشل لاء لگ گیا اور پی این اے میں شامل کئی جماعتوں نے نئی حکومت سے تعاون میں جلدی اور تیزی دکھائی حتی کہ اس کے تحت وزارتوں کی پیش کش بھی قبول کرلی تو جمعیت علماء پاکستان (دوسری تحریک استقلال) ایسی ہر پیشکش سے کنارہ کش رہی اور اس نے اپنے دامن کو وزارتوں اور سفارتوں سے آلودہ نہ ہونے دیا۔ اس طرح جہاں بعض سیاسی جماعتوں نے پہلے تو مارشل لاء کا بھرپور ساتھ دیا اور بعد میں مارشل لاء کو زہرناک قرار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں جمعیت نے استقامت مزاجی کا ثبوت دیا۔ اس نے جس بات کو غلط سمجھا اسے ہر حال میں اور ہر موقع پر غلط قرار دیا اور اس راہ میں کسی کمزوری یا لغزش کا مظاہرہ نہ کیا۔''

آج جمعیت علماء پاکستان کو تنظیمی اعتبار سے جو مقام ملا ہے وہ مولانا نورانی کی شبانہ روز کوششوں اور جدوجہد کا مرہون منت ہے۔ جمعیت اس سے قبل افراد کا مجموعہ تھی جو صرف علماء پر مشتمل تھی۔ لیکن مولانا نورانی نے اسے عوامی جماعت بنا دیا اور ایسے افراد بھی جمعیت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچے ہیں جو جید علماء نہ تھے، مولانا نے معاشرہ کے تمام طبقوں، وکلاء، ڈاکٹر، تاجر، مزدور الغرض ہر شخص کو خوش آمدید کہا اور ان تمام حضرات نے علماء کی فکری قیادت میں کام کرنے کو اپنے لئے ہمیشہ باعث افتخار سمجھا۔

مولانا نورانی نظم وضبط کا بڑا خیال رکھتے ہیں...... وہ کسی بھی علاقے کا دورہ صوبائی اور پھر ضلعی تنظیم کے ذریعے ترتیب دیتے ہیں۔ حتی کہ نجی دعوت بھی مقامی تنظیم کے مشورے کے بغیر قبول نہیں کرتے۔ کسی بھی مقام پر خطاب سے پہلے علاقائی تنظیم کے ذمہ دار افراد سے بریفنگ ضرور لیتے ہیں اور اہم سوالات کے ذریعے علاقے کے مسائل سے آگاہی حاصل کرتے ہیں وہ نشستوں میں کارکنان کے سوالات کا تسلی سے جواب دیتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں...... اور کبھی کسی عام رکن کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی ہم آہنگی انہیں ہر مرتبہ صدارت پر بلا مقابلہ منتخب کراتی ہے۔ جمعیت کی پالیسی کی خلاف ورزی کو مولانا نورانی ناقابل

Marfat.com

معافی تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد کو پالیسی سے انحراف کی وجہ سے نکالا گیا انہیں دوبارہ قبول نہیں کرتے۔ مولانا کے اس طرز سیاست سے مفاد پرست لوگ نالاں ضرور ہوتے ہیں لیکن یہی اصول پرستی انہیں ملک کے دیگر سیاستدانوں سے ممتاز کرتی ہے۔

1988ء میں جمعیت نے عوامی اتحاد کے نام سے تحریک استقلال اور پاکستان مسلم لیگ کے ساتھ مل کر اتحاد بنایا۔ مگر محمد خان جونیجو کے آخری وقت چھوڑ جانے کی وجہ سے یہ اتحاد ناکام ہوگیا۔ پھر بھی جمعیت تین نشستیں لے کر قومی اسمبلی میں پہنچی جبکہ 25 نشستوں پر زیادہ ووٹ لے کر شکست کھائی جس کا برملا اعتراف نواز شریف نے شکایت کی شکل میں کیا تھا۔

لاہور کے حلقہ 99ء کا ضمنی الیکشن جمعیت پر بھاری گذرا۔ یہاں مولانا نورانی اور مولانا نیازی کے درمیان اختلافات شروع ہوگئے...... اختلافات کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مولانا نیازی آئی جے آئی کے حق میں جمعیت کے امیدوار مولانا عبدالغفور الوری کو دستبردار کرانا چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے آئی جے آئی کے سربراہ میاں محمد نواز شریف سے سینٹ کی سیٹ، مدرسہ کے لئے دوسو کنال اراضی کے علاوہ الیکشن کے اخراجات کے عوض معاہدہ کرلیا۔ اس معاہدے کا عکس مختلف کتابوں میں شائع ہوچکا ہے 28 فروری کو جمعیت کی جنرل کونسل کے 122 میں سے 93 ارکان نے متفقہ طور پر اس معاہدہ کو مسترد کردیا اور اسے نظام مصطفٰے کے سنہری اصولوں کے خلاف قرار دیا۔ مولانا نیازی طے شدہ معاہدے کے مطابق مارچ میں سینٹر بن گئے۔ انہوں نے حاجی حنیف طیب وغیرہ کے ساتھ مل کر ایک نئی جماعت بنا لی ......اب اس کے بھی دو حصے ہوچکے ہیں۔ مشکل ترین حالات میں مولانا نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کو ان خطوط پر گامزن رکھا جن پر علامہ سید احمد سعید کاظمی نے بنیاد رکھی۔ انہوں نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں داخل ہوکر وہ راستہ پسند کیا جو شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ نے علماء کی قیادت میں قائداعظم کو بتایا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے سیاست میں قدم رکھ کر انگریز کے دین اور سیاست کو جدا کرنے کے فلسفہ کو غلط ثابت کردیا انہوں نے ہر سطح پر دین کو مکمل ضابطہ حیات تسلیم کروا کر دیندار طبقہ کی عزت و وقار میں اضافہ کیا۔ مولانا نورانی نے اپنے کردار وعمل کی پاکیزگی، جرآت و بیباکی سے جمعیت علماء پاکستان کی تاریخ کو روشنی کا مینار بنا دیا۔ جس کی نورانیت سے بھٹکتی ہوئی حکومتیں اپنے لئے بہتر راستے کا تعین کرسکتی ہیں۔

Marfat.com

آج پچاس سال گزرنے کے بعد جمعیت علماء پاکستان ایک ایسی جماعت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ جس نے ماضی میں تحریک نظام مصطفےٰ قادیانیوں کا غیر مسلم قرار دلوانا 73ء کے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کروانا اور پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام منوا کر اسلام کا قلعہ بنانا جیسی بے شمار خدمات شامل ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے اپنی زندگی کے آخری تاریخی خطاب ملتان میں مولانا شاہ احمد نورانی کی لازوال خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''نورانی میرے قائد ہیں اور میں ان کا ادنیٰ سپاہی ہوں'' مولانا نورانی نے پاکستان کی تاریخ میں جمعیت علماء پاکستان کا نام سنہری حروف سے لکھ کر قائد اہل سنت ہونے کا حق ادا کردیا۔

Marfat.com

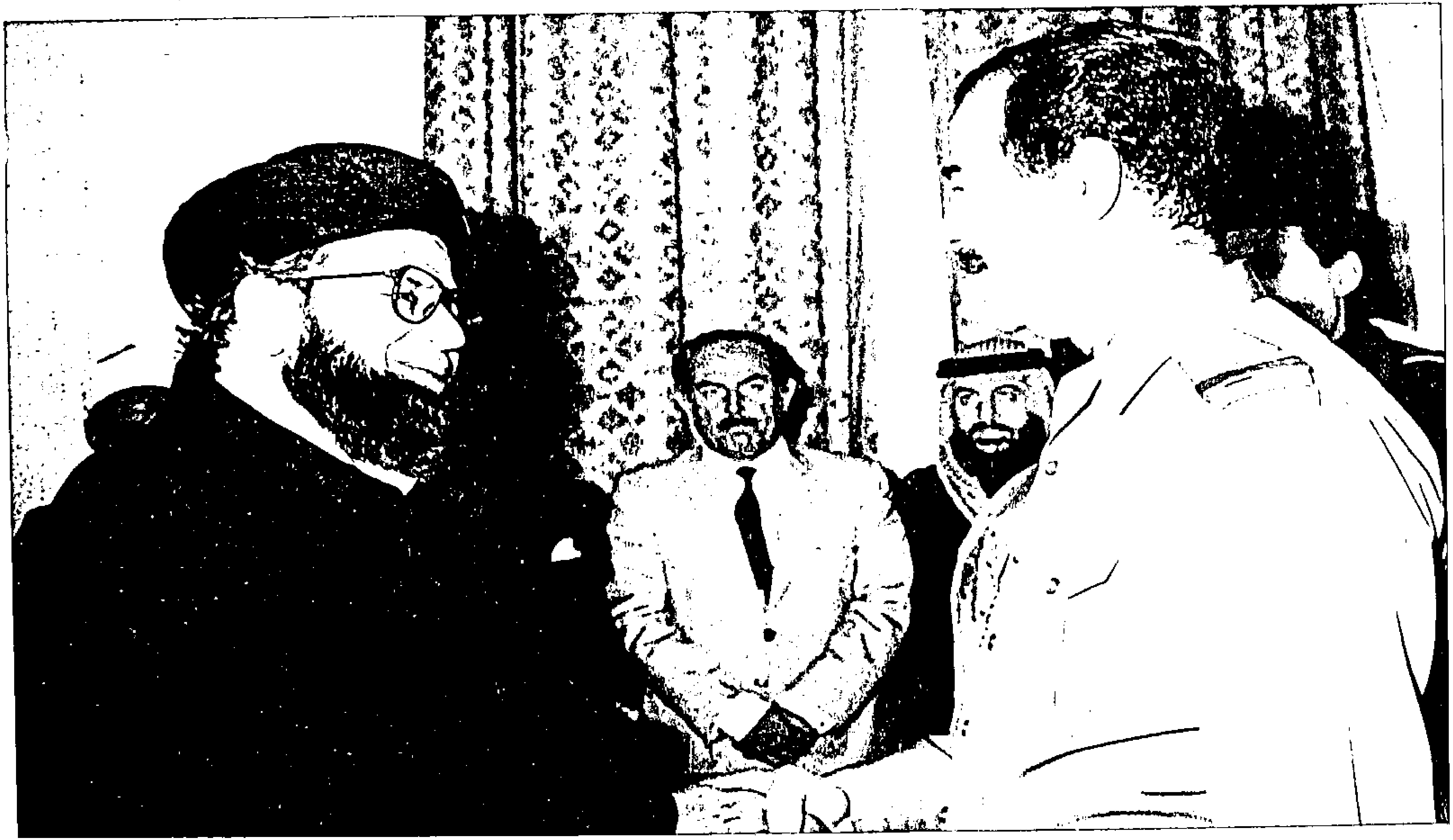

عراق : مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی اور صدر صدام حسین۔

Marfat.com

باب 6

مولانا شاہ احمد نورانی اور بین الاقوامی سیاست

آج مسلمان دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ ایک محتاط تخمینے کے مطابق دنیا بھر میں ان کی تعداد کم و بیش ایک ارب 20 کروڑ ہے۔ 53 آزاد مسلم مملکتوں میں ایک ارب کے لگ بھگ مسلمان بستے ہیں۔ یہ مسلم مملکتیں دنیا کے تئیس (23) فیصد رقبے پر محیط ہیں۔ ان کے علاوہ مسلم آبادی مشرقی اور وسطی یورپ میں بھی آباد ہے۔ البانیہ میں تو مسلمانوں کی تعداد 80 فیصد ہے۔ بوسنیا ہرزے گوینا میں بھی ان کی معقول تعداد آباد ہے۔ دنیا کے دیگر حصوں میں بھی مسلمان کافی تعداد میں موجود ہیں یورپ اور امریکہ میں عیسائیت کے بعد اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے۔

یہ مسلمان مملکتیں شمالی افریقہ (مراکش) سے لے کر جنوب مغربی ایشیاء (انڈونیشیاء) تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جغرافیائی اور تزویراتی اعتبار سے یہ خطہ بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل، بحیرہ قلزم اور بحر ہند کے درمیانی علاقہ کو گھیرے ہوئے ہے ......اور دنیا کے اہم تجارتی راستے مثلاً آبنائے جبرالٹر، باسفورس، نہر سویز، باب المندب، آبنائے ہرمز، ملاکا اور سنڈا راس ان ہی کے زیر اثر ہیں۔ خام مال اور افرادی قوت کے اعتبار سے بھی اسلامی دنیا مالا مال ہے اور عسکری طاقت کے اعتبار سے بھی اس کی طاقت مسلم ہے۔ ان سب عوامل کے باوجود آج عالم اسلام گوناں گوں مسائل کا شکار ہے۔ دور حاضر میں امریکہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر کو متعارف کروانے کے بعد واحد سپر پاور بن کر سامنے آیا ہے۔ وہ عالمی حقوق کا لبادہ اوڑھ کر عیسائیت و یہودیت کا مبلغ و محافظ ہے، تازہ ترین اطلاعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امریکہ کی شہ پر پوپ جان پال نے جس طرح 98ء میں کیوبا کا دورہ کیا اور پھر ویٹی کن سٹی پہنچ کر کیوبا پر پابندیوں کے خاتمے کے حوالے سے امریکی صدر کو تجویز پیش کی۔ یہ اس کے مشنری جذبے کا اظہار تھا۔ یہ رپورٹ بھی شائع ہوچکی ہے کہ پوپ C.I.A کے لئے باضابطہ خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

عالم اسلام کا جائزہ لیں تو ہمیں معدودے چند ایسی ہستیاں ملیں گیں جن کی نگاہ عالمی حالات پر ہوتی ہے اور جن کا کام بین الاقوامی سطح پر پہچانا جاتا ہے۔ پاکستان میں ایسی نمایاں شخصیت مولانا شاہ احمد نورانی کی ہے جو مسلمانوں کے جوہر کو بھی پہنچانتے ہیں اور ان کے مسائل کو بھی سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کا ہر سال تفصیلی دورہ کرتے ہیں۔ جہاں انکا واسطہ براہ راست ان ممالک کے حکمرانوں، ان کی پالیسیوں اور قوانین سے پڑتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے ہر جگہ عالمی سیاست کے بازیگروں کا انداز مختلف ہے۔ منافقت بھرا دوہرا معیار ان کا خاصہ ہے۔ امریکہ جیسے سپر پاور کی جمہوریت کے نام پر مارشل لاء کی حمایت انسانی حقوق کے نام پر انسانیت کا قتل ہر علاقہ اور ہر ملک میں الگ الگ عالمی اصولوں سے ماورا حکمت عملی اس کی دورنگی کو واضح کرتی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے خالق امریکن پالیسی سازوں کے نزدیک روس کے ٹکڑے ہونے کے بعد پوری دنیا ان کی رعایا کی حیثیت رکھتی ہے۔ میڈیا کی ترقی نے پوری دنیا کو ''گلوبل ویلج'' کی شکل دے کر جغرافیائی حدود کو کافی حد تک کم کردیا ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والے واقعات ہر گھر میں چھوٹی سی اسکرین پر لمحے بھر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے دنیا کے کسی بھی خطے میں بسنے والے شخص کو گلوبل سٹیزن کے مقام پر پہنچا دیا ہے۔ اس کے بنیادی حقوق کے نگہبان ادارے این جی اوز کی شکل میں پوری دنیا میں کام کررہے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی نباض فطرت اور موضانہ کی فراست رکھنے والے شخص ہیں۔ انہیں دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کا بخوبی ادراک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ انہوں نے مسلم قومیت اور مسلم امہ کی بات کی ہے۔ ان کی پالیسی ہمیشہ یہی رہی کہ پاکستان کو روس، امریکہ سمیت تمام ممالک سے تعلقات ضرور رکھنے چاہئیں مگر کسی پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کے فرمان کے مطابق، یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے۔ اس پر وہ مسلسل زور دیتے ہیں ان کی یہ کوشش رہی کہ دعوت وتبلغ کیلئے کئے جانے والے دوروں کے دوران مسلم ممالک کے حکمرانوں کو اس بات کا احساس دلائیں کہ ان کے پاس سب کچھ ہے وہ مسلم امہ کی بنیاد پر سوچیں۔ وہ کہتے ہیں اقوام عالم کا ادارہ اقوام متحدہ کبھی مسلمانوں کا خیرخواہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ طاقتور امریکہ کی لونڈی کا کردار ادا کررہا ہے۔

ایران میں شہنشاہیت کے خاتمہ کے بعد آیت اللہ خمینی امام کی حیثیت سے ایرانی انقلاب کے بانی تھے۔ اس وقت ایرانیوں کی سوچ یہ تھی کہ ایرانی انقلاب ایران کی سرحدوں سے

Marfat.com

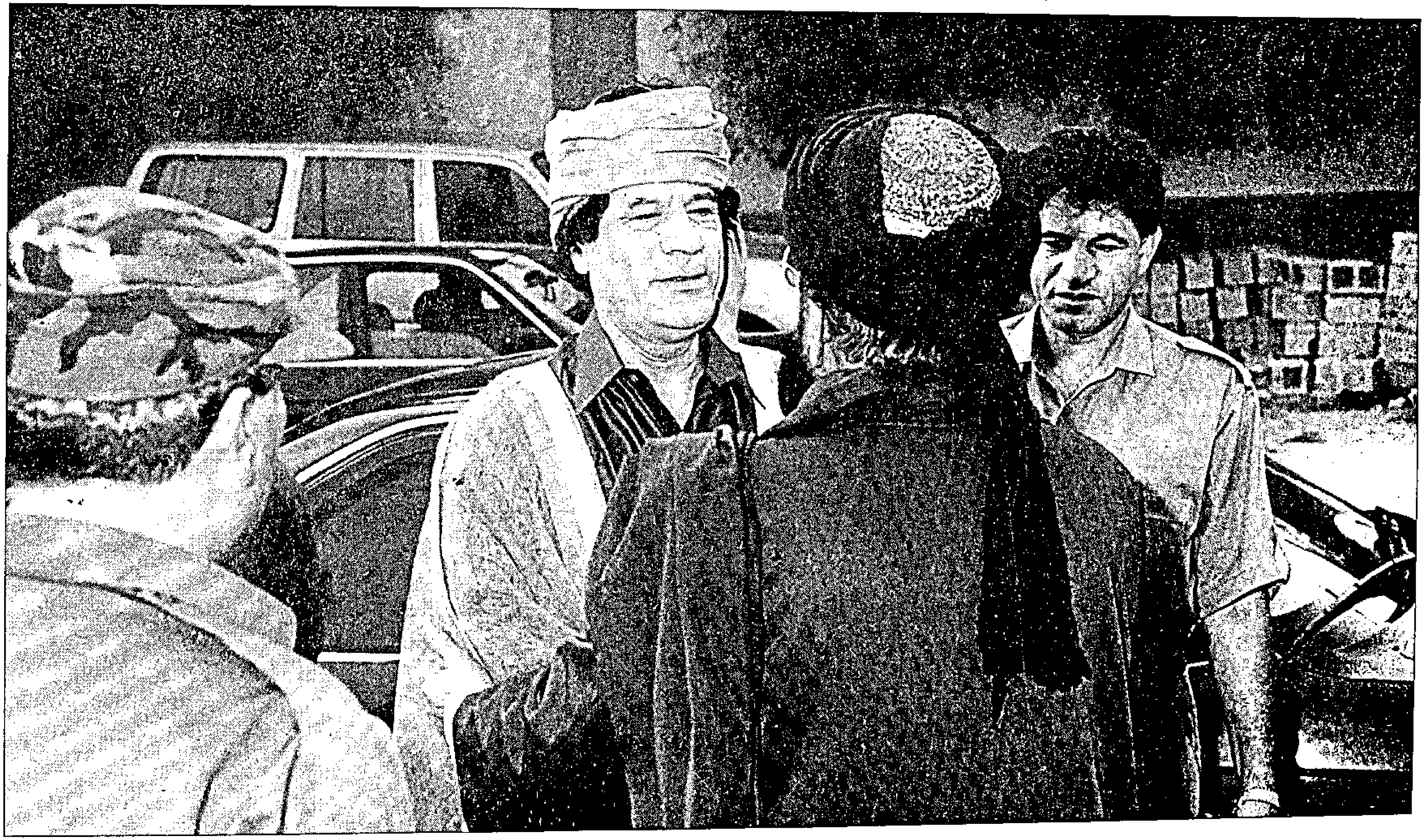

لیبیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کو کرنل قذافی خوش آمدید کہتے ہوئے۔

Marfat.com

باہر نکل کر دیگر ممالک تک پھیلے۔ایرانی قیادت کی اس خواہش کے نتیجے میں ارد گرد کے ممالک سے ایران کے تعلقات خراب ہوگئے۔سعودی عرب ایران کشیدگی بڑھی۔ ادھر عراق ، ایران امریکی سازش کے تحت ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے۔ امریکہ اور برطانیہ کی اسلحہ ساز فیکٹریاں ان کی معیشت میں مضبوط رول ادا کررہی ہیں۔ دنیا میں امن ہو تو یہ ممالک پریشان ہوجاتے ہیں۔مال کے بدلے عربوں کا تیل ان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے عراق ایران لڑائی کے لئے میدان سجایا۔ عراق کو امریکہ اور دیگر ممالک نے تھپکی دی تو دوسری جانب ایران میں بھی طاقتور انقلاب کو پھیلانے کا زعم بڑھا دیا۔امریکی پالیسی سازوں کی خواہش کے مطابق ایران، عراق جنگ شروع ہوگئی۔ دو برادر اسلامی ملک ایک دوسرے کی طاقت ختم کرنے کے درپے ہوگئے۔

اقوام متحدہ کی تنظیم امریکی نظروں سے خاموش تماشائی بنی ۔ رسمی بیانات دے کر یہ کھیل دیکھ رہی تھی۔ لیکن ورلڈ اسلامک مشن کے چیئرمین مولانا شاہ احمد نورانی اس صورتحال کی وجہ سے نہایت افسردہ تھے۔ انہوں نے جنگ بندی کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز ورلڈ علماء کانفرنس سے کیا جس میں دنیا بھر کے علماء اکٹھے ہوئے اور دو برادر مسلمان ممالک کے درمیان جنگ بندی کے مسئلہ پر طویل غور وخوض کیا۔ پھر 25 مارچ 1983 کو عراق میں پاپولر اسلامک کانفرنس کی دعوت پر جس کے رکن بھی ہیں، علماء کانفرنس میں شرکت کی۔ اس موقع پر مولانا نے دنیا بھر سے آئے ہوئے علماء اور اسکالرز سے خطاب کرتے ہوئے جنگ بندی کی ضرورت پر زور دیا اور اس کے لئے طریقہ کار بھی بیان کیا۔ اس موقع پر عراقی صدر صدام حسین نے علماء سے کہا کہ وہ ثالث کا کردار ادا کریں تاکہ جنگ بندی ممکن ہوسکے۔مولانا شاہ احمد نورانی نے غیرسرکاری سطح پر جنگ بندی کے لئے علماء کے پلیٹ فارم سے جدوجہد شروع کرکے رائے عامہ کو منظم کیا۔ ورلڈ علماء کانفرنس کے اجلاس مختلف ممالک میں منعقد ہوئے۔ ورلڈ علماء کانفرنس نے ایران ،عراق جنگ بندی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیدی۔ کمیٹی میں براعظم ایشیاء سے مولانا شاہ احمد نورانی تھے۔ اس کمیٹی کا اجلاس 24 مارچ 1986ء کو عراق کے شہر بغداد میں منعقد ہوا۔ پھر مولانا شاہ احمد نورانی نے اکتوبر 1986ء میں جمعیت علماء پاکستان کے وفد کے ہمراہ لیبیا کا دورہ کیا اور بین الاقوامی اسلامی کانفرنس مین شرکت کی۔ یہاں انہوں نے لیبیا کے سربراہ کرنل معمر قذافی سے جنگ بندی کے سلسلہ میں صلاح مشورہ کیا۔مولانا شاہ احمد نورانی اور کرنل قذافی

Marfat.com

لیبیا ۔ کرنل معمر قذافی اور مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی ایک پروگرام میں شرکت کے لئے آرہے ہیں۔

Marfat.com

1989ء: اقوامِ متحدہ میں ایران عراق جنگ بندی کے لئے امن مشن کی ایک یادگار تصویر

1989 Iran & Iraq ceasfire mission in the U.N.O.

کے درمیان اس بات پر مکمل اتفاق تھا کہ امریکہ عالم اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ کوشش ہے کہ مسلم ممالک ایک دوسرے سے لڑ کر اپنی طاقت ختم کرتے رہیں تاکہ مسلمانوں کے وسائل پر اس کا قبضہ ہو۔ مولانا نے جنگ بندی سے متعلق اپنی کوششوں سے کرنل قذافی کو آگاہ کیا اور ان سے بھی درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کریں۔ عالمی سیاست میں مولانا نورانی مسلم امہ کے اتحاد کا درد لے کر آگے بڑھے۔ ان کا دل ہر وقت عالم اسلام کی یکجہتی کیلئے دھڑکتا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی جنگ بندی ہو جائے بہتر ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل پیریز ڈی کوئیار نے مولانا کی عالمی کوششوں کا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ مسلمان قائدین میں جنگ بندی کا احساس اجاگر ہو رہا ہے۔ پھر اقوام متحدہ نے بھی کچھ دلچسپی لینا شروع کی۔ ورلڈ علماء کمیٹی کے چھ رکنی وفد نے مولانا کی سربراہی میں اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اور صدر سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور سلامتی کونسل کے مستقل رکن ممالک (چین، امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ) کے مستقل نمائندگان سے بھی ملاقاتیں کر کے عراق، ایران، جنگ بندی کے لئے انہیں عملی کردار ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد مولانا نے ایران کا دورہ کر کے ایرانی قیادت کو یہ احساس دلایا کہ ان کا ''انقلاب'' دوسروں پر مسلط کرنے کا انداز فکر درست نہیں۔ اس سے عالم اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے...... اس کے منفی اثرات عربوں میں بالخصوص محسوس کئے جا رہے ہیں...... اس کی وجہ سے مسلم ممالک کے درمیان محبت کی جگہ نفرت کی سیاست پروان چڑھے گی اور فرقہ واریت کی آگ پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ایرانی قیادت نے مولانا کے دلائل سن کر جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مولانا نے اقوام متحدہ کے صدر اور سیکریٹری جنرل سے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں مسلسل ملاقاتیں کر کے جنگ بندی کے لئے ہر سطح پر حالات سازگار کئے۔ بالآخر مولانا کی کوششوں سے دو برادر ممالک کے درمیان جنگ بندی ممکن ہوئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی بنیادی طور پر عالم ہیں۔ وہ بین الاقوامی سیاست کا تقابلی جائزہ بھی اسلام کی نظر سے لیتے ہیں۔ وہ اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ صیہونی اور صلیبی طاقتیں کسی بھی مسلم ملک کو طاقتور نہیں دیکھنا چاہتیں۔

یہ حقیقت اب کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اہل مغرب نے عالم اسلام کے خلاف جنگ کا سلسلہ کئی محاذوں پر پھیلا دیا ہے۔ گہرائی سے جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ اس صدی کے رواں

Marfat.com

نصف آخر میں یتیم ہونے والے بچوں اور بیوہ ہوجانے والی عورتوں کی سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے...... مسلمان مہاجرین دربدر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ۔ ویت نام کو چھوڑ کر گذشتہ پچاس سالوں میں جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ سب مسلم ممالک میں لڑی گئیں۔ اس وقت بھی دنیا میں جو خون بہہ رہا ہے وہ خون مسلم ہے۔

سامراجی طاقتوں نے ہر مسلمان ملک کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ اٹکایا ہوا ہے۔ بیت المقدس (قبلہ اول) کی آزادی اور فلسطینی ریاست کی بحالی جہاں عالم عرب کو پریشان کئے ہوئے ہے وہاں پوری مسلم امۃ اس کے درد سے کراہ رہی ہے۔ مولانا نے آرگنائزیشن آف اسلامک کنٹریز (O.I.C) پر ہمیشہ زور دیا کہ وہ طاقتور فیصلوں سے اپنے وجود کو تسلیم کروائے۔ او آئی سی اجتماعی طاقت سے کوئی بڑا فیصلہ کرکے ڈٹ جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ اور اس کے حواری اس فیصلے کو تسلیم نہ کریں۔ مولانا سمجھتے ہیں کہ بہت سے عرب حکمران ''پروامریکن'' ذہنیت کے حامل ہیں اور ایسے حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اقتدار امریکہ کی سرپرستی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلئے وہ امریکن چھتری کے زیر سایہ امان تصور کرتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی وجہ سے او آئی سی بھی کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرتی۔ صرف رسمی بیانات دے کر اپنے وجود کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

جب امریکہ نے اقوام عالم کی سپر طاقت ہونے کے نشے میں نیو ورلڈ آرڈر جاری کیا اور صدر بش نے اس کی تعریف ''فریڈم اینڈ ڈیموکریسی'' آزادی اور جمہوریت بیان کی تو مولانا شاہ احمد نورانی نے اسے عالمی دہشت گردی کا ایجنڈا قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم ممالک اسلامک ورلڈ آرڈر جاری کریں۔ اس موقع پر انہیں شاہ فیصل مرحوم کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔ اگر شاہ فیصل ہوتے تو عالم اسلام میں قیادت کا فقدان پیدا نہ ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سعودی عرب کو عالم اسلام کی قیادت کرنی چاہیئے۔ یہ اس کا حق بھی ہے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر رہا۔ وہ سعودی عرب کو عالم اسلام کا مرکز کہتے ہیں اور حجاز مقدس کو اس کا دل قرار دیتے ہیں۔ اب یہ سعودی عرب کے حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے کس طرح عالم اسلام کی قیادت کے فرائض سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ صرف شاہ فیصل دنیائے اسلام کے وہ رہنما تھے جنہوں نے امریکہ اور مغربی ممالک کی بچھائی ہوئی مفادات کی بساط الٹ کر رکھ دی تھی اور اتحاد عالم اسلام کا نعرہ بلند کیا۔ انہوں نے تیل کی طاقت کو بطور ہتھیار

استعمال کر کے عربوں کے اندر تیل کی طاقت کا احساس بیدار کیا۔ جس سے مغربی ممالک بوکھلا اٹھے اور ان کا اقتصادی ڈھانچہ لرز اٹھا۔ اس منصوبہ بندی کا سب سے زیادہ نقصان امریکہ کو ہوا۔ انہوں نے سازش کر کے شاہ فیصل کو قتل کروا دیا۔ اسکے بعد آج تک عربوں کو صلیبی او رصیہونی طاقتوں نے متحد نہیں ہونے دیا۔

انہوں نے امریکہ کے کارخانوں اور برق رفتار ترقی کی حفاظت کے لئے نئے جال بچھانے شروع کر دیئے۔ جمہوریت کے علمبردار امریکہ نے ایسے لوگوں کو غیر جمہوری طریقے پر حکمران بنوایا جو ان کے فرمانبردار کا کردار ادا کر سکیں...... اس نے ہمیشہ کے لئے تیل پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے عربوں کو تعیّشات کا عادی بنا دیا۔ ان کے روز مرہ کے مسائل اپنے ذمے لے لئے اور انہیں محلات میں آرام وسکون کی زندگی میں مدہوش کر کے دنیا سے بے خبر کر دیا۔ مگر اسلامی جذبے کی چنگاری کہیں کہیں پھر بھی اٹھتی رہی۔

عراق ایران جنگ بندی کے بعد دونوں برادر ممالک اپنی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے۔ نئے جذبوں کے ساتھ یہ ممالک عسکری میدان میں بھی ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔ مسلم ممالک کی یہ ترقی امریکہ کو ناگوار گزری۔ اس نے پھر سازشیں شروع کر دیں۔ امریکہ کے اسلحہ سازوں نے ''پینٹا گون'' کے ماہرین کے گرد ڈیرے ڈال دیئے۔ امریکی معیشت کو اسلحے کی فروخت سے جو استحکام ملتا تھا وہ کچھ عرصے کے لئے رک گیا تھا۔ اب جنگ پھر امریکی ضرورت تھی۔

اس مرتبہ انہوں نے کویت کو شہہ دی کہ وہ عراقی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے تیل زیادہ نکالے تاکہ مارکیٹ میں تیل کی قیمت گر جائے جب تیل کی قیمت گھٹے گی تو آمدن کم ہوگی۔ اس طرح عراق کے مستقبل کے منصوبے خاک میں مل جائیں گے، اس کے علاوہ چند جزائر پر بھی کویت اور عراقی حکومت کے مابین اختلافات چل رہے تھے یہ ایسے اختلافات تھے جنہیں بیٹھ کر حل کیا جاسکتا تھا۔ مگر مذاکرات کے بہتر راستہ کی بجائے امریکی سازش کے تحت فریقین کو بدتر راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس جال میں دونوں ممالک بری طرح پھنس گئے۔ اس صورتحال کو سعودیہ اور کویت نے جلد بازی میں صیہونی اور عیسائی فوجوں کو بلا کر طاغوتی طاقتوں کے حق میں اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی امریکہ کی اس چال کو بھی سمجھ گئے۔ انہوں نے سعودی عرب اور O.I.C کے سرکردہ رہنماؤں سے مطالبہ کیا کہ اس

Marfat.com

کشمیر میں مسلمانوں کے قتلِ عام میں ملوث ہندوستانی حکومت کے خلاف ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ کی طرف سے ہندوستانی سفارت خانے کے سامنے مظاہرہ۔

Marfat.com

مسئلے کو وہ مل کر حل کریں ورنہ امریکہ تیل کے کنوؤں پر قبضہ کر لے گا۔ انہوں نے مسلم ممالک کے حکمرانوں پر زور دیا کہ عراق پر حملہ عالم اسلام پر حملہ ہے۔ عراق نقطہ آغاز ہے تو ایران و پاکستان اس کی انتہا ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس آگ سے عالم اسلام کو ہر صورت میں بچایا جائے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کے طول و عرض میں دورے کر کے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف عوامی شعور بیدار کیا۔ انہوں نے عراق کی امریکہ کے خلاف جنگ میں مدد کے لئے ایک لاکھ رضا کار بھیجنے کا اعلان کیا۔ ملک بھر میں بھرتی کیمپ قائم کئے گئے۔ اگر مولانا کے انداز سیاست کا بغور مطالعہ کریں تو وہ ہر مقام پر مسلم امہ کی بات کرتے ہیں۔ وہ لبنان، سوڈان، مالیہ، بوسنیا، چیچنیا، الجزائر، کشمیر، فلسطین، کسووو، الغرض دنیا میں جہاں جہاں مسلمان ممالک اور عوام عالمی سازشوں کا شکار ہیں ان کی بھر پور حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ خلیج کی جنگ کے دوران طاقت کے نشے میں بدمست اتحادی فوجوں کی وجہ سے مجبور عرب حکمرانوں نے مولانا کی باتوں پر توجہ نہ دی بلکہ امریکی اشارے پر بعض عرب ممالک نے مولانا کی پالیسی کو ناپسند بھی کیا۔ اس وجہ سے مولانا نے عالم اسلام کی عظیم درسگاہ جامعۃ الازہر (مصر) کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی رکنیت بھی چھوڑ دی مگر آج وقت نے ثابت کر دیا کہ مولانا کی سیاسی بصیرت اس وقت جس طوفان کو دیکھ رہی تھی بالآخر وہ آ گیا۔ آج سعودی عرب مالی زبوں حالی کا شکار ہے۔ کویت کی آمدنی کے ذرائع بھی سکڑ گئے ہیں۔ دونوں ممالک کی دولت ان کی اپنی غلط پالیسی کی وجہ سے امریکی لے اڑے۔ بہت سا زنگ آلود ناکارہ اسلحہ انہیں خریدنے پر مجبور کر دیا گیا۔ تعمیر نو کے نام پر یہودی اور عیسائی کنسٹرکشن کمپنیوں نے بڑے بڑے ٹھیکے لے لئے۔ ان معاملات سے بھی زیادہ نقصان یہ ہوا کہ صیہونی اور عیسائی فوجوں نے عرب کلچر پر بھاری ضرب لگائی اور وہاں ''مادر پدر'' آزاد معاشرے کو جنم دینے کی کوشش کی۔ اب امریکہ نے اپنے ایسے تمام فوجیوں کو جو سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد امریکی بجٹ پر بوجھ تھے مناسب نفع کے ساتھ عرب ممالک میں ٹھہرایا ہوا ہے۔ ان کے اخراجات کا بہت بڑا حصہ سعودی عرب اور کویت برداشت کر رہے ہیں۔ آج تیل کی قیمتیں بھی امریکی خواہشات کے مطابق مقرر ہوتی ہیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر امریکہ نے پاکستان کی مشکیں کسنی شروع کر دی ہیں۔ پاکستان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر قرضوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ جدید اسلحہ کے لئے فاضل پرزوں کا حصول ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ ہمارا طاقتور اور مکار ہمسایہ بھارت ہمارا جغرافیہ بدلنے کی

کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے پاکستان نے امریکی دوستی کو افغانستان میں روس جیسی سپر طاقت کے سامنے ڈٹ کر جس طرح نبھایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود امریکی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے روس سے ویت نام کی شکست کا بدلہ لے لیا۔ مگر کل کے دوست اور عظیم مجاہدین آج کے دہشت گرد ہیں۔ کیونکہ ہر بات کی تشریح کا اختیار امریکہ کے پاس ہے۔ اسے کشمیر، بوسنیا اور کوسووو میں انسانی حقوق متاثر ہوتے نظر نہیں آرہے۔ صرف بیانات دے کر مسلمانوں کی اجتماعی قبریں بنانے کے مواقع فراہم کررہا ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے (مطابق امریکی دوستی کے روپ میں مسلم دشمنی پوشیدہ ہے۔ وہ ہر قدم پر کوشش کرتے ہیں کہ پوری دنیا کے مسلمان اسلام کی بنیاد پر متحد ہوجائیں۔ اقوام متحدہ کو چھوڑ کر مسلمان اپنی الگ اقوام متحدہ بنائیں) جہاں بغیر کسی رنگ ونسل اور علاقائی تعصب کے مسائل حل ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان باہمی احترام اور رواداری کو فروغ ہو۔ دیگر قومیتوں سے عالمی سطح پر مسلمانوں کو جن مسائل سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ انہیں اس اجتماعی پلیٹ فارم سے حل کرایا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمانوں کی طاقت بتدریج ختم ہوتی چلی جائے گی۔ آنے والا ہر لمحہ ان کے خلاف ایک نیا جال لے کر آئے گا۔ مولانا شاہ احمد نورانی اپنے خیالات کا اظہار ہر سطح پر بیباکی سے کرنے کے ماہر ہیں۔ انہوں نے وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات میں دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا:۔

"سب کہتے ہیں کہ امریکہ ہمارا دوست ہے۔ لیکن وہ کیسا دوست ہے کہ ایف 16 طیاروں کی رقم دبا کر بیٹھا ہے۔ طیارے بھی نہیں دیتا ان کو ٹھہرانے کا کرایہ بھی ہم سے وصول کرتا ہے یہ کہاں کی دوستی اور کیسا انصاف ہے"

انہوں نے وزیر اعظم نواز شریف کو بتایا تھا کہ امریکہ کے جانچنے کے لئے اپنے پیمانے ہیں۔ جس میں بنیادی عنصر مذہب ہے روس کے ٹکڑے ہونے کے بعد اسے سوشلزم کی بجائے اسلام سے خطرہ ہے کیونکہ اب یورپ اور امریکہ میں اسلام تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور دوسری طرف عالم اسلام میں جہادی تحریکیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی جدوجہد امریکہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ کیونکہ نہ تو وہ جھکتے ہیں اور نہ ایجنٹ بن کر بکتے ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ ان کا سودا بازار مصطفیٰ میں ہو چکا ہے۔

Marfat.com

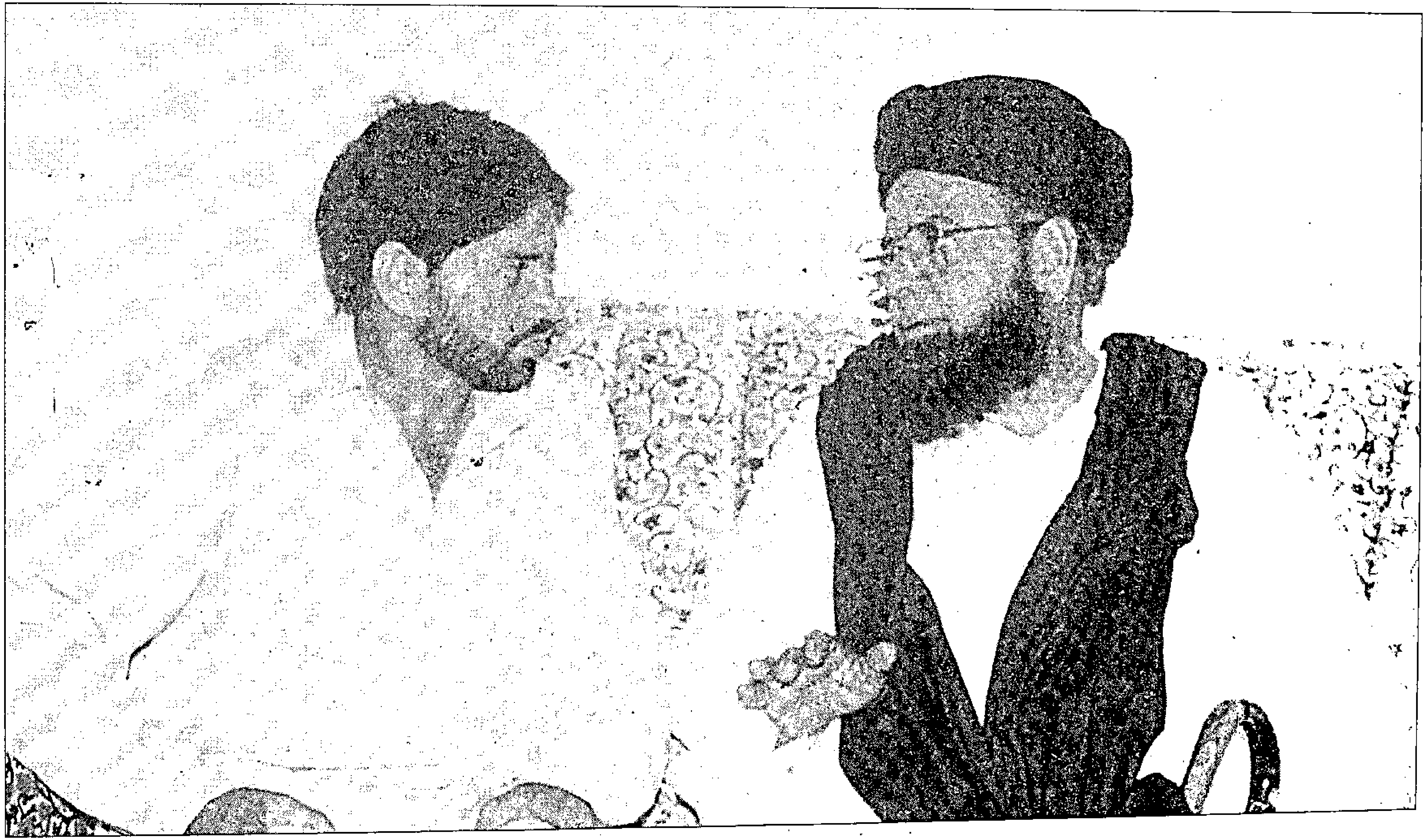

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی سے حفیظ قیصر گفتگو کرتے ہوئے۔

Marfat.com

حصہ دوم

تعمیر اور استحکامِ پاکستان میں
مولانا شاہ احمد نورانی
کا کردار

Marfat.com

تعمیر اور استحکام پاکستان کے لئے
مولانا نورانی کا کردار

پاکستان کی نظریاتی اساس جنرل یحییٰ کے دور حکومت میں انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ ہر ذی شعور شخص پریشان تھا کہ ملک کا کیا بنے گا۔ جمعیت علماء پاکستان اب تک ایک مذہبی تنظیم کی حیثیت سے اسی طرح کام کر رہی تھی جس طرح تخلیق پاکستان کی جدوجہد میں سنی کانفرنس کے نام سے علماء حق نے آل انڈیا مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کام کیا تھا۔ 28 مارچ 1948 سے 1970ء کے اوائل تک اکابرین جمعیت نے پاکستان کو دو قومی نظریے کے سانچے میں ڈھالنے کی توقعات پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ سے وابستہ رکھیں۔ مگر نوابزادہ لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد پاکستان میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے جس طرح سازشوں کے جال بچھائے گئے، ضابطوں کی دھجیاں بکھیری گئیں، وہ انتہائی افسوس ناک تھیں۔ پھر فیلڈ مارشل ایوب خاں نے جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہونے والے ملک میں مارشل لاء کا زہریلا پودا لگا کر ملک کو ایک نئی صورتحال سے دو چار کر دیا جس کے بطن سے جنرل یحییٰ اور ذوالفقار علی بھٹو پیدا ہوئے اقتدار کے اس کھیل میں ہوس پرستوں نے مسلم لیگ کو جس طرح اقتدار کی لونڈی بنا کر استعمال کیا اس کی وجہ سے دو قومی نظریہ جو اصل میں نفاذ اسلام تھا، اور پیچھے چلا گیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے جمعیت علماء پاکستان نے سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اب وقت آ گیا تھا کہ ملک کی نظریاتی اساس کو تحفظ دینے کے لئے براہ راست عملی سیاست میں جمعیت اپنا کردار ادا کرے۔

جونہی 1970 کے انتخابات کا اعلان ہوا تو جمعیت علماء پاکستان نے خاموشی کی پالیسی کو توڑا۔ کیونکہ انہوں نے ماضی کے تجربات سے سمجھ لیا تھا کہ مسجدوں اور خانقاہوں تک محدود رہ کر تبدیلی نظام کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ جمعیت علماء پاکستان کی قیادت نے بطور سیاسی جماعت ملکی سیاست میں اپنا کردار ادا کرنے کے فیصلہ کی توثیق کے لئے جمہوری

راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے براہ راست عوام کی تائید حاصل کرنے کی لئے ایک ملک گیر سطح کی کانفرنس بلائی ۔ اور یہ تاریخی فیصلہ عوام کے سامنے رکھا جس کی لوگوں نے بھر پور تائید کی۔ علماء حق نے مولانا نورانی کی خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کرنیکا فیصلہ کیا۔ اس لئے مولانا سے درخواست کی گئی کہ وہ اب پاکستان کو زیادہ سے زیادہ وقت دیں۔ کیونکہ قوم کو ان کی علمی اور فکری قیادت کی بے حد ضرورت ہے ۔ علماء محسوس کر رہے تھے کہ ان کی شخصیت جمعیت علماء پاکستان میں ایک نئی روح پھونک سکتی ہے۔

مولانا نورانی کی قد آور شخصیت کی وجہ سے علماء کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ افراد اس جماعت میں شامل ہو گئے ۔ اور ایک اچھی ٹیم بن گئی۔ انہوں نے اپنے عالمی دوروں کو مختصر کر دیا اور زیادہ وقت پاکستان کو دینے لگے۔ جہاں تک الیکشن میں حصہ لینے کا تعلق ہے اس سلسلے میں وہ مالی دشواریاں محسوس کر رہے تھے کیونکہ پاکستان کی سیاست میں دولت کے بل بوتے پر ہی لوگ آگے آتے رہے ہیں اور مولانا نورانی جیسی درویش مزاج شخصیت ''بینک بیلنس'' کے تصور سے ہی ناآشنا تھی۔ مگر بہتر معاونین اور پر خلوص جذبوں کی صداقت تھی کہ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود اپنے آپ کو قوم کی خدمت کے لئے پیش کر دیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز موچی دروازہ لاہور کے جلسہ عام سے کیا۔ جون 1970 میں منعقد ہونے والے اس جلسے میں مولانا کی تقریر نے ہی ثابت کر دیا کہ مولانا نورانی سیاسی فہم فراست اور اعلیٰ بصیرت کے ساتھ ساتھ سیاسی جلسوں سے خطاب کا انداز بھی خوب جانتے ہیں انہوں نے اپنے پُر اثر خطاب سے عوام کے دل موہ لئے۔

1970ء ہی پاکستان میں نظریاتی کشمکش کا اندوہناک باب ہے۔ اس سال سوشلزم جسے لادینی نظام کا نعرہ پاکستان میں بھر پور طریقہ پر لگایا گیا۔ بھاشانی اور ذوالفقار علی بھٹو اس نظام کے علمبرداروں کے قائد تھے 22 مارچ 1970ء کو ملک کے دونوں حصوں کے سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں نے ''کسان کانفرنس'' کے نام سے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ جس میں "ماریں گے مرجائیں گے سوشلزم لائیں گے" کا نعرہ بلند کیا گیا۔ اس کانفرنس کے مہمان خصوصی بھاشانی نے اپنے خطاب میں سوشلزم و کمیونزم کی یادگار کے طور پر ٹوبہ ٹیک سنگھ کو "لینن گراڈ" قرار دیا۔ اس دور میں کسی بھی سیاسی و مذہبی جماعت کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس کا جواب دے ۔ محافظ پاکستان مولانا شاہ احمد نورانی سیاست میں آچکے تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

لادینی نظریات کی یلغار کو روکنے کے لئے ٹوبہ ٹیک سنگھ کا میدان ہی منتخب کیا۔ جہاں 23،24 جون 1970ء کو جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں اعلان کیا گیا کہ ہم لینن مارکس کے لادینی و باطل نظام کو مسترد کرتے ہیں اور اس ملک میں نظام مصطفیٰ نافذ کیا جائے گا۔ اس کانفرنس میں یہ بھی اعلان کیا گیا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ آج سے ''دارالسلام'' ہو گا۔ پاکستان میں کسی لینن گراڈ کی گنجائش نہیں۔ اس کانفرنس کے مہمان خصوصی مولانا مفتی محمد فضل الرحمٰن مدنی مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے تاکہ بھاشانی اور اسلام سے برگشتہ دانشور جان لیں کہ پاکستان کے عوام کسی لادینی نظام کو قبول نہیں کریں گے۔ لادینیت کے مدمقابل اس تاریخ ساز کانفرنس میں مولانا نورانی نے نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے کارزار سیاست میں پہلی اینٹ رکھ دی اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعیت علماء پاکستان ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے الیکشن میں حصہ لے گی۔ 1970 میں جمعیت علماء پاکستان نے پاکستان میں نظام حکومت کی تبدیلی کے لئے ایک مشکل، صبر آزما اور طویل جدو جہد کا آغاز کر دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے سندھ پارلیمانی بورڈ کے سربراہ اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے رکن کی حیثیت سے ایسے امیدواروں کو ٹکٹ جاری کئے ۔ جن کا تعلق متوسط طبقہ سے تھا۔ اور وہ تعلیم یافتہ بھی تھے۔ مولانا نورانی کی عملی جدوجہد اور انتھک کوششوں سے سندھ کی سطح پر جمعیت علماء پاکستان ایک نو وارد جماعت ہونے کے باوجود ایک اہم پارلیمانی پارٹی بن کر ابھری۔ سندھ سے قومی اسمبلی کے لئے جمعیت کے تین ممبران مولانا شاہ احمد نورانی مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری اور مولانا محمد علی رضوی منتخب ہوئے جب کہ پنجاب سے قومی اسمبلی میں مولانا محمد ذاکر، نذیر سلطان، غلام حیدر بھروانہ اور محمد ابراہیم برق منتخب ہوئے تھے۔ مگر بدقسمتی سے پنجاب کے ممبران قومی اسمبلی میں صرف مولانا محمد ذاکر اپنی قیادت کے ساتھ رہے۔ بقیہ تینوں ممبران پیپلز پارٹی کے حاشیہ نشین بن گئے ۔ جبکہ سندھ کی صوبائی اسمبلی میں جمعیت کی سیٹوں کا تناسب پیپلز پارٹی کے بعد دوسرے نمبر پر رہا اور اسمبلی کے پورے عرصہ میں جمعیت کی طرف سے پروفیسر شاہ فرید الحق نے جرأت و استقامت کے ساتھ بحیثیت اپوزیشن لیڈر اپنے فرائض ادا کئے۔ الیکشن کے نتائج اگر چہ توقع کے مطابق نہیں تھے لیکن حوصلہ شکن بھی ہرگز نہ تھے۔ کیونکہ جمعیت علماء پاکستان نے عملی سیاست میں اسی سال قدم رکھا تھا۔ جب انتخابات ہو رہے تھے۔ جبکہ دیگر پارٹیاں کئی کئی سالوں سے اپنی انتخابی مہم چلائے ہوئے تھیں اور سرمایہ کی بہتات کی بنیاد پر اپنی

Marfat.com

پبلسٹی پر بے تحاشہ خرچ کر رہی تھیں۔ ابھی علاقائی سطح پر جمعیت علماء پاکستان منظم نہ ہوئی تھی اور نہ ہی اسے تربیت یافتہ کارکن دستیاب ہوئے تھے۔اس کے باوجود ووٹوں کے تناسب کے اعتبار سے جمعیت علماء پاکستان اہم ترین پارٹیوں کی صف میں آ کھڑی ہوئی۔اور مختصر عرصے کی انتخابی مہم میں سات نشستیں حاصل کر کے جہاں دیدہ اور تجربہ کار سیاستدانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔پیپلز پارٹی اپنے ظاہری دلکش نعروں اور مسٹر بھٹو کی طرف سے دکھائے گئے سبز باغوں کی وجہ سے مغربی پاکستان میں کامیاب پارٹی ٹھہری۔لیکن اکثر مقامات پر اس کا مقابلہ جمعیت علماء پاکستان کے نو آموز امیدواروں نے خوب کیا اور معمولی تناسب سے ہارے مولانا شاہ احمد نورانی اندرون شہر کراچی کے حلقے سے کامیاب ہوئے ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے سرمایہ دار امیدوار نے بُری طرح شکست کھائی۔اس طرح متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے مولانا نورانی چندماہ میں متحدہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں پہنچ گئے انہوں نے عوامی مقبولیت کے ساتھ ساتھ ایسا پر وقار مقام لوگوں کے دلوں میں پیدا کر لیا جو صرف محبّ وطن اور مخلص سیاستدانوں کے حصے میں آ سکتا ہے۔انہوں نے کس طریقے سے پاکستان کو مستحکم اسلامی جمہوریہ پاکستان بنایا اور کن کٹھن مراحل سے گزر کر آج تک اپنی سیاست کو عبادت بنائے ہوئے ہیں، اس کی تفصیل کتاب کے آئندہ حصے میں ملے گی۔

Marfat.com

باب 7۔

ٹوٹتا پاکستان اور مولانا نورانی

1970 ء کے الیکشن کے نتیجے میں پاکستان کے سیاسی افق پر جو نقشہ سامنے آیا وہ واضح طور پر دو پارٹی کی بنیاد فراہم کرتا تھا۔ لیکن اس منظر میں ایک خطرے کی گھنٹی کی واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی دو بڑی پارٹیاں بن کر سامنے آئیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کے مغربی پاکستان میں کوئی ووٹ نہیں تھے۔ اور اسی طرح پیپلز پارٹی کا مشرقی پاکستان میں ووٹ نہ تھا۔ ایسی صورت میں پل بنانے کا فرض ان چھوٹی جماعتوں کے حصہ میں آیا۔ جو سات آٹھ سیٹیں لے کے قومی اسمبلی میں داخل ہوئی تھیں۔ ان جماعتوں میں قابل ذکر نام جمعیت علماء پاکستان کا تھا۔ جس کی قومی اسمبلی میں سات نشستیں تھیں۔ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ووٹنگ کی شرح سے دوسرے نمبر پر تھی۔ جب کہ ممتاز دولتانہ کی کونسل مسلم لیگ، قیوم لیگ اور نیپ کے پاس سات سات نشستیں تھیں۔ ان جماعتوں کا جھکاؤ ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ شیخ مجیب الرحمٰن کی جانب تھا۔ اس بات کا برملا اظہار شیخ مجیب الرحمٰن نے ذوالفقار علی بھٹو سے اس وقت کیا تھا جب وہ الیکشن جیتنے کے فورا بعد مجیب الرحمٰن سے ملاقات کیلئے ڈھاکا گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مسٹر بھٹو پر یہ واضح کیا کہ مجھے مغربی پاکستان سے تین جماعتوں کی حمایت حاصل ہے جن میں جمعیت علماء پاکستان کونسل مسلم لیگ اور نیپ شامل ہیں۔ دولتانہ اور شیخ مجیب کے درمیان قربت کی وجہ ایوب خاں کی گول میز کانفرنس تھی۔ جس میں دونوں راہنما ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ اس کا ذکر خواجہ خیر الدین نے اپنے ایک انٹرویو میں بھی کیا ہے۔ اس تعلق کی بنیاد پر شیخ مجیب اور ممتاز دولتانہ مذاکرات لندن میں پہلے ہی ہو چکے تھے جسے بعد میں ''لندن پلان'' کا نام دیا گیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی جمہوری ذہن رکھنے والے سیاستدان ہیں۔ اس لئے انہوں نے جمہوری اصولوں کی روشنی میں 1970 کے انتخابات کے فورا بعد اقتدار شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کے

حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ وہ پاکستان کی اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے سامنے آئی تھی۔ اور پارلیمانی روایات کے تحت اقتدار اس پارٹی کو ہی منتقل ہونا چاہیے تھا۔ یہ صحیح ہے کہ صوبائی خودمختاری کے حوالے سے عوامی لیگ کے مطالبات بہت زیادہ تھے لیکن ان تمام معاملات پر شیخ مجیب الرحمٰن سے مصالحت ہوسکتی تھی۔ حقائق اور شواہد یہی بتاتے ہیں کہ الیکشن جیتنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کا رویہ مصالحانہ ہوگیا تھا۔ درحقیقت وہ پاکستان کو توڑنا نہیں بلکہ پاکستان کا وزیراعظم بننا چاہتے تھے۔ لیکن اقتدار منتقل کرنے کی اس وقت ذمہ داری فوج پر تھی۔ اقتدار جن کے حصے میں آیا فوج انہیں منتقل کرنے کے لئے نیک نیتی کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی۔ اس سلسلے میں بعض جنرلوں کا نام لیا جاتا ہے جنہوں نے عوامی لیگ کو اقتدار منتقل کرنے کی بھرپور مخالفت کی اس کا ذکر جی۔ ڈبلیو چوہدری نے اپنی کتاب LAST DAYS OF UNITED PAPKISTAN " میں بھی کیا ہے۔ یہ بات واضح کرتا چلوں کہ جی۔ ڈبلیو چوہدری یحییٰ خان کی کیبنٹ میں بطور وزیر تعلیم کام کرتے رہے ہیں۔ اور کابینہ میں اہم پوزیشن کے حامل تھے۔ وہ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ اور جنرل عمر کا نام واضح لکھتے ہوئے بالخصوص جنرل پیرزادہ کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

تاریخی پس منظر دیکھا جائے تو عوامی لیگ ''مسلم لیگ'' سے نکلے ہوئے ناراض افراد کی پارٹی تھی جس کے پہلے سربراہ حسین شہید سہروردی اور سیکریٹری مولانا عبدالستار خان نیازی تھے۔ اور اس کا ابتدائی نام بھی عوامی مسلم لیگ تھا۔ مولانا نیازی اور پیر مانکی شریف اس کو چھوڑ گئے تو یہ عوامی مسلم لیگ سے عوامی لیگ بن گئی اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو انتہا پسندانہ سوچ تک پہنچانے میں مغربی پاکستان کی بیوروکریسی اور بعض سیاستدانوں کا بہت عمل دخل تھا۔ اور بنگالیوں سے دوسرے درجے کا سلوک بھی اسی سوچ کا محرک بنا۔ مگر شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی کو اقتدار منتقل کر کے ''بنگلہ دیش'' کے قیام سے بچایا جا سکتا تھا اور پاکستان کی فوج بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنے سے محفوظ رہ سکتی تھی۔ لیکن صاحب اقتدار اور اس کے حاشیہ نشینوں نے مفاہمت کے تمام دروازے بند کر دیئے اور صرف علیحدگی کا راستہ کھلا چھوڑ دیا۔

یہ بات تو کسی حد تک صحیح ہے کہ 1970ء کے الیکشن منصفانہ ہوئے۔ لیکن جنرل یحییٰ خاں نے اقتدار کی منتقلی کے عمل میں تاخیر کر کے بنگلہ دیش کی علیحدگی کا جواز پیدا کر دیا۔

اس مشکل صورت حال میں مولانا شاہ احمد نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی گروپ کا لیڈر منتخب ہونے کے بعد ملک کے قابل ذکر سیاستدانوں سے گفت وشنید اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ تاکہ پاکستان کو اقتدار پرستوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچایا جا سکے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو قائل کرنے کی بے پناہ صلاحیت بخشی ہے۔ وہ سلجھے ہوئے سیاستدان ہیں۔ بلا وجہ کی ضد اور ہٹ دھرمی ان میں نہیں۔ لیکن اپنے ٹھوس اور واضح موقف پر مضبوطی سے جمے رہتے ہیں۔ مذاکرات سیاست کا اہم حصہ ہیں اور مولانا نے مذاکرات کو ہمیشہ اولیت دی ہے۔ اسی لئے جنوری 1971ء کے آخر میں مولانا نورانی اپنے رفقا کے ہمراہ ڈھاکا گئے اور وہاں 28، 29 جنوری کو شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کئے۔ اس وقت شیخ مجیب اسمبلی سیشن کیلئے بے تاب تھے اور علیحدگی کا کوئی تصور ان کی گفتگو سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وہ صدر جنرل یحییٰ کے رویے سے شاکی ضرور تھے۔ اور اقتدار کی منتقلی سے متعلق جنرل یحییٰ کے خلوص پر شیخ مجیب الرحمٰن کو شبہ تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے دوران مذاکرات مولانا کو آگاہ کیا کہ جنرل یحییٰ انہیں مسٹر بھٹو کو اقتدار میں شریک کرنے پر آمادہ کر رہا ہے۔ بلکہ شیخ مجیب الرحمٰن کے الفاظ میں ”یحییٰ خان کا ہم پر یہ دباؤ ہے کہ ہم بھٹو کو اقتدار میں شریک کر کے اسے نائب وزیراعظم یا وزیر خارجہ بنا دیں۔ تاکہ بقول یحییٰ خاں اقتدار میں توازن پیدا ہو سکے۔ یحییٰ خاں مجھے وزیراعظم کی حیثیت سے اقتدار نہیں سونپنا چاہتا اور وہ کسی قیمت پر اقتدار مجھے منتقل نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ جن لوگوں کا آلہ کار ہے وہ اسے یہ نہیں کرنے دیں گے“۔ جنرل یحییٰ کی یہ بھی خواہش تھی کہ وہ اسی طرح صدر پاکستان رہے شیخ مجیب الرحمٰن اس بات پر بھی آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن اس شرط پر کہ اسے انتظامی اختیارات حاصل نہیں ہوں گے اور یہ کہ جنرل یحییٰ خودمختار صدر رہنا چاہتے تھے۔

شیخ مجیب الرحمٰن اور دیگر سیاسی راہنماؤں سے ملاقات کے بعد فروری کے آخر میں مولانا شاہ احمد نورانی نے ایوان صدر کراچی میں اپنے وفد کے ہمراہ صدر جنرل یحییٰ خاں سے ملاقات کی۔ یہ مولانا شاہ احمد نورانی اور جنرل یحییٰ خاں کی پہلی ملاقات تھی۔ اس ملاقات میں جنرل یحییٰ خان کے خیالات سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن کو اقتدار منتقل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یا پھر اس شرط پر تیار تھے کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار میں شریک کرے۔ یحییٰ خان نے اپنی گفتگو کا آغاز ہی ان الفاظ میں کیا کہ:۔

Marfat.com

''ملکی حالات بہت خراب ہیں۔ مشرقی و مغربی پاکستان میں دونوں اکثریتی پارٹیاں مشترکہ طور پر مل بیٹھنے کو تیار ہو جائیں۔ تو ملک کے لئے بہتر ہو گا۔ ورنہ پاکستان کو بچانے کے لئے مجھے اور فوج کو اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا۔''

جس کے جواب میں مولانا نورانی نے برملا کہا:۔

''مسٹر پریذیڈنٹ اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ سارے ہی معاملات اسمبلی کے باہر طے ہو جائیں تو پھر اسمبلی کے لئے کیا باقی بچے گا؟ آئین پر افہام و تفہیم کے لئے اسمبلی میں بات ہونا ضروری ہے۔ اسمبلی سے باہر سیاسی مسائل پر گفتگو میں وقت ضائع ہو رہا ہے اور یہ اقدام جمہوری روایات کے سخت خلاف ہے''۔

اس پر جنرل یحییٰ کا استدلال یہ تھا کہ اس نے اس عرصے میں اسمبلی کا اجلاس اس لئے نہیں بلایا کہ وہ پر خلوص طریقہ سے پاکستان کو آئین دینے کے لئے کوشاں ہیں۔ جنرل یحییٰ کی اس کمزور دلیل کے جواب میں مولانا نورانی نے کہا:۔

''دستور بنانے کے لئے آپ نے ایک سو بیس دن کی مدت مقرر کی ہے۔ بجائے اس کے کہ اسمبلی کے تمام مسائل باہر طے ہوں۔ اس سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تمام سیاستدان اسمبلی میں جمع ہوں اور اپنے اپنے جوہر دکھائیں۔ اگر وہ لوگ دستور بنانے میں ناکام ہو جائیں گے تو عوام کو معلوم ہو جائے گا کہ سیاستدان آئینی معاملات میں مخلص نہیں۔ بلکہ فوجی حکومت برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مولانا نورانی نے مشورہ دیا کہ چونکہ قومی اسمبلی متحدہ پاکستان کا محترم ادارہ ہے۔ اور شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے سربراہ ہیں۔ اس لئے ان کو بھی اسمبلی میں آکر بات کرنے کا موقع دینا چاہئے اور تمام پارٹیوں کو اسمبلی میں مل بیٹھنا چاہئے۔ لیکن اگر مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار نہیں تو یہ بات نامناسب ہے۔ یہ جمہوری روایات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایک ملک میں اکثریتی پارٹی ایک ہی ہوتی ہے دو ممالک نہیں کہ دو اکثریتی پارٹیاں ہوں۔''

جنرل یحییٰ خاں کو خدشہ تھا کہ اسمبلی سیشن ہوا تو پیپلز پارٹی اس کا بائیکاٹ کرے گی۔ اور اس میں شرکت نہیں کرنے کی۔ اور اس صورتحال میں اسے اجلاس لازماً ملتوی کرنا پڑے گا۔ مولانا نورانی نے جنرل یحییٰ کے وضع کردہ ''لیگل فریم ورک'' آرڈر کا حوالہ دیا۔ جس کے مطابق صدر کو اجلاس بلا کر ملتوی کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر کچھ رکن اسمبلی اجلاس میں شریک

Marfat.com

نہیں ہونا چاہتے تو نہ ہوں۔ انہوں نے صدر یحییٰ کو بتایا کہ:۔

آپ کی ذمہ داری یہ نہیں کہ کسی کو مجبور کریں۔ آپ ہی نے قانون بنایا ہے کہ اسمبلی کا جو رکن دس دن کے اندر اندر حلف نہیں اٹھائے گا اس کی رکنیت ختم کر دی جائے گی۔ جب یہ قانون موجود ہے تو پھر فکر کی کیا بات ہے؟

جنرل یحییٰ نے جواباً کہا:۔

نہیں جناب مجھے دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ اس لئے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں بڑا ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے۔

مولانا نورانی نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ:۔

آپ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ ان ضابطوں کو حرکت میں لایئے جو آپ نے بنائے ہیں اور اگر مغربی پاکستان کے تمام ممبران اسمبلی متفقہ طور پر اسمبلی سے بائیکاٹ کا فیصلہ کرلیں گے۔ تو مشرقی پاکستان کے عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مغربی پاکستان کے عوام کو ان کی اکثریت گوارا نہیں ہے اور ارباب اقتدار مشرقی پاکستان والوں کو شریک اقتدار نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے ہر ایسی تحریک کو جس میں ذرہ برابر بھی کسی امتیاز کا شائبہ ہو تقویت پہنچانا اور ایسے جذبے کی ہمت افزائی کرنا درست نہیں۔ لہذا وقت مقررہ کے مطابق اسمبلی کا اجلاس ہونا چاہئے کورم ہر حال میں پورا ہوگا۔

لیکن یحییٰ خاں اپنی ضد پر اڑے رہے اور کہا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ مغربی پاکستان کے اراکین اسمبلی کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ مولانا نورانی بار بار یہی مشورہ دیتے رہے کہ اجلاس کسی صورت میں ملتوی نہیں کرنا چاہیے۔ جنرل یحییٰ نے مولانا سے پوچھا: "کیا آپ کی جماعت اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہو گی؟"

مولانا نے دوٹوک جواب دیا کہ بالکل شریک ہو گی۔ اس تعمیری اور مثبت سوچ کی حوصلہ افزائی کی بجائے جنرل یحییٰ نے یہ ریمارکس دیئے۔ کہ بہتر تو یہی ہے کہ شرکت نہ کی جائے کیونکہ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی شریک نہیں ہو گی۔ اور کیا آپ ان لوگوں کی دھمکیاں نہیں سن رہے؟ کہیں خون خرابہ نہ ہو جائے جنرل یحییٰ کے ان الفاظ سے پیپلز پارٹی کی طرف ان کا جھکاؤ واضح نظر آ رہا تھا۔ وہ صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوتے ہوئے مختلف جماعتوں کو اجلاس کے بائیکاٹ کی ترغیب دے رہے تھے یا دوسرے الفاظ میں دیگر آئینی

Marfat.com

حربے استعمال کر کے منتخب شدہ اسمبلی کے باضابطہ اجلاس کو ناکام بنانے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔

جنرل یحیٰ کے منصوبے سے آگاہی کے بعد مولانا نے پوچھا کہ اگر آپ کا ارادہ یہی ہے کہ مغربی پاکستان کے اراکین شامل نہ ہوں تو پھر تین مارچ کے سیشن میں شرکت کے لئے آپ نے "سمن" کیوں جاری کرائے تھے اگر وہ سمن جاری کر دیئے گئے تھے اور بعد میں یہ معلوم ہوا تھا کہ کچھ اراکین شریک نہ ہوں گے۔ تو سمن واپس لے لئے جاتے۔ یا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی شریک نہ ہو تو سمن واپس لے لیجئے۔ جنرل یحیٰ نے اس پر آمادگی ظاہر نہ کی تو مولانا نے برملا کہا:۔

"ہمیں چونکہ اسمبلی کے اجلاس کے سمن مل چکے ہیں۔ لہذا ہم شرکت کے لئے ضرور ڈھاکا جائیں گے۔ ہر پارٹی اپنا فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔ عوام کے منتخب نمائندے چونکہ عوام کی طرف سے اسمبلی میں جانے کے لئے چنے گئے ہیں بائیکاٹ کرنے کیلئے نہیں اس لئے ہم ڈھاکا جانے پر مجبور ہیں"۔

جنرل یحیٰ کے پاس مولانا نورانی کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لئے وہ خاموش ہو گیا۔ مولانا نورانی نے جنرل یحیٰ کو مخاطب کر کے کہا: "مسٹر پریذیڈنٹ! آپ کو معلوم ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام میں شدت جذبات سے بڑا خطرناک لاوا پک چکا ہے۔ جو اب کسی بھی وقت پھوٹ سکتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ لاوے کو پکانے میں کن لوگوں کا حصہ ہے اس کے پھوٹنے کا صحیح وقت وہ ہو گا جب آپ 3 مارچ کے اجلاس کو ملتوی کرنے کا اعلان کر دیں گے۔

مسٹر پریذیڈنٹ۔ کیا آپ کے علم میں وہاں کی صحیح صورت حال لائی گئی ہے؟" جنرل یحیٰ خاں صورتحال سے مطمئن تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں فوجیں موجود ہیں اور حالات پر مکمل کنٹرول ہے۔ جنرل یحیٰ نے بڑے اطمینان سے کہا: "میں اس لاوے کو پھوٹنے نہیں دوں گا۔" جنرل یحیٰ خاں فوجی ایکشن کا فیصلہ کر چکے تھے اور ان کے نزدیک صورتحال کا صرف یہی حل تھا۔

مولانا نورانی نے مزید دباؤ ڈالتے ہوئے ماضی کے حوالے سے یاد دلایا کہ ایوب خاں کے دور 1966 میں فوج بلوچستان میں بگٹی اور مینگل قبائل سے کئی ماہ برسرِ پیکار رہی تھی اور

ان دونوں قبائل کیخلاف ہوائی جہاز تک استعمال کیئے گئے لیکن ناکامی ہوئی۔ محل وقوع کے اعتبار سے بلوچستان میں پہاڑیاں تھیں تو مشرقی پاکستان میں جنگلات ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں گوریلا جنگ کے لئے بہترین ہیں۔ اگرہم یہاں قریب ترین ہونے کے باوجود اور جملہ وسائل کو بروئے کار لاکر بھی معافی مانگ کر ہٹ سکتے ہیں۔ تو کیا وہاں ایسی پوزیشن نہیں آ سکتی؟

جنرل یحیٰ مولانا نورانی کے اس منطقی استدلال کا واضح جواب نہ پا کر غصے میں آ گئے اورناگواری سے بولے۔ کسی قسم کی معافی نہیں مانگی گئی تھی۔

مولانا نورانی نے وضاحت کی۔ آرمی ایکشن ختم کردینا سرداریاں بحال کر دینا، معافی مانگنے ہی کے مترادف ہے۔

جنرل یحیٰ کسی طرح بھی حالات کی سنگینی کوتسلیم کرنے پر تیار نہ تھا اور اس کا جواب تھا۔ ''اب وہ وقت گزر چکا ہے۔''

مولانا نے جنرل یحیٰ کو پھر غور وفکر کی دعوت دی اور کہا کہ خوب غور کر لیجئے کہ ہم ترقی یافتہ ممالک کی صف میں نہیں بلکہ ترقی پزیر ملک ہیں ترقی یافتہ ملک امریکہ بھی ویت نام میں کمبل کو چھوڑنا چاہتا ہے مگر کمبل اسے نہیں چھوڑ رہا۔ مولانا نے فوجی کاروائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان کے مشرقی خطے کے مسلمانوں کے خلاف بغیر کسی معقول سبب کے فوجی کاروائی کرنے کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے۔ اس سے بھارت کے لئے بڑی سازگار فضا پیدا ہو جائے گی کہ وہ مشرقی پاکستان کی طرف لپک پڑے اور اس طرح مشرقی پاکستان کے چھ کروڑ مسلمان بھارت کے طوق غلامی کا شکار ہو جائیں گے۔

مگر جنرل یحیٰ مستقبل کی صورتحال کا صحیح تجزیہ کرنے کی صلاحیت کھو چکے تھے۔ انہوں نے آمریت بھرے جواب میں کہا: ''اس قسم کے تمام اندیشے بے سود ہیں اور ہماری فوجیں ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ ہم حالات کوخوب سمجھ چکے ہیں۔ جنرل یحیٰ کی گفتگو سے یہ بات عیاں ہو رہی تھی کہ یا تو وہ حالات کی سنگینی سے واقف نہیں تھے۔ یا پھر خود فریبی کا شکار تھے۔ اور وہ ہر قیمت پر اقتدار سے چمٹا رہنا چاہتا تھے۔ کوئی صحیح رائے اور مشورہ ان کا ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔

ان ہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو گول باغ لاہور میں جلسہ عام سے خطاب کرنے والے

Marfat.com

تھے۔ جنرل یحییٰ خاں بھٹو کے بیان کی روشنی میں ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے بالآخر مولانا نورانی کو واضح طور پر کہہ دیا کہ:۔

''میں گول باغ لاہور میں بھٹو کی تقریر کا منتظر ہوں۔ اس کے بعد اجلاس کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کروں گا۔ میرے پاس دو ٹکٹ ہیں ایک ڈھاکے کا اور دوسرا اسلام آباد کا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ میں اسلام آباد کا ٹکٹ استعمال کروں گا۔ کیونکہ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کی شرکت کے بغیر اسمبلی کے انعقاد کا جواز نہیں ہے۔ اس ملاقات میں یہ بات واضح ہو گئی کہ جنرل یحییٰ شیخ مجیب الرحمٰن کو اقتدار کس لئے منتقل نہیں کرنا چاہتا تھے۔''

شیخ مجیب الرحمٰن یحییٰ کو با اختیار صدر نہیں بنانا چاہتے تھا۔ جنرل یحییٰ نے مولانا نورانی سے کہا: ''مجیب الرحمٰن کا کہنا ہے کہ آپ صدر رہیں۔ آپ کی صدارت پر ہمیں اعتراض نہیں۔'' مگر میں وی دی گری (اس وقت کے بھارتی صدر) جیسا صدر کیوں بنوں؟ جب کہ ایک اور ملاقات میں اسی موضوع پر سردار شوکت حیات سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں ملکہ الزبتھ بننا پسند نہیں کروں گا۔

Marfat.com

جنرل یحییٰ خاں ذوالفقار علی بھٹو کے جس بیان کے منتظر تھے۔ اس میں بھٹو نے واضح مطالبہ کیا کہ:۔

''یحییٰ خاں قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دو۔ ہم اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے۔ مجیب پہلے ہم سے سمجھوتہ کرے'' بھٹو نے دھمکی دیتے ہوئے کہا:

''موجودہ حالات میں اگر قومی اسمبلی کا کوئی ممبر ڈھاکے گیا تو ہم اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے''۔

جنرل یحییٰ نے بھٹو کے مشورہ پر عمل کیا اور یکم مارچ کی اپنی نشری تقریر میں بغیر اکثریتی پارٹی سے مشورہ کیئے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح پوری قوم پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ جنرل یحییٰ خاں اور بھٹو کے درمیان قریبی رابطہ تھا۔ اور بھٹو کی پالیسیوں پر ہی یحییٰ خاں عمل پیرا ہیں۔ بھٹو جس لہجے میں بات کر رہے تھے اس سے ان کے ارادے ظاہر ہو تے تھے۔ لیکن مولانا شاہ احمد نورانی اور دیگر قومی جماعتوں کے ممبران نے ڈھاکے جانے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ شیخ مجیب الرحمٰن سے براہ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کا راستہ تلاش کیا جائے اور ملک کی اکثریتی پارٹی کے لیڈر کو اس بات کی یقین دہانی کرائی جائے کہ مغربی پاکستان

کے باشعور سیاسی راہنما جمہوری اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اکثریتی پارٹی کو اقتدار منتقل کرنے کے حامی ہیں۔ مسٹر بھٹو کی دھمکی کے بعد ڈھاکے جانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ بھٹو پر واضح کر دیا جائے کہ مقتدر سیاسی راہنما پی پی کی پالیسیوں پر عمل درآمد کے پابند نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی قسم کی دھمکیوں سے مرعوب ہوتے ہیں۔

جنرل یحییٰ خاں کی طرف سے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہونے کے اعلان کے دوسرے روز 2 مارچ کو مولانا نورانی ڈھاکا روانہ ہو گئے اور 23 مارچ تک وہاں قیام پذیر رہے۔ انہی ایام میں سردار شوکت حیات، خاں عبدالولی خاں، میاں ممتاز دولتانہ بھی ڈھاکا پہنچ گئے۔ مذکورہ بالا قومی راہنماؤں کے ہمراہ مولانا نورانی نے شیخ مجیب الرحمٰن سے متعدد ملاقاتیں کیں۔ جی ڈبلیو چوہدری ان سنگین لمحات کے بارے میں اپنی کتاب "LAST DAYS OF UNITED PAKISTAN " میں مزید لکھتے ہیں کہ جس وقت یحییٰ خاں نے اسمبلی کا اجلاس مقررہ تاریخ پر منعقد نہ کرنے کی بجائے ختم کرنے کا اعلان کیا اور اس میں نئی تاریخ کا تعین بھی نہ تھا، اس اعلان کو سنتے ہی مشرقی پاکستان کی قیادت میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ اس پر شیخ مجیب الرحمٰن نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ میں (جی ڈبلیو چوہدری) نے یحییٰ خاں کو مشرقی پاکستان روانگی سے قبل اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ قوم سے مختصر خطاب کر کے اسمبلی کے اجلاس کی نئی تاریخ کا اعلان کر دیں۔ یحییٰ خاں نے کہا کہ وہ مشرقی پاکستان جانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اس دوران جی۔ڈبلیو چوہدری انہیں مختصر تقریر لکھ کر ایئر پورٹ پہنچا دیں۔ یہ تمام باتیں جنرل ایس جی ایم پیرزادہ تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ کچھ ہی دیر بعد جی۔ڈبلیو چوہدری کے پاس آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ تقریر انہیں دے دیں۔ طاقتور جنرل کے سامنے جی۔ڈبلیو چوہدری بے بس ہو کر تقریر ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ تقریر یحییٰ خاں تک نہیں پہنچائی جاتی۔ یحییٰ خاں تقریر نہیں کرتے اور ڈھاکا چلے جاتے ہیں''۔

خان عبدالولی خاں نے جسٹس حمودالرحمٰن کمیشن کے سامنے اپنے بیان میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی، شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کرنے اور عوامی لیگ کو اقتدار منتقل کرنے کے موقف کے حامی تھے۔ لیکن جنرل یحییٰ شراب نوشی میں اس قدر مدہوش تھا کہ اسے اہم ملکی معاملات اور اقتدار کی منتقلی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مولانا نورانی کے ڈھاکا میں قیام کے دوران جنرل یحییٰ نے انہیں ملاقات کے لئے ایوان صدر ڈھاکا بلایا۔ مولانا نورانی

وہاں پہنچے تو جنرل یحییٰ تین چار آدمیوں کے ساتھ (جو بظاہر فوجی دکھائی دیتے تھے) بیٹھا تھا۔ جنرل شراب پی رہا تھا اور اس کے منہ سے بدبو آ رہی تھی۔ مولانا نورانی نے جاتے ہی پوچھا:

''مسٹر پریذیڈنٹ آپ نے کس لئے یاد کیا؟''

یحییٰ خان مدہوشی کے عالم میں بولا:۔

''آپ کو معلوم ہے کہ حالات بہت نازک ہو گئے ہیں۔'' جنرل کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ملکی معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے وہ صرف خانہ پری کے لئے قومی راہنماؤں سے مذاکرات کا ڈھونگ رچا رہا تھا۔

مولانا نورانی نے اس کی مے نوشی پر سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا:۔

''حالات کی نزاکت کا اگر آپ کو احساس ہے تو یہ آپ کیا پی رہے ہیں؟ اس کو ہٹائیے۔ ملک شدید قسم کے سیاسی بحران سے گزر رہا ہے اور آپ مے نوشی کی محفلوں میں سیاسی معاملات پر بات کرتے ہیں۔اس شراب کو ہٹائیے ورنہ ہم جاتے ہیں''۔

اور یہ کہہ کر مولانا کھڑے ہو گئے۔ جنرل یحییٰ کھسیانا ہو گیا۔ گلاس اور بوتل ہٹوا کر بولا: ''تشریف رکھئے''۔

Marfat.com

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے جنرل نے کہا: ''مجیب الرحمٰن نے دو اسمبلیوں کا مطالبہ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی مجیب سے اس موضوع پر بات کریں۔'' مولانا نے جواب میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی سالمیت کے لئے ہم بہر حال مجیب سے بات کریں گے۔ مولانا نورانی نے شیخ مجیب سے فوری طور پر رابطہ قائم کر کے تفصیلی مذاکرات کئے۔ جنرل یحییٰ نے مشورے کے لئے مولانا نورانی کو پھر اسی شام ایوان صدر مدعو کیا۔ اب مولانا نورانی کے علاوہ میاں ممتاز دولتانہ، سردار شوکت حیات، مفتی محمود اور خان عبدالولی خان بھی ان مذاکرات میں شریک تھے۔ جنرل یحییٰ نے مولانا نورانی سے مخاطب ہو کر پوچھا: ''شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کیسی رہی۔'' مولانا نورانی نے دوٹوک جواب دیا:

''مسٹر پریذیڈنٹ اقتدار کی منتقلی کا فوری بندوبست کیجئے۔ ورنہ ملک ٹوٹ جائے گا۔ہم نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اسمبلی کا سیشن ملتوی نہ کیجئے۔'' اس پر جنرل یحییٰ نے پوچھا کہ میں کون سے قاعدے اور قانون کے تحت اقتدار منتقل کر سکتا ہوں۔ مولانا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: ''ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو کون سے قاعدے اور قانون کے تحت

اقتدار منتقل ہوا تھا؟ جب کہ 1969 کے بعد اسمبلی کو منتقل ہونا چاہئے تھا۔'' اسی دوران جنرل پیر زادہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''صدر صحیح کہتے ہیں اقتدار کیسے منتقل ہو سکتا ہے''

مولانا نورانی اس وقت تک جنرل پیر زادہ سے متعارف نہیں تھے۔ مولانا جنرل پیرزادہ سے مخاطب ہو کر بولے: ''آپ کو ہماری اور صدر کی گفتگو میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔ آپ کون صاحب ہیں؟ ہم آپ کو نہیں جانتے۔ آپ خاموش رہیں اور صدر سے بات کرنے دیں۔''

جنرل یحییٰ نے گفتگو کا سلسلہ پھر سے شروع کرتے ہوئے کہا:

''صدر ایوب سپریم کمانڈر تھے اس لئے انہوں نے مجھے نامزد کیا تھا''۔

مولانا نے تاریخی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا:۔

''صدر ایوب کو اپنے بنائے ہوئے آئین کی دھجیاں بکھیرنے کا حق نہ تھا اور نہ یہ حق آپ کو ہے''۔

جنرل یحییٰ نے شکوہ کیا کہ مجیب الرحمٰن اب اقتدار کی نہیں دو اسمبلیوں کی بات کرتا ہے۔ ''لیکن مجھ سے انہوں نے کہا ہے کہ صدر یحییٰ جھوٹ بولتا ہے''۔ مولانا نے شیخ مجیب الرحمٰن کے الفاظ دہرائے۔

''مجیب الرحمٰن بکتا ہے سالہ جھوٹا ہے''۔ جنرل یحییٰ نے شدید غصہ میں کہا۔

''مسٹر پریذیڈنٹ! اگر آپ کے بقول وہ جھوٹا ہے اور اس کے بقول آپ جھوٹے ہیں تو سچائی کو پرکھنے کا ایک طریقہ ہے کہ ہم سب لوگ یہیں موجود ہیں اور مشرقی پاکستان کے ممبران بھی۔ آپ کل صبح دس بجے سب کی گول میز کانفرنس بلائیں معلوم ہو جائے گا کہ مجیب الرحمٰن کیا چاہتا ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں۔ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ مولانا نے نہایت معقول تجویز پیش کر دی۔

''میں گول میز کانفرنس نہیں بلاؤں گا''۔ جنرل یحییٰ مزید غصے میں آ گئے۔

مولانا نے بھی اسی طرح غصے میں جواب دیا: ''مسٹر صدر! آپ مؤذن نہیں ہیں کہ حی علی الصلوٰۃ کہا اور نماز ہو گئی؟''

جنرل یحییٰ نے سیاسی مفاہمت کی اہمیت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ

Marfat.com

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ فوج کو حکم دوں کہ وہ اپنا کام شروع کرے۔

''یہ بڑا خطرناک فیصلہ ہو گا مسٹر پریذیڈنٹ''۔ مولانا نے غلط فیصلے کے بھیانک اثرات سے آگاہ کیا۔ مذاکرات میں شریک دیگر تمام راہنماؤں نے مولانا نورانی کے اس موقف کی تائید کی اور جنرل یحییٰ کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے لئے کہا۔

''بہر حال میں فیصلہ کر چکا ہوں'' جنرل یحییٰ نے بالآخر اپنا راز اگل دیا اور بات سامنے آ گئی کہ سیاسی مذاکرات محض ایک کھیل تھے۔ جنرل یحییٰ اقتدار کی منتقلی میں بالکل مخلص نہیں تھا اور مولانا نورانی سے گفتگو میں اس کا باطن ظاہر ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ فوجی حکمرانوں نے شروع سے ہی یہی موقف اختیار کر رکھا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو اقتدار نہیں دیا جائے گا۔ ڈھاکا کی ایک ضیافت میں جنرل یحییٰ کے ایک معتمد جنرل نے کہا تھا۔ ''ہم ان کالے حرامیوں (بنگالیوں) کو اپنے اوپر حکومت نہیں کرنے دیں گے''۔ ان باتوں سے واضح پتا چلتا تھا کہ جنرل یحییٰ اور اس کے حواریوں کے عزائم شروع ہی سے کیا تھے۔ دوسری طرف مجیب الرحمٰن کی باتیں شروع ہی سے حوصلہ افزا تھیں۔ اس نے 30 دسمبر کو ڈھاکا کے بہت بڑے اجتماع میں اعلان کیا تھا کہ اسمبلی میں اکثریت رکھنے کے باوجود میں یہ نہیں کہتا کہ دستور سازی کے مرحلے میں ہمیں مغربی پاکستان کے تعاون کی ضرورت نہیں۔ ہمیں یقیناً ان کا تعاون چاہئے۔

جہاں تک شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا تعلق ہے تو اس کے متعلق جنرل یحییٰ شیخ مجیب الرحمٰن سے تفصیلی مذاکرات کر چکا تھا۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک ایک نکتے کی وضاحت کی تو جنرل یحییٰ نے کہا: ''میرے لئے آپ کے چھ نکات قابل قبول ہیں۔ مگر مغربی پاکستان میں ان کیخلاف شدید ردعمل پایا جاتا ہے آپ کو چاہئے کہ وہاں کے لوگوں کو بھی ساتھ لے کر چلیں''۔ اگر مجیب الرحمٰن کے چھ نکات واقعی ملک دشمنی پر مبنی تھے تو پھر یحییٰ نے انہیں تسلیم کیسے کیا اور پھر مجیب الرحمٰن کو یہ تاثر دینا کہ مغربی پاکستان والے نہیں مانتے، اس سے کیا مجیب الرحمٰن کو یہ احساس دلانا مقصود تھا کہ مغربی پاکستان والے اسے اپنا لیڈر تسلیم نہیں کرتے۔ اس مرحلے پر یہ بتانا ضروری ہے کہ چھ نکات کو شدومد کے ساتھ بیان کرنے کا حوصلہ مارشل لاء انتظامیہ کی طرف سے ہی دیا گیا تھا۔

اس کا اظہار جنرل راؤ فرمان علی نے اپنی یادداشتوں میں یوں کیا۔'' جب اس نے

Marfat.com

ایک اعلیٰ فوجی افسر سے پوچھا کہ عوامی لیگ کو کس حد تک جانے کی اجازت دی جائے تو اس افسر نے اس کا جواب یوں دیا کہ ہم تو ''سندھو دیش'' کے حق میں بھی پروپیگنڈے کی اجازت دے رہے ہیں''۔

دراصل صدر یحییٰ نے چھ نکات کے بارے میں مغربی پاکستان کے لیڈروں کی طرف سے اعتراض کا بہانہ اس لئے بنایا تھا کہ مجیب الرحمٰن نے یحییٰ خاں کو بدستور صدر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور شیخ مجیب کا یہ موقف بجا تھا کہ جب وہ عوام کے ووٹوں کا اعتماد حاصل کر چکا تھا تو پھر مارشل لاء کی چھتری سر پر رہنے کی کیا منطق تھی۔ یحییٰ خاں کو چھ نکات پر اعتراض نہ تھا۔ اصل بات صدارت کی تھی۔ لیکن شیخ مجیب الرحمٰن نے واضح انکار کر دیا۔ اس لئے 14 جنوری کو صدر یحییٰ جب ڈھاکا سے روانہ ہوا تو وہ افسردہ نظر آ رہا تھا۔ اس سے صحافیوں نے سوالات پوچھنے چاہے تو اس نے کہا مجھ سے سوالات کرنے کی بجائے شیخ مجیب سے پوچھو وہ ملک کے آئندہ وزیراعظم ہیں۔ لیکن مغربی پاکستان جا کر یحییٰ خاں کا لہجہ یکدم بدل گیا اور مارچ میں مولانا نورانی سے اپنی گفتگو میں جس فوجی مداخلت کا ذکر کیا تھا۔ وہی فیصلہ سنا دیا۔

جہاں تک سیاسی افہام و تفہیم اور صورتحال میں بہتری کی سلسلے میں عوامی لیگ کے رویے کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں اس دور کے شعبہ تعلقات عامہ کے ایک اہم ذمہ دار کرنل صدیق سالک کی روایت کے مطابق:۔

''عوامی لیگ کے حلقوں نے انہیں بتایا کہ مسٹر بھٹو نے عوامی لیگ کے سارے مطالبات مان لئے تھے۔ مگر انہوں نے ان کے لئے مغربی پاکستان کی رائے عامہ ہموار کرنے اور دوسرے سیاستدانوں سے بات چیت کرنے کے لئے وقت مانگا تھا۔ اور عوامی لیگ نے انہیں وقت دینے پر رضا مندی بھی ظاہر کر دی تھی۔''

گویا چھ نکات کے متعلق شیخ مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو دونوں متفق تھے۔ لیکن جب مغربی پاکستان کی رائے عامہ کی بات کی جاتی تھی تو اس سے بنگالیوں میں یہ تاثر تقویت پکڑ جاتا تھا کہ مغربی پاکستان والے بنگالی وزیراعظم کو قبول نہیں کرتے۔

ان حالات میں مارشل لاء انتظامیہ کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ اسمبلی کا اجلاس طلب کرتی اور دیگر تمام معاملات اسمبلی پر چھوڑ دیئے جاتے۔ لیکن مارشل لاء انتظامیہ نے خواہ مخواہ سیاسی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی جس کا انہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔ کرنل صدیق سالک

Marfat.com

اپنی کتاب ''میں نے ڈھاکا ڈوبتے دیکھا'' میں لکھتے ہیں :۔

''ایک دفعہ لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خاں نے انہیں بتایا کہ ہم فوجی آدمی ہیں ہمیں سپاہ گری کی تربیت دی گئی ہے سیاست کی نہیں۔ اس لئے انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ انہیں جنگی منصوبہ بندی کے متعلق تو علم ہے لیکن سیاسی امور کیسے طے کئے جاتے ہیں ان کے متعلق علم نہیں''۔

اگر حقائق کا غیر جانبداری سے تجزیہ کیا جائے تو یہ سچ سامنے آتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ خلوص دل سے مذاکرات نہیں کئے گئے۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھی گئی کہ انہیں جنرل یحیٰی خاں کس حد تک قبول ہے۔ وگرنہ چھ نکات پر سنجیدگی سے گفتگو کی جاتی تو یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ جس پر مفاہمت ممکن نہ ہوتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیشہ مجیب سے براہ راست گفتگو کرنے سے اجتناب کیا گیا۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی خاں اپنی یاد داشتوں میں مجیب الرحمٰن کے موقف، مصالحانہ رویّے اور مفاہمانہ جذبے کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ مارشل لاء انتظامیہ کی شیخ مجیب الرحمٰن سے برتی گئی بے اعتنائی کا منظر بھی اردو ڈائجسٹ میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''میں الیکشن کے بعد حالات کا تجزیہ کر کے ایڈمرل احسن کے پاس گیا اور ان سے کہا اب نئے حالات ہیں شیخ مجیب الرحمٰن سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اس ضمن میں آپ کو بہترین آدمی تصور کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس مخمصے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ بہتر یہ ہے کہ صدر یحیٰی سے براہ راست گفتگو کریں''۔ ان کا جواب سن کر میں نے جنرل یعقوب خان سے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگے میں تو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوں۔ میرا سیاسی لیڈروں سے کیا کام۔ میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو اس میدان میں، میں ہی کچھ پہل کروں۔ جونیئر افسر ہونے کی حیثیت سے آپ پر کوئی حرف بھی نہ آئے گا۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔

مجتبیٰ حسن شیخ مجیب کے قریبی دوست اور میرے شناسا تھے ان سے کہا کہ ہم دونوں کو اپنے گھر چائے پر مدعو کر لو۔ انہوں نے بلا لیا۔ شیخ صاحب نے ملتے ہی شکایت کی کہ جنرل صاحب آپ نے تو ہماری حد سے زیادہ مخالفت کی۔ میں نے جواب میں کہا مخالفت نہیں۔ بلکہ امداد کرنا چاہی تھی۔ مگر کچھ بھی کامیابی نہ ہوئی۔ شیخ مجیب بولے آپ تو ہمیں ہرا دینا چاہتے تھے۔

Marfat.com

میں نے کہا ہماری کوشش یہ تھی کہ آپ کو اتنے ووٹ نہ ملیں کہ آپ ان کے غلام ہو جائیں۔ اب آپ ایک آزاد قائد کی حیثیت سے کام نہ کر سکیں گے۔ اس نے آپ کی شخصیت اور قیادت کو اسیر بنادیا ہے اور یہ آپ سے دشمنی ہوئی ہے۔ شیخ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا دلیل تو اچھی ہے مگر آپ کا طرزِ عمل اچھا نہیں تھا۔ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد میں نے چھ نکات کا ذکر چھیڑ دیا کہ ان میں بعض باتیں بڑی ہی خطرناک ہیں۔ میں نے کہا کہ دو پوائنٹ انتہائی قابل اعتراض ہیں۔

پہلا نکتہ یہ کہ دونوں کی علیحدہ علیحدہ کرنسی اور علیحدہ علیحدہ اسٹیٹ بنک ہوں گے۔

مجیب نے استدلال کا رنگ اختیار کرتے ہوئے کہا:۔

دو کرنسیوں اور دو اسٹیٹ بنکوں میں کیا قباحت ہے۔ انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ ایک ملک ہی تو ہیں مگر ان کی کرنسی اور اسٹیٹ بنک جدا جدا ہیں۔

میں نے جواب دیا: اس ملک کی تاریخ ہمارے ملک کی تاریخ سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

میرے دلائل سننے کے بعد شیخ مجیب صاحب نے کہا کہ آپ اس مسئلے پر بہت زیادہ تشویش کا اظہار نہ کریں۔ ہم نے پہلے ہی ایک کرنسی کی بات مان لی ہے اور اپنے چھ نکات میں ترمیم بھی کر دیں گے۔ اب ہماری گفتگو کا رخ دوسرے قابل اعتراض نکتے کی طرف ہو گیا۔ جس کی رو سے صوبوں کو غیر ممالک سے تجارت کرنے کی آزادی بخشی گئی تھی۔ میں نے کہا:۔

اگر بیرونی تجارت صوبوں کے کنٹرول میں دے دی گئی تو اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ مشرقی پاکستان کی تجارت چین کے ساتھ ہو رہی ہے۔ بلوچستان روس سے تجارتی معاہدے کر رہا ہے، پنجاب نے امریکہ سے تجارتی معاہدے کر لئے ہیں اور صوبہ سرحد ایران سے تجارت کو فروغ دے رہا ہے۔ اس طرح مرکزیت ختم ہوجائے گی اور ان گنت مشکلات پیش آئیں گی۔ شیخ مجیب نے جواب دیا۔ تجارتی معاہدے خارجہ پالیسی کے تحت کئے جائیں گے۔ میں نے کہا آپ یہ بات انڈیا کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ باقی اور ممالک سے تو ہمارے اچھے تعلقات ہیں۔ وہ لاجواب سا ہو گیا۔ اور کچھ سوچتے ہوا بولا:۔

ایک نئی تجویز ذہن میں آئی ہے۔ وہ یہ کہ اقتصادی اور تجارتی معاہدے مرکزی حکومت ہی کرے گی۔ مگر ان اشیاء اور پروجیکٹ کا تعلق جس صوبے سے ہو ڈیلی گیشن میں اس صوبے کی اکثریت ہونی چاہئے۔

میں نے کہا:۔

یہ تجویز تو قبول کی جاسکتی ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔ دوران گفتگو بنگلہ دیش کی بات چل نکلی۔ شیخ مجیب نے وضاحت کی کہ ہم پاکستان میں رہتے ہوئے اپنے صوبے کا نام بنگلہ دیش رکھنا چاہتے ہیں اور اس کا اپنا ایک جھنڈا بھی ہو گا۔

میں نے کہا:۔

الگ جھنڈے والی بات سمجھ میں نہیں آئی

شیخ مجیب بولے:

امریکہ میں ہر ریاست کا جھنڈا الگ ہے۔ اس کے ساتھ قومی پرچم بھی لہرایا جاتا ہے۔ ہم بنگلہ دیش کے جھنڈے کے ساتھ ساتھ پاکستان کا ہلالی پرچم بھی لہرائیں گے۔

مجھے اس منطق سے اتفاق نہ تھا۔ چنانچہ میں نے کہا:

امریکہ اور پاکستان کی تخلیق میں زمین وآسمان کا فرق ہے

شیخ مجیب سے جو کچھ باتیں ہوئیں۔ ان کا خلاصہ تحریری طور پر میں نے جنرل یعقوب خاں کے سامنے پیش کر دیا۔ اس میں اپنی رائے بھی دی کہ میرے اندازے کے مطابق پاکستان کی سالمیت کا تحفظ پوری طرح ممکن ہے اور شیخ صاحب سے قومی امور پر سمجھوتہ ہوسکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم اعلیٰ فوجی قیادت نے کیا سوچ بچار کی''۔

اس اقتباس سے جنرل راؤ فرمان علی کے مشاہدے اور تاثرات کا پتا چلتا ہے۔ اور ان کے تجزیے کے مطابق پاکستان کی سالمیت کا تحفظ ممکن تھا۔ اور شیخ مجیب الرحمٰن سے سمجھوتہ ہوسکتا تھا۔ لیکن یہ سمجھوتہ سیاسی مذاکرات سے ہی ممکن تھا۔ جب کہ جنرل یحییٰ نے اسے مارشل لاء اور فوجی کاروائی سے حل کرنے کی کوشش کی جو ایک سنگین غلطی تھی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کوئی دستور اپنی طرف سے بنا کر پوری قوم پر مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے جنوری میں صدر یحییٰ سے اپنے مذاکرات میں کہہ دیا تھا۔ کہ آئین کی تیاری اور منظوری میں وہ مغربی پاکستان کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ اس بات کا تذکرہ شیخ مجیب الرحمٰن نے ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ مذاکرات میں بھی کیا جس میں انہوں نے بتایا کہ مغربی پاکستان سے مسلم لیگ کونسل۔ جمعیت علماء پاکستان اور نیپ کی حمایت مجھے حاصل ہے۔ ان تینوں پارٹیوں کی اسمبلی میں کل تعداد 21 بنتی تھی اور یہ بات بھٹو کیلئے پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔ مغربی پاکستان سے

Marfat.com

میاں نظام الدین حیدر نے مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی تو انہوں نے مغربی پاکستان کی حمایت کا تذکرہ ان سے بھی کیا۔ اور گلہ بھی کیا کہ بھٹو نے اپنے مبارکباد کے پیغام میں لکھا ہے۔
"CONGRAGULATION OF YOUR IMPRESIVE VICTORY IN EAST PAKISTAN " اس کے ردعمل میں مجیب الرحمٰن کی طرف سے جوابی مبارکباد کے پیغام میں کہا گیا کہ ''پنجاب اور سندھ میں آپ کی کامیابی پر مبارکباد''۔ یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ بدقسمتی سے اس وقت اقتدار پر قابض پاکستان آرمی کے جرنلوں کا ٹولہ مشرقی پاکستان کے نمائندوں کو اقتدار سونپنے کے موڈ میں بالکل نہیں تھا۔ حتیٰ کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ آئین اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل فوجی حکام کو دکھایا جائے گا اور یہ بات بھی طے ہوگئی تھی کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اس وقت بلایا جائے گا جب تمام بڑی جماعتوں میں دستور پر اتفاق رائے ہو جائے گا۔ لیکن جنرل یحییٰ یہ تاثر دے رہے تھے۔ کہ شیخ مجیب الرحمٰن اپنی مرضی کا دستور لانا چاہتے ہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔

فروری 1971 کے ابتدائی ہفتے میں شیخ مجیب الرحمٰن کو راولپنڈی سے پیغام آیا کہ جنرل یحییٰ ان سے ضروری ملاقات کرنا چاہتے ہیں اس لئے شیخ مجیب الرحمٰن راولپنڈی آ جائیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے اس صورت میں راولپنڈی جانے کی ہامی بھری کہ وہ عوامی لیگ کی ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے بعد (جس میں دستوری مسودے کو آخری شکل دی جانی تھی) جاسکیں گے۔ اسی دوران فروری کے وسط میں قومی اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ جو 3 مارچ کو ڈھاکا میں منعقد ہونا تھا۔ دستوری مسودہ تیار کرنے کی وجہ سے پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے شیخ مجیب الرحمٰن کی مصروفیات اور بڑھ گئیں جبکہ جنرل یحییٰ کی خواہش یہ تھی کہ مجیب الرحمٰن راولپنڈی آ کر یہ مسودہ دکھائیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان جانے سے معذرت کر لی اور کہا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ہونے والا ہے جنرل یحییٰ یہاں آئے گا تو اسے دستور کا مسودہ دکھا دیا جائے گا۔ اب ملاحظہ فرمایئے وہ تبصرہ جو صدر پاکستان نے پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ لینے والی پارٹی کے لیڈر کے متعلق کہا:

''میں اس بدمعاش سے نمٹ لوں گا۔ آخر اس نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ مغربی پاکستان نہ آکر اس نے میری توہین کی ہے اور میری طاقت کو چیلنج کیا ہے''۔

جنرل یحییٰ نے 22 فروری کو راولپنڈی میں گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کا

Marfat.com

اجلاس طلب کیا جس کا ایجنڈا یہ تھا۔ کہ مجیب الرحمٰن کو اس سرکشی کی کیسے سزا دی جائے؟ اور طاقت کا استعمال کیسے کیا جائے؟ اس اجلاس سے قبل ذی فہم اور ذی شعور جرنیلوں نے اپنی رائے یہ دی تھی کہ ان حالات میں شیخ مجیب الرحمٰن کیخلاف طاقت کا استعمال مناسب نہیں ہے وہ بنگالیوں میں بے حد مقبول لیڈر ہے۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ ورنہ بنگالیوں میں شدید نفرت پھیل جائے گی اور صرف قیاس آرائیوں کی بنا پر مجیب کے خلاف کارروائی کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔ قومی اسمبلی کے اندر آئینی اور قانونی جنگ لڑی جائے۔ اگر مجیب الرحمٰن کا کوئی اقدام پاکستان کی اقتصادی یا سلامتی کے لئے نقصان دہ ہو تو پھر کارروائی کرنا مناسب ہو گا۔ لیکن یہ اجلاس اور مشورے طلب کرنا دراصل ایک ڈھونگ تھا اور دنیا کے دکھاوے کی باتیں تھیں۔ جیسا کہ ہر آمر دکھاوے کے لئے ایسے اجلاس بلایا کرتا ہے تاکہ دنیا پر ثابت کر سکے کہ وہ کوئی فیصلہ اکیلا نہیں کرتا۔ بلکہ مشاورت پر یقین رکھتا ہے۔ یحییٰ خاں فیصلہ تو بہت پہلے کر چکے تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے برملا اجلاس میں کیا کہ وہ مجیب الرحمٰن پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

22 فروری کے اجلاس میں قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ گویا قوم کو جس سحر کی نوید فروری کے دوسرے ہفتے میں سنائی گئی تھی فروری کے تیسرے ہفتے کے آخر میں اسے واپس لینے کے احکامات صادر کر دیے گئے اور عوامی لیگ کی طرف سے ممکنہ ردعمل کے سدباب کے لئے فوجی کاروائی کا منصوبہ "بلٹز" کے نام سے طے کر لیا گیا اور اس منصوبے کے تحت مغربی پاکستان سے فوجی نفری سادہ کپڑوں میں پی۔ آئی۔ اے کے طیاروں سے ڈھاکا بھیجی جانے لگی۔ 28 فروری 1971 کی شام شیخ مجیب الرحمٰن کو گورنمنٹ ہاؤس ڈھاکا میں طلب کیا گیا اور گورنر ایڈمرل احسن نے شیخ مجیب کو اسمبلی سیشن کے التواء کی خبر سنائی۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی خاں کے مطابق:

”شیخ مجیب نے بھڑکنے کی بجائے غیر معمولی تحمل اور بردباری کا ثبوت دیا۔ تاہم اتنا کہا کہ یہ فیصلہ ہمارے لئے کئی اعتبار سے افسوس ناک ہے۔ ہم سے بدعہدی ہوئی ہے اور ہماری ٹانگ کھینچ لی گئی ہے۔ میرے خیال میں اس اقدام سے حالات بڑے خراب ہو جائیں گے۔ مجیب کے ہمراہ دو ساتھی اور تھے۔ انہیں شیخ مجیب نے واپس بھیج دیا اور خود علیحدگی میں گورنر احسن سے کہا کہ اگر نئی تاریخ اسی ماہ دے دی جائے تو عوام کے جذبات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ آپ مجھے التواء کے اعلان کے ساتھ ہی ایک نئی تاریخ لے دیجئے اس کے لہجے میں سوز

Marfat.com

اور خلوص تھا''۔

کرنل صدیق سالک نے اس گفتگو کو مزید وضاحت سے یوں قلم بند کیا:۔

''وہ ذرا بھی برانگیختہ نہ ہوئے۔ انہوں نے صرف اتنا کہا اور وہ بھی نہایت معقولیت سے کہ میں التواء کو بہانہ بنا کر شور نہیں مچاؤں گا۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر التواء کے ساتھ ساتھ اجلاس کی نئی تاریخ کا اعلان بھی ہو جائے تو مجھے جماعت کے انتہا پسند عناصر کو کنٹرول کرنے میں سہولت ہو گی۔ اور اگر آئندہ تاریخ مارچ میں ہی ہو تو آسانی رہے گی۔ اگر اپریل میں ہو تو مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اور اگر اپریل کے بعد میں ہو تو میرے لئے حالات پر قابو رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ مجیب الرحمٰن کا یہ ردعمل راولپنڈی بھی پہنچا دیا گیا۔ لیکن جب دوسرے دن اجلاس کے التواء کا اعلان ہوا تو اس میں کسی نئی تاریخ کا شائبہ تک نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان پر جنرل یحیٰی نے صرف دستخط کیے تھے۔ نامعلوم اصل محرک کون تھا؟ اس التواء پر مجیب الرحمٰن نے جس طرح ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا اس کے متعلق راؤ فرمان علی خاں کہتے ہیں:۔''اسی ایک واقعہ سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان توڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ اگر ان کے ارادے کچھ اور ہوتے تو پھر ایک نئی تاریخ کیلئے استدعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (اس طرح تو اسے اپنے منصوبہ کے عملی جامہ پہنانے کا ایک مناسب موقع ہاتھ آ گیا تھا) جس روز التواء کا اعلان ہوا اسی شام مجیب الرحمٰن نے احتجاجاً 2 مارچ کو ڈھاکا میں اور 3 مارچ کو پورے ملک میں ہڑتال کا اعلان کیا۔ اور پھر گورنمنٹ ہاؤس آ کر فوجی حکام کے سامنے عاجزانہ اپیل کی:

''جناب! اب بھی وقت ہے۔ مجھے اجلاس کی نئی تاریخ لے دیجئے۔ میں اب بھی صورتحال پر قابو پالوں گا۔ البتہ اگر غیر معینہ عرصہ کیلئے تاخیر ہو گئی تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مجیب الرحمٰن کی استدعا کے بعد گورنر احسن نے ایک تاریخی پیغام راولپنڈی بھیجا۔ جس کے الفاظ یہ تھے:

''میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آج رات ہی نئی تاریخ کا اعلان کر دیا جائے کل تک بہت دیر ہو جائے گی''

اس پیغام کا جواب کیا ملا؟ گورنر احسن کی سبکدوشی۔ ان کو فارغ کر کے لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خاں کو گورنر نامزد کیا گیا۔ شاید کوئی احسن کی اس پالیسی کو مجیب الرحمٰن کی

Marfat.com

ہمدردی قرار دے۔لیکن درحقیقت یہ پاکستان کے استحکام کی پالیسی تھی۔جس پر عمل کیا جاتا تو حالات اتنے بھیانک نہ ہوتے۔قومی اسمبلی کے اجلاس کی نئی تاریخ کا اعلان نہ ہونے کی وجہ سے حالات مسلسل خراب ہوتے گئے اور مشرقی پاکستان کے اندر مغربی پاکستان والوں کے لئے نفرت بڑھنے لگی ۔ امن و عامہ تہہ و بالا ہوگیا۔ جلسے جلوس شروع ہو گئے۔کرفیو لگانا پڑا۔ مظاہرین پر گولیاں چلائی گئیں۔بنگالی مرے۔ ان کے جنازے جلوسوں کی شکل میں اٹھائے گئے۔نفرت کی جڑیں اور گہری ہونے لگیں۔ مجیب الرحمٰن نے حکومت کیخلاف ''تحریک عدم تعاون'' کی اپیل کی۔مقبول لیڈر ہونے کی وجہ سے عوام نے اس کی تعمیل کی۔جس سے نظم ونسق پر بُرا اثر پڑا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک تھی مملکت کے خلاف نہیں ۔ ورنہ ہمارے ہاں عام طور پر حکومت اور مملکت کو ایک ہی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حکومت کے خلاف تحریک کو بھی غداری کا ارتکاب قرار دیا جاتا ہے ۔ مشرقی پاکستان میں افراتفری کی اس صورتحال پر جنرل یعقوب خاں نے مرکز سے بار بار رابطہ قائم کیا۔لیکن وہاں سے محبت بھری مفاہمت کا کوئی جواب نہ ملا۔ بالآخر جنرل یحییٰ کے دورۂ ڈھاکا کا پروگرام بنا۔ابھی اس دورے کا پروگرام ترتیب دیا جارہا تھا کہ جنرل یحییٰ نے نہ آنے کا فیصلہ کرکے حالات کو اور کشیدہ کر دیا۔اس صورتحال میں جنرل یعقوب خاں نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ جنرل ٹکا خاں کو گورنر بنا کر بھیج دیا گیا۔میجر جنرل راؤ فرمان علی خاں کو صلاح مشورہ کیلئے راولپنڈی بلایا گیا۔تو انہوں نے ڈھاکا سے روانگی سے قبل عجلت میں شیخ مجیب الرحمٰن سے گفتگو کی۔

راؤ فرمان نے مجیب سے پوچھا

''کیا پاکستان بچانے کی آج بھی کوئی تدبیر ہوسکتی ہے؟''

''ہاں بچ سکتا ہے'' شیخ مجیب نے جواب دیا:

''کیسے بچ سکتا ہے اور آپ کے ذہن میں کیا نقشہ ہے۔'' راؤ فرمان نے سوال کیا۔

شیخ مجیب نے اپنی گفتگو کے آخر میں کہا:

''اگر آپ میری بات مان لیں تو میں خود پاکستانی افواج کو ہار پہناؤں گا''۔

یہ بات کیا تھی؟ عوام کے ووٹوں سے منتخب شدہ ارکان قومی اسمبلی کے اجلاس کے لئے تاریخ کا اعلان! لیکن جنرل یحییٰ اور اس کے ہم پیالہ دوست ایوان صدر میں شراب نوشی میں

مصروف تھے۔ ان کے پاس ملکی امور پر غور کرنے کے لئے وقت ہی نہیں تھا اور شیخ مجیب الرحمٰن کو یہ احساس دلایا جا رہا تھا کہ اس کی رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اور فوجی حکمران جو چاہیں وہی کریں گے۔ ان کے نزدیک عوام کے منتخب شدہ لیڈر کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ان حالات میں مولانا شاہ احمد نورانی نے ڈھاکا جانے کا فیصلہ کیا اور دوسرے قومی لیڈر بھی وہاں پہنچ گئے۔

اسی دوران شیخ مجیب الرحمٰن نے 7 مارچ کو ڈھاکا میں جلسہ عام سے خطاب کیا۔ توقع ظاہر کی جا رہی تھی کہ اس جلسے عام میں شیخ مجیب یک طرفہ آزادی کا اعلان کر دیں گے۔ لیکن مولانا اور مغربی پاکستان کے دیگر محبّ وطن لیڈر شیخ مجیب سے رابطہ قائم کر چکے تھے اور قومی اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کی خاطر شیخ مجیب الرحمٰن کے موقف کی حمایت کا اظہار کر چکے تھے۔ اس لئے شیخ مجیب نے انتہا پسندانہ سوچ کے حامل پارٹی لیڈروں کے مشورے کے باوجود جلسہ عام میں بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان نہ کیا۔ بلکہ انہوں نے 6 مارچ کی شام اپنے ایلچی کو میجر جنرل خادم حسین راجہ کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ ان پر انتہا پسندوں کا غلبہ ہے اور وہ لوگ چاہتے ہیں کہ کل یک طرفہ آزادی کا اعلان کیا جائے۔ لیکن مجیب یہ اعلان نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے فوج کو چاہئے کہ وہ انہیں (شیخ مجیب کو) اپنی تحویل میں لے لیں۔

اگر شیخ مجیب واقعی غدار تھے۔ تو انہیں ''اعلان آزادی'' سے بچنے کی کیا ضرورت تھی۔ شیخ مجیب کو تحویل میں نہ لیا گیا۔ اور انہوں نے دوسرے دن جلسہ عام سے خطاب کیا۔ لیکن نفرتوں کے طوفان میں رہ کر بھی 7 مارچ کو مجیب نے لاکھوں کے اجتماع میں اعلان آزادی کی بجائے مارشل لاء اٹھانے اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے، فوج کو بیرکوں میں واپس بھیجنے اور قتل و غارت گری کی عدالتی تحقیقات کے مطالبے کئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو آزاد بنگلہ دیش کا قومی پرچم لہرانے کے متعلق کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور سب کو پر امن رہنے کی تلقین کی۔

مولانا شاہ احمد نورانی مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ جنرل یحیٰی کو شیخ مجیب سے براہ راست مذاکرات کرنے چاہئیں اور سیاسی افہام و تفہیم سے بحران کا حل تلاش کرنا چاہئے۔ بالآخر 15 مارچ 1971 کو جنرل یحیٰی ڈھاکا آئے۔ لیکن شیخ مجیب سے متعلق ان کا رویہ نا مناسب بلکہ تضحیک آمیز تھا۔ جبکہ شیخ مجیب الرحمٰن مولانا نورانی کو یقین دہانی کرا چکے تھے کہ وہ حالات کو صحیح رخ پر لانا چاہتے ہیں اور مذاکرات کے لئے مخلص ہیں۔ مولانا نورانی اور مغربی پاکستان کے بعض سنجیدہ راہنماؤں نے جنرل یحیٰی پر شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کے لئے دباؤ

Marfat.com

ڈالا تو وہ اس کے لئے راضی تو ہو گیا لیکن چونکہ انتقال اقتدار کے لئے مخلص نہیں تھا۔ اس لئے مذاکرات محض ڈھونگ تھے جو وقتی طور پر رائے عامہ کو خاموش کرنے کے لئے تھے۔ اندرون خانہ "آپریشن سرچ لائیٹ" کے نام سے ایک منصوبہ بنایا گیا۔ جس میں شیخ مجیب سمیت عوامی لیگ کے تمام قابل ذکر لیڈروں کی گرفتاری کے متعلق طریق کار طے کیا گیا۔ مجیب الرحمٰن کو اس ساری صورتحال کا علم تھا۔ لیکن وہ پھر بھی مذاکرات سے مسائل حل کرنے کے حق میں تھا۔ مولانا نورانی نے شیخ مجیب الرحمٰن سے جنرل یحییٰ کے اس شکوہ کا تذکرہ کیا کہ وہ (مجیب) اپنی مرضی کا دستور لانا چاہتا ہے۔ تو شیخ مجیب نے اپنی مجوزہ دستوری تجاویز سے جنرل یحییٰ کو آگاہ کیا۔ بلکہ وہ تمام تجاویز پیش کیں۔ جن سے اقتدار کی منتقلی ہو سکتی تھی۔ حتیٰ کہ مارشل لاء کے خاتمہ کے لئے صدارتی اعلان کا مسودہ تیار کر کے جنرل یحییٰ کو پیش کر دیا۔ جس پر اتفاق رائے ہو گیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے مذاکرات میں اس امر پر زور دیا کہ مارشل لاء کو فوری طور پر اٹھا لیا جائے۔ اور اقتدار پانچ صوبوں میں عوامی نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔ آئین سازی کے متعلق ان کی تجویز یہ تھی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اراکین اسمبلی پر مشتمل دو الگ الگ کمیٹیاں قائم کر دی جائیں جو ڈھاکا اور اسلام آباد میں اپنے اجلاس طلب کریں اور ایک معینہ مدت کے اندر اندر اپنی الگ الگ رپورٹ تیار کریں۔ بعد میں قومی اسمبلی کا اجلاس بلا کر ان دونوں رپورٹوں کی روشنی میں ایک قابل قبول آئین مرتب کیا جائے۔ درمیانی مدت میں 1962 کے آئین کو صوبائی خود مختاری کی ضمانت دے کر نافذ کیا جائے اور درمیانی عرصہ کیلئے جنرل یحییٰ خاں کو صدر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ جنرل یحییٰ خاں نے بھی ان تجاویز کو قبول کر لیا تھا۔ بریگیڈیئر (ریٹائیرڈ) عبدالرحمٰن صدیقی روز نامہ جنگ میں شائع شدہ اپنے عسکری تجزیہ میں لکھتے ہیں۔

"20 مارچ کو جو مذاکرات ہوئے ان کے دوران فضا اور بھی خوشگوار رہی۔ کانفرنس روم سے مستقل ہنسی کی آوازیں آتی رہیں۔ اس روز عوامی لیگ کے ماہرین نے صدارتی اعلان کا وہ مسودہ بھی تیار کر لیا جس کے تحت مارشل لاء کے خاتمے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے قانونی خلا کو پُر کرنے کے طریقوں اور اقدامات کو واضح کیا گیا تھا۔ اسی روز یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اب مسٹر بھٹو کو بھی مذاکرات میں شمولیت کی دعوت دی جانی چاہیے۔ اس وقت مغربی پاکستان کے تقریباً سب ہی ممتاز سیاسی قائدین صدارتی اعلان کے مطابق 25 مارچ کو منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لئے ڈھاکہ پہنچ چکے تھے۔ ان میں

Marfat.com

مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، میاں ممتاز دولتانہ، سردار شوکت حیات، خان عبد الولی خان، میر غوث بخش بزنجو اور خاں عبدالقیوم خان نمایاں تھے"۔

مسٹر بھٹو مارشل لاء انتظامیہ کے مشورے کے مطابق 21 مارچ کو اپنے معاونین محمود علی قصوری، ڈاکٹر مبشر حسن، عبد الحفیظ پیر زادہ، رفیع رضا اور جے اے رحیم کے ہمراہ ڈھاکا پہنچے۔ ان کی آمد کے پانچ دنوں بعد 25 مارچ کو جنرل یحییٰ خفیہ طور پر ڈھاکا سے چلا گیا اور دوسرے دن اپنی تقریر میں شیخ مجیب الرحمٰن پر یہ الزام لگایا کہ وہ متوازی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور غدار ہے اور بہانگ دہل فخریہ طور پر کہا گیا ہے کہ اسے اس کے کئے کی سزا مل کر رہے گی۔

مولانا شاہ احمد نورانی فوجی حکمرانوں کو ہمیشہ ان خطرات اور المیے سے آگاہ کرتے رہے کہ جن کا پوری قوم کو سامنا کرنا پڑا۔ ان کا یہ واضح اور دوٹوک موقف تھا کہ اقتدار بلا تاخیر اکثریتی پارٹی کو منتقل کر دیا جائے اور باقی تمام معاملات قومی اسمبلی کے اندر طے ہونے چاہیں۔ لیکن جنرل یحییٰ اقتدار اور شراب کے نشے میں اس قدر مست تھا کہ اس نے حقائق پر مبنی تجزیے اور صحیح مشورے پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور طاقت کے استعمال کا غلط فیصلہ کر کے نہ ہی اپنے اقتدار کو بچا سکا اور نہ ہی متحدہ پاکستان قائم رہ سکا۔ نیز پاک فوج کو المناک حالات میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا گیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی جمعیت علماء پاکستان کے دیگر ممبران کے ہمراہ اس لئے ڈھاکا گئے تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو باور کرایا جاسکے کہ جمعیت کے اراکین اسمبلی اجلاس کے حق میں ہیں۔ پھر انہوں نے جنرل یحییٰ اور شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کے بعد یحییٰ مجیب مذاکرات کا راستہ ہموار کیا۔ یہ مولانا نورانی ہی تھے جنہوں نے دیگر قومی راہنماؤں کی موجودگی میں جنرل یحییٰ کو کھری کھری سنائی تھیں اور مجبوراً جنرل یحییٰ کو شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات پر آمادہ ہونا پڑا۔ لیکن مسٹر بھٹو کی آمد کے بعد در پردہ حالات نے پلٹا کھایا اور جنرل یحییٰ نے شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت سے انکار کر دیا۔ 21 مارچ کو بھٹو ڈھاکا پہنچے اور 23 مارچ کو مولانا نورانی نے ڈھاکا سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا کہ ایوان اقتدار میں جو کھیل کھیلا جا رہا ہے اس کی وجہ سے پرامن انتقال اقتدار ممکن نہیں رہا۔ حکمرانوں نے مذاکرات کی بجائے بندوق کا سہارا لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے

نتیجے میں بنگالیوں کے اندر جوابی طور پر نفرت آمیز ردعمل کا اظہار ایک فطری سی بات تھی اور مولانا نورانی کو شیخ مجیب الرحمٰن کا یہ تجزیہ درست نظر آنے لگا کہ یحییٰ خاں کبھی بھی اقتدار اس کے حوالے نہیں کرے گا۔ مولانا نورانی کے کراچی آنے کے دو دن بعد جنرل یحییٰ بھی ڈھاکا سے واپس آ گئے۔ پھر جنرل یحییٰ نے آرمی ایکشن شروع کر ادیا۔ اور اس کے بعد مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر کے مغربی پاکستان لا یا گیا۔ پھر مشرقی پاکستان میں مسلمانوں نے جس طرح ایک دوسرے کا خون بہایا وہ ایک دردناک داستان ہے۔

مولانا نورانی نے مغربی پاکستان آنے کے بعد بھی ہمیشہ اپنے اسی موقف کا اعادہ کیا۔ کہ پاکستان کی سالمیت کے تحفظ کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ ہے ووٹ کا احترام۔ اگر عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار سونپ دیا جائے اور اسمبلی کا اجلاس طلب کیا جائے تو ملکی سا لمیت کا دفاع ممکن ہے جب کہ فوجی حکمرانوں کا نظریہ یہ تھا۔ کہ وہ فوجی کارروائی سے ہی حالات کو سنبھال لیں گے۔ اور مسٹر بھٹو بھی اسی نظریے سے متفق تھے اس لئے انہوں نے فوجی کارروائی کے فیصلے کے بعد ڈھاکا سے واپس پہنچنے کے بعد کہا تھا:۔

''اللہ کا شکر ہے پاکستان کو بچا لیا گیا ہے''۔ اور اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب۔ 'THE GREAT TRAGEDY'' میں بھی کیا ہے۔ لیکن درحقیقت فوجی کارروائی کے بعد مشرقی پاکستان میں حالات اور سنگین ہو گئے اور ایجی ٹیشن میں تشدد کا عنصر غالب آ گیا۔ عوامی لیگ کے انتہا پسند طبقے کو کنٹرول حاصل ہو گیا ادھر شیخ مجیب الرحمٰن کو مغربی پاکستان میں پابند سلاسل کر دیا گیا تھا۔ اُدھر مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے علیحدگی پسند گروپ مکتی باہنی نے گوریلا طرز کی کاروائیوں کا سلسلہ تیز تر کر دیا۔ محبّ وطن بنگالیوں، بہاریوں اور مغربی پاکستان سے گئے ہوئے لوگوں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا۔ پاک فوج داخلی محاذ پر اپنے ہی ہم وطنوں سے نبرد آزما تھی کہ انڈیا نے بنگالی مہاجرین کی انڈیا میں آمد کی آڑ لے کر مشرقی پاکستان میں اپنی فوج بھیج دی اور اس طرح پاک فوج کو بیک وقت خارجی اور داخلی محاذوں پر جنگ لڑنا پڑی۔ یہ جنگ جاری تھی کہ جنرل یحییٰ نے ذوالفقار علی بھٹو کو حکومت پاکستان کے خصوصی نمائندہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں بھیجا تا کہ عالمی ادارے کی مداخلت سے انڈیا اپنی فوج واپس بلا لے۔ جنگ بندی کیلئے پولینڈ نے قرارداد پیش کی تو نا معلوم کس مصلحت کے تحت مسٹر بھٹو یہ قرارداد پھاڑ کر جذباتی انداز میں اقوام متحدہ سے باہر آ گئے اور ادھر جنرل یحییٰ نے پاک فوج کو

Marfat.com

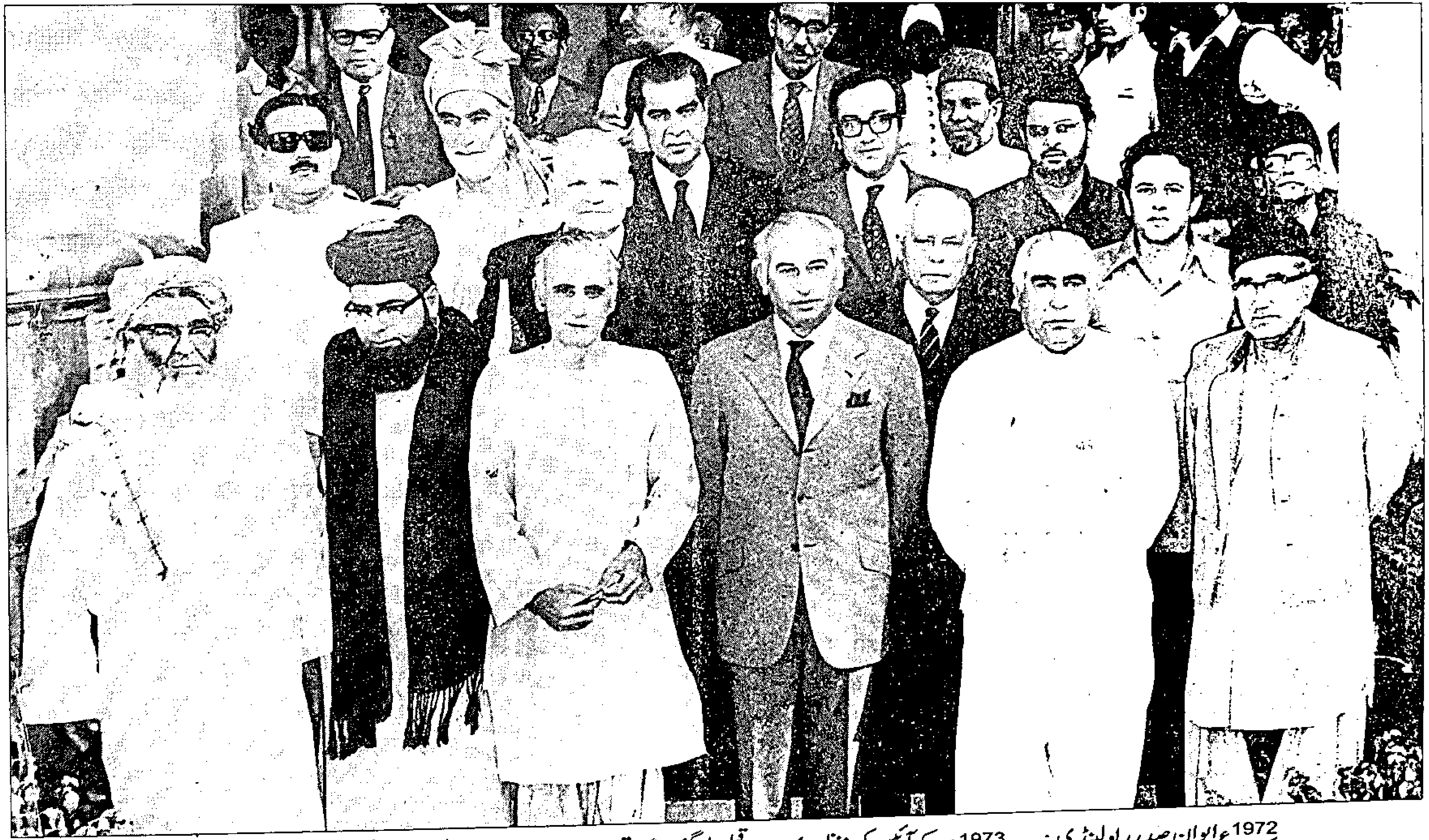

1972ء ایوانِ صدر راولپنڈی:۔ 1973ء کے آئین کی منظوری سے قبل لی گئی یادگار تصویر، صدر ذوالفقار علی بھٹو، دائیں طرف سردار شوکت حیات، مولانا شاہ احمد نورانی مفتی محمود، بائیں طرف میر غوث بخش بزنجو، گورنر بلاچستان۔ ارباب سکندر خلیل، گورنر سرحد سردار شیرباز مزاری، یحییٰ بختیار، عبدالحفیظ پیرزادہ، پروفیسر عبدالغفور، مولانا کوثر نیازی، شیخ ارشد احمد اور دیگر

Marfat.com

ہتھیار ڈالنے کے احکامات جاری کر دیے اس طرح مذاکرات کی میز پر کامیابی کی طرف بڑھنے والی سیاسی جنگ، فوجی کارروائی کے بعد عبرتناک شکست میں تبدیل ہو گئی۔ قومی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ آبادی کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ نا اہلی اور درپردہ سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہماری افواج نے ذلت اور رسوائی کے عالم میں ہتھیار ڈال کر ایک آزاد ملک ''بنگلہ دیش'' بنا دیا۔ شیخ مجیب بنگلہ دیش کے بانی بن کر مغربی پاکستان سے ڈھاکا پہنچے شیخ مجیب تو ایک عرصے بعد فوجی انقلاب میں مارے گئے لیکن قائد اعظمؒ کا پاکستان اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے دو ٹکڑے کر دیا۔

Marfat.com

باب 8

نیا پاکستان اور جمہوری آمریت

فوجی کارروائی کے نتیجہ میں جب مشرقی پاکستان ''بنگلہ دیش'' بن گیا تو مسٹر بھٹو کو امریکہ سے واپس بلا کر نئے پاکستان میں اقتدار سونپ دیا گیا۔ اس طرح مسٹر بھٹو صدر پاکستان کے عہدے پر فائز ہو گئے ۔کہا جاتا ہے کہ ایوانِ اقتدار تک مسٹر بھٹو کو پہنچانے میں بعض جرنیلوں نے اہم کردار ادا کیا ۔ ورنہ جنرل یحییٰ سقوط ڈھاکا کے بعد اقتدار چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ بہرحال یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ مسٹر بھٹو صدر پاکستان کے علاوہ سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی بن گئے اور ایک سیاسی لیڈر کے اقتدار سنبھالنے کے بعد بھی مارشل لاء نافذ رہا۔توقع کی جا رہی تھی کہ اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد بھٹو قومی اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کا اعلان کریں گے تاکہ قوم کے منتخب نمائندے جمع ہو کر ملک کے نئے آئین کو وضع کرنے کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز کر سکیں۔ لیکن بھٹو ہنگامی حالات کا بہانہ بنا کر قومی اسمبلی کے اجلاس سے گریز کرتے رہے۔ جنوری 72ء کے دوسرے ہفتہ میں مولانا شاہ احمد نورانی نے کراچی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں حکومت کو پیش آمدہ خطرات اور متوقع سانحات سے خبردار کیا۔ ان کا دوٹوک مطالبہ تھا کہ ملک سے مارشل لاء کی لعنت کو ختم کیا جائے۔ اور اہم ملکی و بین الاقوامی معاملات سے نمٹنے کے لئے فی الفور اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے ...... نیز موجودہ حکومت اس راستے پر گامزن نہ ہو جس پر چل کر سابق حکمرانوں نے ملک و قوم کو تباہی و بربادی کے جہنم میں دھکیل دیا اور جس کی وجہ سے ہم تاریخی ذلت و عبرتناک شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس شکست نے مسلمانوں کو عالمی برادری میں رسوا کر دیا ہے...... ہمارے ملک کے آدھے سے زیادہ حصے پر بھارتی فوجوں کا قبضہ ہے ...... مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے ......کیا یہ حقائق اس بات کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے جو ذلت و رسوائی اٹھائی ہے ......اس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی ...... مولانا نورانی نے عوام کو آگاہ کیا کہ ملک کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی

Marfat.com

جارہی ہے...... لیکن شہیدوں کے خون سے لکھی ہوئی اس تاریخ کو مسخ نہیں ہونے دیں گے......
جنرل نیازی اوران کے جیالے ساتھیوں نے ہتھیار کیوں ڈالے؟ انہیں شہادت کی موت مرنے کی بجائے قید کی زندگی کس سازش کے تحت اختیار کرائی گئی؟ یہ ایک ایسا سربستہ راز ہے...... جو ان کے مغربی پاکستان واپس آنے پر ہی کھل سکتا ہے...... ان دنوں یہ تاثر دیا جارہاہے کہ جنرل نیازی اوران کے ساتھ لڑنا نہیں چاہتے تھے، یہ ایک بہتان ہے، اوراس قسم کا تاثر دینے والے مسلم قوم کی شجاعت کو چیلنج کررہے ہیں اور مسلمانوں کی تاریخ کا مذاق اڑارہے ہیں...... مولانا نورانی نے اپنے خطاب میں مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی جانب سے اور خاص طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وطن عزیز کے ایک حصہ میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی ہے...... ہندوؤں اور مکتی باہنی نے خون کو پانی کی طرح بہایا ہے...... محبّ وطن پاکستانیوں کو لوٹا گیا۔ انہیں پاکستان کی محبت میں سزائیں دی گئیں اور یہ خونی کھیل اب تک کھیلا جارہاہے۔ انہوں نے جوشیلے انداز میں بھرّائی ہوئی آواز میں شیخ مجیب الرحمٰن سے اپیل کی کہ وہ مشرقی پاکستان میں قتل عام بند کرائیں...... مولانا نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ 93 ہزار فوجیوں اور ہزاروں سول ملازمین کی واپسی کے لئے حکومت کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کررہی۔ اس سلسلے میں سرگوشیاں ہورہی ہیں...... اور عوام کو اندھیرے میں رکھا جارہاہے...... مولانا نے حکمرانوں کے طرز عمل کے حوالے سے کہا کہ شرابیں پی کر اور نائٹ کلبوں میں بسیرا کرکے ملک کا تحفظ ممکن نہیں...... پاکستان میں اگر شراب اور دیگر لوازمات پر مکمل پابندی نہ لگائی گئی تو مغربی پاکستان کو بھی خطرات سے نہیں بچایا جاسکتا۔ انہیں دنوں وزیر قانون محمود علی قصوری نے اعلان کیا تھا کہ 30 دسمبر سے اسمبلی کے ممبران کو تمام مراعات دیدی گئی ہیں...... جس کے جواب میں مولانا نے اسے مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے حقارت سے مسترد کردیا...... اور کہا ''ہمیں مراعات اور الاؤنس نہیں، اسمبلی چاہئے اور جمہوری آواز چاہئے کیونکہ ہم نے انتخاب الاؤنس کے لئے نہیں بلکہ عوام کی آواز اسمبلی تک پہنچانے کے لئے لڑا تھا...... ہم جمہوریت کی بحالی اور اسلام کو برسر اقتدار لانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے...... سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ملک کا باقی وجود بھی لرز رہا ہے...... اور اگر اب بھی عوام اور سیاسی راہنماؤں نے صورتحال کی نزاکت اور اپنی ذمے داریوں کا احساس نہ کیا تو ہم اپنا رہا سہا وجود بھی برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ جمعیت علماء پاکستان نے 1970ء کی انتخابی مہم اور اس

Marfat.com

کے بعد سے اب تک مسلسل اس بات پر زور دیا ہے کہ اس ملک کے تحفظ اور بقا کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے ...... کہ یہاں سچی اور حقیقی جمہوریت نافذ کی جائے...... نظریہ پاکستان اور اسلام کے رشتہ اخوت و مساوات اور اقتصادی انصاف کو نافذ کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں...... ہمیں گذشتہ حالات سے سبق سیکھنا چاہیے مولانا نے ملکی استحکام کے لئے عملی اقدامات کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اپنا یہ پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا......!

1......یحییٰ خان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

2......مشرقی پاکستان میں پاکستان دوست باشندوں کے جان و مال کے تحفظ اور 93 ہزار یرغمالی فوجیوں کی واپسی کی کارروائی تیز کی جائے ...... اور اس مقصد کے لئے حکومت عوام کو اعتماد میں لے ......مسئلہ کے جذباتی اور انسانی پہلوؤں کے پیش نظر پراسرار انداز اختیار کرنے سے گریز کیا جائے۔

3......ملک سے مارشل لاء ختم کیا جائے۔عبوری آئینی ڈھانچے میں ترمیم کر کے پارلیمانی نظام حکومت کے تحت قومی وصوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بغیر کسی تاخیر کے طلب کئے جائیں...... اور شہریوں کے مکمل حقوق بحال کئے جائیں۔

4 ...... اسلام کو محض نعرہ بازی اور سیاسی اسٹنٹ کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ اسلامی اخوت ومساوات کی حقیقی روح کے مطابق انقلابی،سماجی،اقتصادی اصلاحات کی جائیں...... یہ اصلاحات اسی وقت دیرپا اور پائدار ہوسکتی ہیں جب جمہوری طور پر اسمبلی کے ذرائع سے ہوں۔

5......مسلح افواج کے سیاست میں حصہ لینے پر مکمل پابندی عائد کی جائے تاکہ مستقبل میں کبھی فوجی ذرائع سے اقتدار پر قبضہ جمانے کا امکان باقی نہ رہے۔

رائے عامہ اور صحافتی حلقوں نے مولانا نورانی کے پانچ نکاتی فارمولے کو خراج تحسین پیش کیا۔ جنگ کراچی نے اپنے تبصرے میں لکھا:۔

''مسٹر بھٹو کے اقتدار سنبھالنے کے بعد مولانا نورانی جس طرح اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کررہے ہیں......اور موجودہ حکومت کو راہ راست پر لانے کی جو کوشش کررہے ہیں ......وہ آپ کی جرأت وہمت،حق گوئی و بے باکی اور دور اندیشی وفراست کا واضح ثبوت ہے ......مولانا شاہ احمد نورانی نے موجودہ بحران سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا ہے۔ اسے محتاط سے محتاط الفاظ میں موجودہ مسائل کا بہترین حل کہا جاسکتا ہے''۔

مولانا نورانی نے ملکی سیاسی اُفق پر طلوع ہونے کے فوراً بعد اپنے طرز بیان، استدلال، سیاسی فہم و بصیرت، حقیقت پر مبنی تجزیوں اور دوٹوک پالیسیوں کی وجہ سے ملک کے باشعور حلقوں اور سیاسی سوجھ بوجھ کے حامل عوام کو چونکا دیا تھا ملکی پریس کے تبصرہ نگاروں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا...... کہ نووارد ہونے کے باوجود مولانا نورانی کے اندر ایک منجھے ہوئے سیاستدان کی خوبیاں موجود ہیں ...... شورش کاشمیری نے ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور میں لکھا ہے۔

''قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی گروپ کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی کو عملی سیاست میں داخل ہوئے اڑھائی برس سے زیادہ نہیں ہوئے ...... مگر اس عرصے میں انہوں نے اپنی سیاسی بصیرت، تدبر اور حق گوئی و بے باکی سے ثابت کر دیا ہے کہ مستقبل میں ان کا شمار پاکستان کے ممتاز سیاسی رہنماؤں میں ہو گا۔ اور اس بحرانی دور میں (ان شاء اللہ) اسلام، جمہوریت اور معاشرتی انصاف کے خواہاں ان سے مایوس نہیں ہوں گے''۔

اسی طرح روزنامہ جسارت کراچی نے یوں تبصرہ کیا:

''مولانا شاہ احمد نورانی اصلاً ایک مبلغ ہیں......ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی طرح اسلام کی تبلیغ واشاعت میں گزرا ہے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز 1970 کے عام انتخابات سے ہوا ہے ...... اور سچی بات یہ ہے کہ اس میدان میں وہ اپنی جماعت کے دیگر امیدواروں سے بازی لے گئے......ان کی کامیابی کا راز صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ان کے حلقہ انتخاب میں ان کے ہم مسلک اور عقیدت مند لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ......اس کامیابی میں ان کی سیاسی سوجھ بوجھ خوش گفتاری، بذلہ سنجی عام لوگوں میں جلد گھل مل جانے کی صلاحیت اور ذاتی وجاہت سبھی کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ مختصر سیاسی زندگی میں ان کے اندر منجھے ہوئے سیاستدان کے سے انداز ابھر آئے ہیں......انہوں نے ملک کے پرانے سیاستدانوں کی نگاہوں میں بھی ایک محترم مقام پیدا کر لیا ہے۔

جمعیت علماء پاکستان کو ایک خالص مذہبی جماعت کی سطح سے اٹھا کر ملک کی معروف سیاسی جماعتوں کی صف میں لا کھڑا کرنے کا سہرا انہیں کے سر ہے ...... جو ایک اچھے سیاسی رہنما کا ضروری وصف ہوتا ہے ...... وہ جرأت و بیباکی کے ساتھ اور کسی ذہنی تحفظ کے بغیر بات کرنے کے قائل ہیں''۔

آزادی اظہار و گفتار جمہوری نظام حکومت کی اہم خصوصیات شمار کی جاتی ہیں۔ مولانا

نورانی نے اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے ہی اس جمہوری حق کی بحالی کے لئے اپنی آواز بلند رکھی ......اور عوام کو اختلاف رائے کے حق سے محروم کرنے کی ہر کوشش کی مذمت کی، مسٹر بھٹو اگرچہ ایک سیاسی لیڈر تھے ......اور عوام کے ووٹوں کی بدولت سند اقتدار تک پہنچے تھے ......لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنے دور حکومت میں انہوں نے رائے عامہ کو اپنا ہمنوا بنانے کی خاطر پریس، ریڈیو اور ٹی وی پر حکومتی کنٹرول شدت سے قائم رکھا ......جس کی وجہ سے ''اپوزیشن'' کے نقطہ نظر کو کوئی اہمیت نہ دی گئی ...... اور میڈیا سرکاری پارٹی کا حاشیہ نشین بن گیا ...... جو کہ جمہوری نظام حکومت کی روایت کے برعکس ہے ......بلکہ ذرائع ابلاغ نے اکثر و بیشتر اپوزیشن پارٹیوں اور اپوزیشن لیڈروں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم جاری رکھی ......اور عوام کو ان سے بدظن کرنے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ پیپلز پارٹی کے حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد وزیر اطلاعات نے اخبارات کے نام ایک طویل خط لکھا ......جس میں حکومت کے موقف کی تشہیر کو اولیت دینے پر زور دیا گیا ......مولانا شاہ احمد نورانی نے اخبارات کی آزادی کو محدود کرنے کی اس کوشش کا سختی سے نوٹس لیا ......اور اسے اختلاف رائے، تنقید موافق اور مخالف نقطہ ہائے نظر کے برملا اظہار کے جمہوری حق سے محروم کرنے کی ایک سازش قرار دیا ......مولانا نے پیپلز پارٹی کی قیادت کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

''اگر اخبارات کی اس آواز کو جو بجا طور پر قوم کی آواز ہے۔ دبانے کی کوشش کی گئی ......تو باقی ماندہ پاکستان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا کیونکہ پاکستان اسلام اور جمہوریت کے نام پر ہی قائم رہ سکتا ہے''۔

جمعیت علماء پاکستان نے پی پی پی کی حکومت کے آغاز ہی میں یہ اصولی فیصلہ کرلیا تھا ......کہ جمعیت پیپلز پارٹی کے ساتھ کسی بھی سطح پر اقتدار میں شریک نہیں ہوگی، اور مثبت تعمیری تنقید کے ساتھ اپوزیشن پارٹی کا کردار ادا کرے گی...... اس لئے اپوزیشن کی دیگر پارٹیوں کے رہنماؤں سے مولانا شاہ احمد نورانی کا مستقل رابطہ تھا......اور مشترکہ لائحہ عمل پر غور کرنے کے لئے مختلف قومی رہنماؤں نے مولانا نورانی سے مذاکرات کئے۔ پاکستان مسلم لیگ کے ایک گروپ کے صدر خان عبدالقیوم خان نے کراچی میں مولانا نورانی سے مذاکرات کے بعد ملتان کے جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے اپنے اس موقف کا اظہار کیا کہ وہ اسمبلی میں مولانا نورانی اور ان کی پارٹی کے ساتھ تعاون کریں گے لیکن اسلام آباد پہنچ کر ان کا فیصلہ تبدیل ہوگیا۔ اور وہ مرکز

Marfat.com

میں وزیرداخلہ بنا دیئے گئے۔ مولانا نورانی کو بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ طریقوں سے کئی دفعہ اقتدار میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ لیکن انہوں نے حکومت کی ہر پیش کش کو مسترد کردیا......اوراپوزیشن پارٹیوں کے باہمی اتحاد کے لئے اپنی کوششیں مزید تیز کردیں......اس سلسلے میں انہوں نے خان عبدالولی خان، مفتی محمود اور پروفیسر غفور احمد وغیرہ سے مذاکرات کے بعد ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے حزب اختلاف کی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لئے اسمبلی میں موجود حزب اختلاف کے ممبران کا ایک اجلاس ایم این اے ہاسٹل کے اپنے کمرے میں بلایا جس میں تمام پارٹیوں نے متفقہ طور پر متحدہ جمہوری محاذ (UDF) کے نام سے اپنی مشترکہ سرگرمیاں شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور بارہ نکات پر مشتمل ''اسلام آباد ڈیکلریشن'' کے نام سے ایک اعلامیہ جاری کیا گیا......قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے ترجمان کے طور پر خان عبدالولی خان کو چنا گیا......جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی حزب اختلاف کے پارلیمانی گروپ کے رابطہ سیکریٹری منتخب کئے گئے۔ اس طرح ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار کے ابتدائی سال مارچ 1972ء کے پہلے ہفتے میں قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس سے قبل اپوزیشن پارٹیاں متحد ہوگئیں۔ اس اتحاد کے لئے مولانا نورانی کی پرخلوص کوششیں ناقابل تردید ہیں یہی اتحاد بھٹو کے دور اقتدار میں اپوزیشن جماعتوں کا ایک مضبوط ادارہ رہا جس نے قوم کو ذہنی اور فکری قیادت فراہم کی اور اس کے تحت ملک کے طول وعرض میں جلسوں کے ذریعے عوام تک حزب اختلاف کی آواز پہنچی۔

بھٹو نے آئین ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس سے قبل ایک عبوری آئین نافذ کیا اور آئین ساز اسمبلی کے وضع کردہ آئین کی تشکیل تک عبوری آئین کے نافذ العمل ہونے کے احکامات جاری کئے۔ 15 اپریل 1972ء کو قومی اسمبلی کا سہ روزہ افتتاحی اجلاس شروع ہوا اجلاس کے پہلے روز ہی جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی لیڈر کی حیثیت سے مولانا شاہ احمد نورانی کا قومی اسمبلی میں پہلا اور تاریخ رقم کرنے والا خطاب ہوا۔ ان کے انداز بیان سے تجربہ کار پارلیمنٹیرین اور پارلیمانی روایات سے آگاہ سیاسی شخصیت کا تاثر واضح ہورہا تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے اس یادگار خطاب میں عبوری آئین کے حوالے سے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کو اپنا موضوع بنایا اور جچے تلے انداز میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہا:

''جو آئین ہمارے سامنے عمدہ فریم میں سجا کر پیش کردیا گیا ہے اس میں اسلام کو قطعاً کوئی تحفظ نہیں دیا گیا...... میں اس دستور کو اس معزز ایوان کے لئے قابل قبول نہیں سمجھتا اور اس

Marfat.com

دستور کی مخالفت کرتا ہوں۔ اگر اس دستور کو نافذ ہی کرنا ہے تو وہ دفعات جو اس کے اندر اسلام کے متعلق ہیں ان دفعات کے متعلق کسی کمیٹی کے سامنے میں بیان دے سکتا ہوں، یہاں بہت سے عالم موجود ہیں وہ بھی بیان دیں گے...... اسلام کے مطابق دستور کی دفعات بنانے میں تعاون کریں اور ان دفعات کی تصحیح کی جائے جو اسلام کے خلاف ہیں پھر اس عارضی دستور میں ترامیم کردی جائیں تب یہ قابل قبول ہوسکتا ہے''۔

مولانا نورانی نے عبوری دستور کے بارے میں وضاحت سے کہا کہ اس میں کوئی اسلامی روح کارفرما نہیں ہے..... حکومت کی تمام نیک نیتی کے باوجود ان دفعات سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان میں وہ تاریخیں متعین نہیں کی گئیں جس تاریخ کو بینکوں کے سود، شراب، نائٹ کلبوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے قوم کو نجات ملے گی ستم ظریفی یہ ہے کہ دوسری اصلاحات تو حکومت انتہائی عجلت میں نافذ کرتی جارہی ہے لیکن جو برائیاں معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں ان کو دور کرنے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اسمبلی میں اپنے اولین خطاب میں آئین کے اندر مسلمان کی واضح تعریف شامل کرنے کا پر زور مطالبہ کیا تاکہ پاکستان کے اعلیٰ مناصب پر غیر مسلموں کے فائز ہونے کے امکانات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائیں۔ مولانا نورانی نے دستور کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:۔

''اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان کا صدر مسلمان ہوگا مگر مسلمان کی تعریف کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے؟ ہر شخص مسلمان بننے کی کوشش کرتا ہے اس ملک میں اسلام کے بدترین دشمن موجود ہیں۔ وہ مسلمان بن کر یہاں حکمران بن سکتے ہیں اور چور دروازے سے حکومت کرنے کے لئے وہ یہاں آسکتے ہیں۔ اس لئے میں مسلمان کی تعریف کروں گا...... جو شخص اللہ تعالی کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور حضور انور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر یقین رکھتا ہو وہ مسلمان ہے ورنہ مرزائی قادیانی ہے اس قسم کی تعریف اور پابندی اس کے اندر موجود نہیں ہے''۔

مولانا نورانی نے اپنے خطاب میں دستور میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کی اہمیت کو واضح کیا انہوں نے جب غیر مسلموں کی فہرست میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کے علاوہ کیمونسٹوں کا نام لیا تو برسراقتدار پارٹی کے بعض ارکان میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے مولانا کے خطاب میں مداخلت شروع کردی لیکن مولانا نورانی عزم واستقامت کے

Marfat.com

ساتھ حق وصداقت پر مبنی اپنے نظریات سے دستبردار نہ ہوئے!

پیپلز پارٹی کے بعض ارکان کی مسلسل مداخلت کے باوجود انہوں نے اپنا خطاب جاری رکھا ہفت روزہ ایشیاء کے مطابق ان لمحات میں پیپلز پارٹی کی صفوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی جس سے صاف محسوس ہوا کہ تیر نشانے پر بیٹھے ہیں۔ اس مرحلے پر جب حکومتی پارٹی کے ارکان مولانا نورانی کے خطاب میں رکاوٹ ڈال رہے تھے ۔مولانا نورانی نے اسپیکر چوہدری فضل الٰہی سے مخاطب ہو کر کہا:

''جناب اسپیکر! میں نے سوشلسٹ نہیں کہا کیمونسٹ کہا ہے۔ اگر کوئی کیمونسٹ ہے۔ تو وہ بھی صدر مملکت بننے کے قابل نہیں ہے۔ سوشلسٹ اگر کیمونسٹ ہے تو وہ بھی اس قابل نہیں ہے۔ دوران تقریر مداخلت جاری رہی۔ مولانا نے بھی تقریر پر زور انداز سے جاری رکھتے ہوئے کہا کہ دستور میں مسلمان کی تعریف نہیں ہے اور جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے ہم ان کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے تو پھر یہ کیسے چور دروازے سے آ کر اسلام کے نام پر حکمران بن سکتے ہیں اور تباہی کا سامان پیدا کر سکتے ہیں میں وزیر قانون کی خدمت میں عرض کروں گا کہ دستور وہ ہو جو اسلام کے مطابق ہو یہ آئین وزیر قانون کے نزدیک صحیح ہو سکتا ہے۔ اور مکمل ہو سکتا ہے مگر ہم اس پر ترمیم کئے بغیر اسے ٹھیک نہیں سمجھتے۔ اسے بڑا خوشنما بنا کر ہمارے سامنے سجا کر رکھا گیا ہے۔ اس میں صرف خوشنمائی ہی ہے مگر کام کی بات نہیں رکھی گئی اور اس کے اندر اسلامی روح موجود نہیں ہے بلکہ اسلامی روح کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے''۔

منکرین عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں مولانا شاہ احمد نورانی کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے علاوہ پاکستان کی سالمیت اور قومی یکجہتی کے شدید ترین دشمن ہیں اور ان کی سرگرمیاں حب الوطنی کے زمرے میں نہیں آتیں۔ اس لئے جنرل یحیٰی خان کے ساتھ اپنی ملاقات میں مولانا شاہ احمد نورانی نے ایم ایم احمد کی پالیسیوں کے حوالے سے کہا تھا۔ کیا آپ کے علم میں ہے کہ ہمارے عوام خواہ وہ مشرقی پاکستان کے ہوں یا مغربی پاکستان کے مسٹر ایم ایم احمد سے نفرت کرتے ہیں۔ جنرل یحیٰی کا جواب تھا۔ ہاں مجھے معلوم ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام مسٹر احمد سے نفرت کرتے ہیں لیکن مغربی پاکستان کے عوام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ آخر مغربی پاکستان کے عوام کی نفرت کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

مولانا نے جنرل یحیٰی کے استفسار پر ایم ایم احمد کی غلط اقتصادی منصوبہ بندی اور وطن

Marfat.com

دشمن سرگرمیوں کی تفصیل سے آگاہ کیا، جس پر جنرل یحییٰ نے اس پر فوری طور پر غور کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

ایم ایم احمد کے ساتھ پاکستانی مسلمانوں کی نفرت کا اظہار جب محمد اسلم قریشی کی طرف سے ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ سے ہوا تو یہ معاملہ خصوصی عدالت کے سپرد کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ بیوروکریسی میں اعلیٰ مناسب پر فائز مرزائیوں کی کوشش یہی تھی کہ اسلم قریشی کا معاملہ کھلی عدالت میں پیش نہ ہو مولانا شاہ احمد نورانی نے اس وقت اپنے بیان میں کہا تھا کہ ایم ایم احمد پر حملہ پاکستانی مسلمانوں کی مرزائیوں اور ایم ایم احمد سے نفرت کا آئینہ دار ہے اس لئے ایم ایم احمد کو ملکی اقتصادی منصوبہ بندی جیسے اہم عہدے سے فوراً برطرف کیا جائے اور اسلم قریشی پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے جمعیت علماء پاکستان کے ترجمان ہفت روزہ ''مدینہ'' نے بھی قادیانیوں کی درپردہ سازشوں سے قوم کو آگاہ کیا...... جس پر تمام مکاتب فکر کے علماء اور قومی رہنماؤں نے مولانا نورانی کے اس مطالبہ کی بھرپور تائید کا یقین دلایا۔ جمعیت علماء اسلام کے رہنماؤں مولانا عبید اللہ انور، مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا زاہد الراشدی نے اپنے مکتوب میں مولانا نورانی کے موقف کی حمایت کا اظہار کیا اور لکھا کہ مولانا نورانی نے یہ مطالبہ پیش کر کے ملک کے تمام دینی مکاتب فکر اور کروڑوں اسلامیان پاکستان کی بجا طور پر ترجمانی کی ہے۔ مکتوب میں مولانا نورانی کے جرأت مندانہ بیان پر انہیں ہدیہ تبرک پیش کیا گیا اور اس مقدس مشن میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

چونکہ عقیدہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اس لئے مولانا نورانی نے قومی اسمبلی میں اپنے پہلے خطاب میں اس عقیدے کے تحفظ پر اظہار خیال کیا اور اسے قانونی تحفظ دینے کے لئے آئین میں مسلمانوں کی تعریف درج کرنے کی اہمیت پر زور دیا لیکن پیپلز پارٹی نے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی آڑ لے کر مسلمانوں کے بارے میں متفقہ تعریف درج کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا چاہی۔

پی پی پی کے مذہبی معاملات کے ترجمان اور مرکزی کابینہ کے وزیر مولانا کوثر نیازی نے مولانا شاہ احمد نورانی کے خطاب کے جواب میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

''علماء میں جو اختلافات موجود ہیں ان کی بنا پر ایک عالم دوسرے عالم سے مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہے۔ میں اس وقت بھی یہاں چیلنج کرتا ہوں کہ علماء مسلمان کی کوئی متفقہ

Marfat.com

تعریف اس ایوان کے سامنے پیش کریں۔ میں ان کو چیلنج کرتا ہوں کہ ان کے جتنے ارکان یہاں بیٹھے ہیں وہ باہم مل کر مسلمان کی کوئی ایک تعریف ہمارے سامنے پیش کریں ہم انہیں پندرہ منٹ دینے کیلئے تیار ہیں۔ وہ ایک ساتھ بیٹھ جائیں اور مسلمان کی کسی ایک تعریف پر متحد ہوجائیں...... ہم اسے Accept (منظور) کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ آج بھی ان کے اندر باہمی اختلاف ہوگا اور وہ صحیح طور پر مسلمان کی کوئی ایک تعریف نہیں کر سکیں گے"۔

کوثر نیازی کے اس چیلنج کے بعد جمعیت علماء پاکستان کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری خطاب کے لئے اٹھے اور انہوں نے واضح انداز میں کہا:

"میں اپنی جماعت کی طرف سے اس بات کو قبول کرتا ہوں...... ہم چاہتے ہیں کہ اجمالی طور پر اور اختصار سے مسلمان کی تعریف اس آئین میں آجائے تاکہ جو لوگ لفظ مسلم سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لفظ اسلام کی تعریف میں نہیں آتے ان کے لئے اس لفظ سے استفادہ کرنے کا سدباب ہوجائے۔ اجتماعی طور پر تحقیقی تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے...... مسلمان کی تعریف کے سلسلہ میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ گورنر جنرل غلام محمد کے زمانے میں علماء نے متفقہ طور پر بائیس نکات پیش کردیے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء میں اختلاف نہیں تھا اور جو چیلنج مولانا کوثر نیازی صاحب نے دیا ہے ہم اس کو قبول کرتے ہیں اور علماء کے نزدیک مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں"۔

اس دن اسمبلی کی کارکردگی کے اختتام کے بعد ایم این اے ہوسٹل میں جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد مولانا شاہ احمد نورانی کے کمرے میں جمعیت کے سرکردہ راہنماؤں کا اجلاس ہوا۔ جس میں مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا محمد علی رضوی ایم این اے، مولانا غلام علی اوکاڑوی اور عبدالمصطفےٰ الازہری ایم این اے شریک ہوئے...... اس اجلاس میں مسلمان کی مختصر اور جامع تعریف تجویز کی گئی...... مجوزہ تعریف کا ڈرافٹ اپوزیشن کے دوسرے علماء کرام مولانا عبدالحکیم، مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالحق آف اکوڑہ خٹک کے پاس لے جایا گیا، جنہوں نے جمعیت علماء پاکستان کے اس ڈرافٹ کی توثیق کی اور یہ طے ہوا کہ اسمبلی میں یہ تعریف مولانا عبدالحق آف اکوڑہ خٹک پیش کریں گے۔

مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کو مسلمان کی جامع تعریف اسمبلی میں پیس کرنے کی

Marfat.com

ذمے داری اس لئے سونپی گئی کہ حکومت کو بتایا جاسکے کہ مسلمانوں کے تمام مکتبہ فکر اسی تعریف اور دیگر اہم معاملات میں متفق ہیں...... مولانا عبدالحق نے 17 اپریل کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے تجویز کردہ مسلمان کی تعریف پیش کی۔ جمعیت علماء پاکستان کی اس مجوزہ تعریف کو بعد میں 1973 کے آئین میں شامل کرلیا گیا جسے صدر اور وزیراعظم کے حلف کے ضمن میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے:۔

''میں قسم کھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ خدا اور اس کی آخری کتاب قرآن پاک پر مجھے پورا یقین ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میں قیامت کے دن، رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث اور قرآن پاک کے احکامات پر بھی ایمان رکھتا ہوں''۔

مولانا نورانی عوامی سیاست دان ہیں۔ اس لئے ہر قدم پر عوام کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اس اجلاس کے بعد حکومت پر عوامی دباؤ ڈالنے کیلئے انہوں نے گوجرانوالہ میں جلسہ عام سے خطاب میں اپنے عزم صمیم کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

''ہم اسمبلی کے اندر اور باہر اسلامی نظام کے نفاذ کے حق میں جدوجہد جاری رکھیں گے اور اس سلسلے میں کوئی طاقت ہمیں خرید نہیں سکتی''۔

مولانا نورانی نے عوام کو اسمبلی کی کارروائی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:۔

''ہم نے اسمبلی میں مولانا کوثر نیازی کے اس چیلنج کو قبول کرلیا تھا جو انہوں نے مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں کیا تھا اور کہا تھا کہ علماء کرام مسلمانوں کی تعریف کے بارے میں متفق نہیں ہیں...... اسمبلی میں تمام اسلامی جماعتوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر مسلمان کی جامع اور مکمل تعریف پیش کر کے ثابت کردیا تھا کہ علماء میں مسلمان کی تعریف اور اسلامی آئین کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ اسلامی نظام سے فرار کا بہانہ تلاش کرتے ہیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ ہم انہیں کوئی بہانہ بنانے کی اجازت نہیں دیں گے''۔

مولانا نے مسلمان کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''مسلمان وہ ہے کہ جو کتاب وسنت اور ضروریات دین پر یقین رکھتا ہو۔ اور قرآن کو ان تشریحات کے مطابق مانتا ہو جو سلف صالحین نے کی ہیں۔ نیز حضور ﷺ کو آخری نبی تسلیم

Marfat.com

کرتا ہو اگر اسلامی آئین میں مسلمان کی یہ تعریف شامل نہ کی گئی تو ہم ایسے آئین کو اسلامی آئین نہیں کہیں گے۔ بھٹو بار بار اسلام کے لئے جان قربان کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ قوم کو ان کی جان کی ضرورت نہیں۔ اس لئے فی الحال جان قربان نہ کریں...... بلکہ اسلام کے لئے شراب کے استعمال اور درآمد پر پابندی عائد کریں"۔

قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان نے جس طرح ایک موثر اور مثبت حزب اختلاف کا کردار ادا کیا، اسے ملکی پریس نے سراہا۔ روزنامہ سعادت کے تبصرے کے الفاظ یہ تھے:۔

"نظریۂ پاکستان کے لئے اس وقت صرف اور صرف جمعیت علماء پاکستان ہی مخلص اور مستعد ہے۔ مسلم لیگ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے اور اس کی بجائے اب صرف جمعیت ہی نظریۂ پاکستان کے حامیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے صدر بھٹو اگر پاکستان میں نظریۂ پاکستان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نظام کے خواہاں ہیں تو انہیں جمعیت علماء پاکستان کو ہر صورت میں اہمیت دینا چاہئے...... جمعیت اقتدار کے لئے پیپلز پارٹی کی رقیب یا حاسد نہیں۔ جمعیت کا مقصد پاکستان میں نظام ربوبیت قائم کرنا ہے"۔

تبصرہ نگار نے اپنے تبصرہ کے اختتام میں یہ لکھا:۔

"جمعیت علماء پاکستان کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ حکومت کی مخالفت ان امور میں کی جائے جو قرآن وسنت کے نفاذ میں حائل ہیں اور جب پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دے دیا گیا تو کم از کم ایسا اہتمام تو ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے اور یہاں مسلمان قوم آباد ہے۔

اگر ہمارے اطوار بھی غیر مسلموں جیسے ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمارا کس طرح مددگار ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل کی اہمیت ہے۔ صدر بھٹو کی یہ خوش نصیبی ہے کہ حزب اختلاف میں مولانا شاہ احمد نورانی جیسی شخصیت بھی موجود ہے۔ ان کی تنقید ہمیشہ تعمیری ہوگی اور تعمیری تنقید کا حکومت کو خیر مقدم کرنا چاہئے"۔

مولانا شاہ احمد نورانی پاکستان کے دستور کو دو قومی نظریہ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے حکومت پر عوامی دباؤ بڑھا رہے تھے۔ انہوں نے نشتر پارک کراچی میں بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اپنا موقف پیش کرتے ہوئے کہا:۔

Marfat.com

''پاکستان میں کوئی لادینی نظام نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا بلکہ یہاں صرف نظام مصطفیٰ کا سکہ چلے گا۔ علماء اہل سنت وطن عزیز کے اندر شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ اور انہیں عوام اہل سنت نے جس مقصد کے لئے اسمبلی میں بھیجا ہے، اسے پورا کرنے کے لئے ہر ممکن قربانی دیں گے''۔

برسر اقتدار آنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کی یہی خواہش رہی کہ ''بنگلہ دیش'' کو باضابطہ طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اور اس طرح مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علیحدگی کو بین الاقوامی محاذ پر مان لیا جائے۔ جبکہ کئی اسلامی ممالک نے پاکستان کی وجہ سے ابھی تک ''بنگلہ دیش'' کو تسلیم نہیں کیا تھا مولانا نورانی کا اس سلسلہ میں موقف یہ تھا کہ بنگلہ دیش کو ایک آزاد اور خود مختار ملک تسلیم نہ کیا جائے پاکستان کو دوبارہ متحد کرنے کے لئے کوششیں تیز تر کرنی چاہئیں اور عالمی اداروں میں اپنی آواز بھرپور انداز میں بلند کرنی چاہیئے۔ مولانا نے ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور میں 26 جون 1972ء کو شائع ہونے والے اپنے انٹرویو میں اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

''آئینی طور پر پاکستان کی سالمیت کو زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔ صدر بھٹو، اراکین اسمبلی، مسلح افواج کے سربراہان، سب نے پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھنے کا حلف اٹھایا ہے۔ عبوری آئین میں بھی مشرقی پاکستان اس ملک کا حصہ ہے۔ اسے علیحدہ کرنے کا کوئی مجاز نہیں۔ قومی اسمبلی پاکستان کو ٹکڑے کرنے کے لئے نہیں، پاکستان کو ایک رکھنے کی ذمے دار ہے۔ اگر ہم ''بنگلہ دیش'' کو تسلیم کر لیتے ہیں، تو پھر پاکستان کے نظریاتی طور پر معرض وجود میں آنے کا کوئی جواز نہیں رہتا''۔

اردو ڈائجسٹ جولائی 1972ء کے شمارے میں شائع شدہ انٹرویو میں بھی مولانا نورانی نے اس اہم معاملے پر اپنی رائے اس طرح پیش کی:۔

''دسمبر 1971ء کی جنگ کو ہرگز فیصلہ کن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ اس قسم کے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے جب کہ وقتی طور پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس وقت کے غیور اور باضمیر مسلمان حکمرانوں نے بالآخر اپنی وقتی شکست کو مستقل فتح میں بدل ڈالا۔ محمد غوری کی جدوجہد اس سلسلے میں ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ موجودہ صورتحال

Marfat.com

اپنوں کی غداری اور بے وقوفی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہماری چودہ سو سالہ روایات کا تقاضہ ہے کہ ہم اسے ایک عارضی سانحہ سمجھیں اور تلافی مافات کے لئے بھرپور جدوجہد کا آغاز کردیں۔ مجھے تعجب ہوتا ہے اس جنگ کو فیصلہ کن قرار دے کر گھٹنے ٹیک دینے والے لوگ وہ ہیں جو ہزار سال تک لڑنے کا اعلان کرتے تھے...... میں کہتا ہوں ہزار سال نہیں پانچ سو سال نہیں ایک سو سال اپنی جدوجہد جاری رکھو۔ بزدلی اور بے غیرتی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے''۔

1972ء کے وسط میں مسٹر بھٹو ہندوستان گئے۔ انہوں نے شملہ میں بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی سے مذاکرات کرنے کے بعد ایک معاہدے پر دستخط کئے جسے ''شملہ معاہدہ'' کا نام دیا گیا۔ اگرچہ پیپلز پارٹی کی حکومت کی طرف سے پروپیگنڈہ مہم میں یہ تاثر دیا گیا کہ اس معاہدے میں قومی وقار اور غیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس میں کوئی شق قابل اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس معاہدے میں بعض باتیں قومی سالمیت اور تحریک آزادی کشمیر کے منافی تھیں۔ جن کا مولانا شاہ احمد نورانی نے سختی سے نوٹس لیا۔ انہوں نے اپنے اخباری بیانات اور قومی اسمبلی کے خطاب میں شملہ معاہدے پر سخت تنقید کی اور اسے اعلان تاشقند سے بھی برا قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نے اس معاہدے کے ذریعے ہندوستان کی جارحیت کو تسلیم کرلیا۔ اس معاہدے میں پاکستان کے قومی مفادات کی قطعاً حفاظت نہیں کی گئی۔ مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کے بعد بھارت اس معاہدے کے ذریعے مغربی پاکستان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ سب کچھ امن کی آڑ میں ہوگا۔ مولانا نورانی نے مسٹر بھٹو کی انتخابی مہم کے حوالے سے کہا کہ بعض لوگ اعلان تاشقند کی مخالفت کے نام پر ہی برسر اقتدار آئے، لیکن اب انہی لوگوں نے شملہ جا کر ایک ایسے معاہدے پر دستخط ثبت کردیے ہیں جس کی رو سے حقیقت میں جموں و کشمیر کی جنگ بندی لائن کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اعلان تاشقند میں دونوں ملکوں نے جنگ بندی لائن سے اپنی فوجیں ہٹانے پر رضامندی ظاہر کی تھی...... لیکن اب جموں و کشمیر میں 17 دسمبر کی لائن آف کنٹرول کو ہی جنگ بندی لائن قرار دیا گیا ہے۔

مولانا نے ''معاہدۂ شملہ'' کے اہم نکات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا:۔

''1...... معاہدے کی وجہ سے اب پاکستان حریت پسند کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی حوصلہ افزائی نہیں کرسکتا۔ نہ ہی مشرقی پاکستان میں ''متحدہ پاکستان'' کی تحریک کو امداد دے سکتا ہے۔

2...... پاکستان اب بھارت کی رضامندی کے بغیر کشمیر کے تنازعہ کو سلامتی کونسل میں پیش نہیں

Marfat.com

کرسکتا۔ بھارت کبھی بھی پاکستان کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گا اور صرف بات چیت پر ہی اصرار کرے گا۔ اس طرح پاکستان عملاً کشمیر کے موقف سے دستبردار ہوگیا ہے۔

3 ...... شملہ معاہدے کے مطابق ثقافتی وفود کی آڑ میں بھارت اپنے جاسوس اور مداخلت کار پاکستان بھیجنا شروع کردے گا۔ جو باقی پاکستان کو بھی منتشر کرنے کے لئے کام کریں گے۔

4...... پاکستان نے بھارت کو ایسا امن پسند ملک تسلیم کرلیا ہے جو پرامن بقائے باہمی پر ایمان رکھتا ہے حالانکہ بھارت کی جارحیت سب پر عیاں ہے۔ مشرقی پاکستان کا المیہ ایک بین الاقوامی سازش کا نتیجہ ہے جس میں روس جیسی بڑی طاقت بھی شامل ہے''۔

اس طرح بھٹو حکومت کے اقدامات کا اسمبلی کے اندر اور باہر مولانا حقائق پر مبنی تجزیہ کرکے لحہ بہ لحہ عوامی شعور بڑھا رہے تھے۔

انہیں دنوں ملک کے لئے مستقل آئین کی تیاری کا کام جاری تھا...... کہ صوبہ سندھ میں پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت نے سندھی کو سرکاری زبان قرار دے کر لسانی فسادات کی راہ ہموار کی۔ بہت خون خرابہ ہوا۔ بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ قومی املاک کو نقصان پہنچا۔ اپوزیشن پارٹیوں نے سندھ اور خاص طور پر کراچی میں صورتحال کو معمول پر لانے کے لئے حتی الوسع کوششیں کیں۔ جمعیت علماء پاکستان کراچی میں ایک منظم اور عوامی حمایت یافتہ جماعت تھی اس کے رہنماؤں اور کارکنوں نے اپنی ذمے داری نبھاتے ہوئے لسانی فسادات کے جذباتی ماحول میں بھی اتحاد و اتفاق اور باہمی یگانگت کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو اوران کے وزراء یہ الزام عائد کررہے تھے کہ اپوزیشن پارٹیاں ملک کے خلاف سازش کررہی ہیں حکومت کے اس الزام کے جواب میں مولانا نورانی نے برملا کہا: ''حقیقت یہ ہے کہ حکمران پارٹی اور اس کے لیڈر ملک کے خلاف سازش کررہے ہیں۔ پیپلز پارٹی نے ''سندھو دیش'' کی طرف راستہ صاف کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کا المیہ سندھ میں دھرانے کی کوشش کی۔ کیا یہ ملک کے خلاف سازش نہ تھی؟ حکومت جی ایم سید کے ساتھ مصالحت کرنا چاہتی ہے۔ جس کے نظریات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ جی ایم سید کو غدار اور سازشی کیوں قرار نہیں دیا جاتا؟ بلکہ صدر بھٹو نے کراچی میں ایک بیان میں کہا ہے کہ وہ سندھیوں کی حمایت کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ پاکستان کے باقی ماندہ حصے اور عوام کے خلاف سازش ہے۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ عوام کے مطالبہ کے باوجود شائع نہیں کی جارہی کیا یہ بھی سازش نہیں؟ ساری

Marfat.com

قوم مطالبہ کررہی ہے کہ یحییٰ خان کے خلاف مقدمہ چلایا جائے سپریم کورٹ اسے غدار اور غاصب قرار دے چکی ہے۔ مگر حکمران پارٹی اسے پورا تحفظ دے رہی ہے۔ کیا یہ قوم کے خلاف سازش نہیں ہے؟

مولانا شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ جمہوری پارلیمانی طرز حکومت کی حمایت کی ہے۔ کیونکہ وہ ''نظام مصطفیٰ'' کے قیام کے لئے پارلیمانی نظام حکومت کو آج کے دور میں موثر ترین نظام سمجھتے ہیں آمرانہ نظام اور فرد واحد کی ڈکٹیٹر شپ کو وہ اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ اس میں اسلام کے تصور ''شورائیت'' کا عنصر باقی نہیں رہتا۔ اور قوم کا امور حکومت میں ''احساس شراکت'' ختم ہوجاتا ہے جس سے بے چینی اور افراتفری پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے مولانا شاہ احمد نورانی جب بھی پارلیمارنی نظام حکومت کے قیام کی بات کرتے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے ''نظام مصطفیٰ'' نافذ ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ خود عوامی رابطے پر اس لئے بہت زیادہ زور دیتے ہیں کہ اس طرح عوامی شعور کو بیدار کیا جائے کہ پاکستان کے عوام جن کی اکثریت صدق دل سے پاکستان میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ چاہتی ہے۔ ایسے مخلص اور باکردار افراد کو منتخب کرکے آگے لائے جو ان کی اُمنگوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

مولانا نورانی جمہوری پارلیمانی نظام ہی کو حرف آخر نہیں تصور کرتے بلکہ ان کا منتہائے نظر نظام مصطفیٰ ہے۔ اس لئے وہ ہر لحہ جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ مستقل آئین کی تیاری کے مراحل کے دوران انہوں نے یہی آواز بلند کی کہ ملکی آئین اسلامی نظام حیات سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ وہ سقوط مشرقی پاکستان کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ اسلام سے دوری بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے دین کو نافذ کرنے کا جو عہد کیا تھا اس سے بدعہدی کی۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اب باقی ماندہ پاکستان کا تحفظ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس ملک میں اسلامی آئین نافذ کرکے اللہ تعالی کے ساتھ کئے گئے دیرینہ وعدے کو پورا کیا جائے۔ ملک کے عوام کو چاہئے کہ وہ اب ''ہوجمالو'' کی بجائے ''ہوش سنبھالو'' کا نعرہ لگائیں...... اور ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی خاطر متحد ہوجائیں۔ کیونکہ اسی میں ہماری قومی یکجہتی کا راز پنہاں ہے۔

مستقل آئین کے لئے مولانا نورانی نے تین بنیادی تجاویز ہمیشہ دہرائیں اور اپنی تجاویز کے مطابق ملک کا آئین وضع کرنے کے مطالبے پر قائم رہے۔

Marfat.com

اکتوبر 1972ء میں ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن لاہور کی دعوت پر وکلاء کے اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اپنی دستوری تجاویز کی یوں وضاحت کی:۔

1...... پارلیمانی طرز حکومت 2...... ملک کا سرکاری مذہب اسلام 3...... دوایوانی مقننہ۔ مولانا نے اپنی تجاویز کی تشریح میں صراحۃً بیان کیا کہ اسلامی ریاست میں مرتد کی سزا موت ہونی چاہئے اور ہمارے آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر استوار ہونی چاہئے۔ ملک کے آئین میں یہ شق موجود ہونی چاہیے کہ جو مسلمان مذہب سے منحرف ہوگا اسے سزائے موت دی جائے گی اور ہماری جماعت غیراسلامی آئین کو قبول نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ پاکستان اسلام کے نام پرقائم کیا گیا تھا۔ تاکہ مسلمان دین اسلام کی اصل روح کے مطابق طرز حیات اپنائیں۔ اس ملک کے باشندوں کو پورا اختیار ہے کہ وہ اسلامی آئین کا مطالبہ کریں۔ ہم اسمبلی کے باہر اور اندر مستقل جدوجہد کریں گے اور غیراسلامی آئین کی ہر کوشش کی ڈٹ کر مخالفت کی جائے گی۔ گزشتہ ربع صدی سے طرح طرح کی رخنہ اندازی کی جارہی ہے اور ملک اب تک اسلامی آئین سے محروم رہا ہے۔

ڈیفنس آف پاکستان رولز پر انہوں نے کہا:۔

ملک کے تحفظ کی بجائے اس قانون کو برسراقتدار لوگوں کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ آج کل سی آئی اے کے آلہ کار، بھارتی جاسوس اور تخریب پسند عناصر ملک بھر میں دندناتے پھیرتے ہیں۔ انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ دوسری طرف برسراقتدار ٹولے کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف قانون بڑی تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے۔ ڈیفنس آف پاکستان رولز دراصل ''ڈیفنس آف پریزیڈنٹ رولز'' بن کر رہ گیا ہے۔

ملک کے لئے آئین کی تیاری کے مرحلے میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے آئین سازی کے لئے ارکان قومی اسمبلی پر مشتمل جو کمیٹی قائم کی تھی اس میں اپوزیشن کی پارٹیوں کے رہنما بھی موجود تھے...... جنہوں نے کمیٹی کے اجلاس میں اپنی اپنی آئینی تجاویز پیش کیں۔ اس سلسلے میں مسٹر بھٹو اور اپوزیشن رہنماؤں کے مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات میں مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی آئینی تجاویز سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا اور مذاکرات کی میز پر بھٹو کو قائل کرلیا۔ بھٹو جیسا ذہین سیاستدان بھی مولانا نورانی کی آئین تجاویز میں نقص نہ نکال سکا۔ نتیجۃً آئین سازی کے ضمن میں ایک ایسا فارمولا مرتب کیا گیا جس سے حزب اقتدار اور حزب

اختلاف نے اتفاق کیا اس فارمولے کی روشنی میں ایک ''آئینی سمجھوتہ'' پیپلز پارٹی اور اپوزیشن پارٹیوں کے درمیان ہوا۔ جس پر 20 اکتوبر 72ء کو دستخط ہوئے۔ اس آئینی سمجھوتے میں ان متفقہ امور کی نشاندہی کی گئی تھی جن کی مطابق آئین سازی کی جانی تھی۔ 45 دفعات پر مشتمل 170 صفحات کے اس مسودے سے یہ بات عیاں تھی کہ اپوزیشن آئین سازی میں خصوصی دلچسپی لے رہی ہے۔ دراصل اپوزیشن کے راہنماؤں نے پیپلز پارٹی کے مجوزہ آئین میں 200 سے زائد ترامیم پیش کی تھیں۔ لیکن بالآخر 45 دفعات پر فریقین کا باہمی سمجھوتہ ہوگیا۔ اس مرحلے میں مولانا شاہ احمد نورانی نے جو ترامیم پیش کیں ان کا ریکارڈ اتنا ضخیم ہے کہ اس کی مدد سے آئین اور آئین سازی سے متعلق ایک علیحدہ کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے۔

اپوزیشن اور حکومت کے درمیان آئینی سمجھوتے کے بعد توقع کی جارہی تھی کہ آئین فی الحقیقت ایک متفقہ اور غیر متنازعہ ہوگا۔ باہمی افہام وتفہیم کے اسی جذبہ کو برقرار رکھا جائے گا۔ مگر جب پیپلز پارٹی نے آئین کا مسودہ تیار کیا۔ اس میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان طے پائے گئے آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کرکے باہمی اعتماد کو مجروح کیا گیا تو مولانا نورانی نے اسے سنگین وعدہ خلافی قرار دیا اور اپوزیشن کے دیگر راہنماؤں نے بھی اس طرز عمل کی مذمت کی۔ جبکہ حکومت نے یہ تاثر دیا کہ حزب اختلاف کی جماعتیں آئین سازی میں دلچسپی نہیں رکھتیں اور وہ الزامات لگا کر حکومت کو بدنام کررہی ہیں۔ جمہوری روایت کے مطابق اب ضروری تھا کہ عوام کو اعتماد میں لیا جائے اور انہیں صحیح صورتحال سے آگاہ کیا جائے تاکہ انہیں معاہدے کے خدوخال کا علم ہوسکے۔ لہذا حکومت کو مجبوراً اپوزیشن لیڈروں کو ریڈیو اور ٹی وی پر آکر پاکستانی عوام سے خطاب کرنے کی دعوت دینا پڑی۔ جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد کی حیثیت سے مولانا شاہ احمد نورانی نے 31 جنوری 1973 کو ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے آئینی سمجھوتے کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی، مولانا نے عوام کو بتایا کہ حکومت نے کس طرح آئینی سمجھوتے کی دھجیاں بکھیریں ہیں اور کن کن معاملات میں طے شدہ اصولوں کی خلاف ورزیاں کی گئی ہیں۔ اس طرح حکومت باہمی اعتماد سے ترتیب شدہ آئینی سمجھوتے سے روگردانی کی مرتکب ہوئی ہے۔ مولانا نورانی نے ایک ایک پہلو پر تفصیل سے اظہار خیال کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب کے آغاز میں آئینی سمجھوتے میں موجود اسلامی دفعات سے انحراف کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ آئینی سمجھوتے میں 29 سے لے کر 43

Marfat.com

دفعات تک اسلام سے متعلق ہیں۔ جس میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب بنانے اور ملک میں مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ کرنے کا تذکرہ تھا۔ انہوں نے بڑے افسوس سے اس بات کا تذکرہ کیا کہ آئین میں ان تمام موجودہ قوانین کو جو غیر اسلامی ہیں، اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے اور ان کو موثر طور پر نافذ کرنے کی ضمانت موجود نہیں ہے اور ہمیشہ کی طرح اسلام کو زیب داستان کے لئے حسین قسم کے دستوری چوکھٹے میں سجانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اسے عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے اور ملک میں کتاب وسنت کے خلاف قوانین کے خاتمے کے لئے آئین میں کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے سے کہا:

''یہ جس طرح سے پہلے غیر موثر ادارہ تھا ایسے ہی دستور میں اب بھی اس کو غیر موثر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ وہ صرف اس وقت مشورہ دے سکتا ہے جب اس سے مشورہ طلب کیا جائے۔ وہ صرف اسی وقت ہی اپنی رائے ظاہر کرسکتا ہے جب اس سے رائے پوچھی جائے''۔

مولانا نے اسلامی حکومت میں فرد کی مذہبی آزادی کے ضمن میں کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ملک میں رہنے والے جتنی بھی غیر مسلم اقلیتیں ہیں، ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مسلمان اپنے مذہب کو تبدیل کرلے مسلمان ہونے کے بعد پابند ہے کہ وہ مسلمان ہی رہے گا۔ اپنے مذہب کو تبدیل کرتا ہے تو وہ مرتد ہوجاتا ہے۔ دستور میں مسلمان کے مرتد ہونے کی ممانعت کی کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔ ہر شہری کو اس بات کے لئے آزادی ہے۔ لیکن اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مسلمان اپنے مذہب کو تبدیل کرے۔ دستور کہ جس میں یہ دفعہ موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ آپ اس کو اسلامی کیسے کہہ سکتے ہیں؟

مولانا نورانی نے اسلامی آئین سے حکمرانوں کے فرار سے متعلق اپنے تجزیے میں کہا کہ چونکہ حکمران اپنی عملی زندگی میں اسلام نافذ نہیں کرسکتے۔ اس لئے وہ اسے دستوری تحفظ دینے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ حکمران سمجھتے ہیں کہ اگر اسلامی قوانین واحکامات کو نافذ کردیا گیا تو انہیں اپنی بداعمالیوں کو چھوڑنا پڑے گا اور انہیں اپنی نجی زندگی کی اصلاح کرنا پڑے گی۔ مگر ایسا

Marfat.com

کرنے کی بجائے وہ پاکستان کے مسلمانوں کی نجی اور اجتماعی زندگی اور اسلامی سوسائٹی کو خراب کرنے کے درپے ہیں۔

اسلامی دفعات سے متعلق طے شدہ امور کی بدعہدی کے تذکرے کے بعد مولانا نے بنیادی حقوق سے متعلق دفعات پر اظہار خیال کیا۔انہوں نے بتایا کہ آئینی سمجھوتے میں یہ بات واضح طور پر لکھی گئی تھی کہ تمام بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کا تحفظ کیا جائے گا۔مگر دستور میں انہیں ایک ہاتھ سے دیا گیا اور پھر فوری طور پر چھین لیا گیا ہے اور فرد کی آزادی کو محدود کردیا گیا ہے۔مولانا نے Preventive Detention کو شہری کے بنیادی حقوق اور آزادی کی اقدار پر بہت بڑا ڈاکا قرار دیا۔مولانا نورانی نے بلاخوف وخطر برسراقتدار طبقے پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

''حکمران جماعت شہری آزادیوں کے لئے مسلسل چلاتی رہی۔عوام میں جا کر مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتی رہی کہ ہم آزادی کے سب سے بڑے علمبردار ہیں ان شہری آزادی کے علمبرداروں کے ہاتھوں انتہائی افسوسناک طریقہ سے شہری آزادی اور حقوق پامال ہوتے رہے ہیں۔اس لئے مولانا نورانی نے شہریوں کی نظر بندی کے وسیع اختیارات دستور میں شامل کرنے پر یہ خدشہ ظاہر کیا کہ حکومت شہری آزادیاں سلب کرنا چاہتی ہے اور حکمران جماعت ہمیشہ کے لئے شہری حقوق چھیننا چاہتی ہے۔اس طرز عمل کا مظاہرہ وہ اپنے دور حکومت میں مسلسل کرتے رہے ہیں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ اسلام میں فرد کی آزادی خودمختاری اور عزت نفس کا اتنا احترام ہے کہ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی اور اگر حکومت شہریوں کے حقوق پامال کرنے کے بعد بھی اس دستور کو اسلامی اور جمہوری کہتی ہے تو یہ بڑے شرم کی بات ہے''۔

مولانا نورانی نے حکومت کو یاد دلایا کہ آئینی سمجھوتے میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ قومی اسمبلی دوسو ممبران پر مشتمل ہوگی اور سینٹ (ایوان بالا) کے ساٹھ ممبران ہوں گے اس وجہ سے اب قومی اسمبلی کے ازسرنو انتخاب ضروری ہوگئے ہیں۔ تاکہ قوم اپنے دوسو نمائندوں کو چن سکے اور اس طرح قوم نئے دستور کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرسکے گی۔مولانا نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ہمیں اب یہ کہا جارہا ہے کہ شق پر پانچ سال بعد یعنی 1977ء میں عمل کیا جائے گا۔حکومت کا یہ استدلال بڑا مضحکہ خیز ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نئے انتخابات سے ہی نئے دستور پر عوام کے اعتماد کا اظہار ہوگا اور حکومت کہہ سکتی ہے کہ اس نے جو دستور بنایا اسے عوامی

Marfat.com

منظوری حاصل ہوگئی ہے۔ ایسا دستور جس کو عوامی منظوری حاصل ہو، اس کو پائداری حاصل ہوتی ہے اور وہ باقی رہتا ہے۔ ورنہ وہ دستور جس کو عوام کی حمایت اور اعتماد حاصل نہ ہو، اسے عوامی دستور نہیں کہا جاسکتا وہ چند افراد کا بنایا ہوا دستور کہلائے گا اور ایک فرد یا چند افراد کا بنا ہوا جو دستور ہوتا ہے اس کا حشر ہم ماضی کی تاریخ میں دیکھ چکے ہیں۔

مولانا نے اپنی پارٹی کی پالیسی ان الفاظ میں بیان کی:۔

''ہم نہیں چاہتے کہ اس دستور کا بھی وہی حشر ہو جو ماضی کے تمام دساتیر کا ہوتا رہا ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ دو سوسیٹیں جو آپ نے مقرر کی ہیں ان پر فوری طور پر الیکشن کرائیے۔ ہمیں عام طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صاحب! الیکشن ہم کیوں کرائیں؟ جب ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے تمام ممالک میں یہ Tradition ہے۔ یہ طریقہ ہے کہ جب بھی کوئی نیا دستور بناتے ہیں اس دستور کے مطابق نیا الیکشن کراتے ہیں اور اس سے عوام کی منظوری مل جاتی ہے۔ تو ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی مثال دیجئے۔ آئین ساز کمیٹی میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ چنانچہ میرے دلائل آئین ساز کمیٹی کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں میں نے اس وقت عرض کیا کہ دنیا کے تمام ممالک نے اور ہمارے ہی ہمسایہ ملک بھارت نے 1948 میں نیا دستور نافذ ہونے کے فوراً بعد الیکشن کرایا۔ اب نام نہاد بنگلہ دیش میں بھی نیا دستور بن گیا ہے اور نافذ ہوگیا ہے اس کے مطابق وہاں مارچ میں الیکشن ہورہے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ یہاں بھی تو لوگ کہتے ہیں کہ نیا پاکستان ہے۔ جب نیا پاکستان ہے تو نئے پاکستان کا نیا دستور ہے تو نئے الیکشن بھی ہونے چاہئیں''۔

مولانا نے سینٹ کی سیٹوں کے معاملے میں کی گئی بدعہدی کا ذکر کیا: ''کیونکہ سمجھوتے میں طے شدہ ساٹھ سیٹوں کی بجائے دستوری مسودے میں چوالیس (44) سیٹوں کی گنجائش رکھی گئی تھی''۔

مولانا نے اپنے نشری خطاب میں آزاد عدلیہ کی اہمیت پر زور دیا اور عدلیہ کی آزادی کو محدود کرنے کی حکومتی کوششوں پر سخت تنقید کی۔ انہوں نے قوم کو بتایا کہ آئینی سمجھوتے میں آزاد عدلیہ کے تصور کی بات کی گئی تھی اور عدلیہ کو قوانین پر عمل درآمد کرانے کے اختیار کا ذکر کیا گیا تھا۔ نیز عدلیہ کے معزز جج صاحبان کو مکمل آئینی تحفظ دینے کے متعلق طے کیا گیا تھا۔ تاکہ عدلیہ کے معزز اراکین اپنے آپ کو محفوظ سمجھیں۔ بیوروکریسی ان سے اپنے احکام کی تعمیل نہ

Marfat.com

کرائے۔ بلکہ ان کا اپنا بجٹ ہو ان کے اپنے اختیارات ہوں ان کی باقاعدہ علیحدہ سروس ہو، ان کا اپنا سیکریٹریٹ ہو، ایڈمنسٹریشن ہو، جج صاحبان جس طرح چاہیں کورٹس، ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے انتظامات کو چلائیں۔

انہوں نے مزید کہا:۔

''عدلیہ کو اتنا بااختیار ہونا چاہئے کہ پاکستان کے ہر حصے پر اس کے احکام کی تعمیل ہوسکے۔ یہاں اس دستور میں حکومت نے ایک بڑا عجیب وغریب فیصلہ کیا جو قطعاً آئینی سمجھوتے کی روح کو ختم کردیتا ہے آئینی سمجھوتے کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیتا ہے ٹریبونل اور انتظامی کورٹس عدلیہ کے اختیارات سے بالکل باہر ہیں۔ تو ظاہر ہے یہ تو عدلیہ کی آزادی کا مذاق اڑایا گیا''۔

الیکشن کمیشن کے بارے میں مولانا نورانی نے کہا:۔

''الیکشن کمیشن کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ الیکشن کمیشن اگرچہ غیرجانبدار ہے، پوری انتظامی مشنری باقاعدہ چیف الیکشن کمیشن کے ماتحت ہے۔ اس کا اپنا بجٹ ہے۔ اس کے اپنے اختیارات ہیں تو ظاہر ہے وہ انتہائی غیرجانبدارانہ طور پر کام کرسکتا ہے لیکن اس کے اختیارات بالکل محدود ہوں، اس کے تقرر میں گڑبڑ ہو، اس کے مالی اختیارات اسے نہ حاصل ہوں تو وہ اپنے اختیارات کو صحیح معنوں میں بروئے کار نہیں لاسکتا اور جیسے چاہے عملدرآمد نہیں کرسکتا۔ الیکشن کمشنر کے تقرر کے سلسلے میں وزیراعظم جسے چاہے الیکشن کمشنر مقرر کردے اور جب وزیراعظم الیکشن کمشنر مقرر کرے گا تو پھر اس ملک میں انتخابات کا حشر کیا ہوگا ؟ آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں اور ابھی حال ہی میں ایک سال کے عرصے میں جو ضمنی انتخابات ہوئے ہیں ان کا حشر آپ نے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس کے گواہ ہیں کہ لائل پور (فیصل آباد) میں جہاں ضمنی انتخابات ہوئے وہاں کیا کیا دھاندلیاں ہوئی ہیں اور کس طرح لوگ چلاتے کراہتے رہے۔ بے چینی سے انتظار کرتے رہے کہ ہم آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرسکیں۔ لیکن کچھ نہیں ہوا۔ انتظامیہ نے پوری طرح دھاندلی کی۔ الیکشن کمیشن اپنے آپ کو بے حس پاتا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ الیکشن کمیشن کو دستور میں مکمل تحفظ دیا جائے تاکہ ملک میں آزادانہ حیثیت سے آزادانہ طور پر الیکشن کراسکے۔ آئینی سمجھوتے میں یہ بات کی گئی تھی اس پر دستخط کیے گئے تھے لیکن مسودۂ دستور میں اس کی دھجیاں اڑادی گئیں۔ بہت بڑی بدعہدی کی گئی''۔

Marfat.com

دستور میں مارشل لاء کے احکامات کو جس طرح تحفظ دیا گیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا۔

''آئینی سمجھوتے میں کہیں یہ بات نہیں تھی کہ مارشل لاء کے نافذ کردہ کسی بھی فیصلے اور قانون کو تحفظ دیا جائے گا۔ لیکن افسوس اور بڑے دکھی دل سے میں یہ بات عرض کروں گا کہ مارشل لاء کے جابرانہ اور ظالمانہ قوانین کو تحفظ دیا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے افراد اور خاص طور پر حکمران جماعت ماضی کے ان دو بڑے ڈکٹیٹروں کو غدار اور آمر کہتے تھکتے ہی نہیں تھے کہ صدر ایوب ایسے تھے، صدر یحییٰ ایسے تھے، لوگ ان کو برا کہتے نہیں تھکتے۔ لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ حکمران جماعت جو ان کی خدمت کرنے کے بعد، ان کے خلاف منظم تحریک چلانے کے بعد، ان کا تختہ الٹنے کے بعد، برسراقتدار آئی تھی، وہی حکومت آج ان آمروں ظالموں اور غاصبوں کے آمرانہ قوانین کو اس جمہوری دستور میں تحفظ دے رہی ہے۔ دنیا کے سامنے جب ہم اس دستور کو پیش کریں گے کہ ہم نے مارشل لاء کو اس جمہوری دستور میں تحفظ دیا ہے تو دنیا ظاہر ہے یہی کہے گی کہ اگر آپ کو مارشل لاء قوانین کو تحفظ ہی دینا تھا تو پھر آپ کو جمہوری دستور بنانے کی ضرورت کیا تھی؟ مارشل لاء چلاتے رہتے۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حکمران جماعت کو مارشل لاء کے قوانین سے کتنی محبت ہے۔ مارشل لاء سے کتنا لگاؤ ہے کہ مارشل لاء لگانے والے چلے گئے۔ لیکن وہ جو یادگار چھوڑ گئے ہیں اس یادگار کو حکمران نہیں چھوڑنا چاہتے''۔

مولانا شاہ احمد نورانی کا قوم سے یہ خطاب نہایت جامع اور مدلل تھا۔ انہوں نے ان تمام مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی جو صاف ستھری جمہوریت کو پروان چڑھانے کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ انہوں نے پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:۔

''پولیٹکل پارٹیز ایکٹ 1962ء میں نافذ ہوا تھا اور مارشل لاء کے دور کی یادگار ہے لیکن اسے دستور میں تحفظ دیا گیا''۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہر فرد کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے، پارٹی بنانے کا حق حاصل ہوگا، شہری آزادی کے حقوق بھی اس کو حاصل ہوں گے وہ جو پارٹی چاہے بنائے۔ جس پارٹی میں چاہے شریک ہو۔ ایک طرف تو اس دستور میں یہ تحفظ دیا گیا ہے اور دوسری جانب پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کے ذریعے تمام اختیارات لے لئے گئے اب وہ پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کے

تحت پابند ہے اور جس جماعت سے وہ بدگمان ہے یعنی جس جماعت پر اب اسے اعتماد نہیں رہا ہے، اس جماعت کو وہ اب چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر چھوڑے تو سیٹ بھی جاتی ہے۔ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے سلسلہ میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہم لوگ اس کی مخالفت اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکمران جماعت کے لوگ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ٹوٹنے کے بعد زیادہ سے زیادہ حکمران جماعت سے نکل آئیں اور اس طرح حکومت کمزور ہو جائے گی۔ میں یہ یقین دلاتا ہوں ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی طرح بھی کسی آدمی کو، اس کی کسی بھی حیثیت کو چیلنج کیا جائے یا اس کے حقوق اور اختیارات غصب کئے جائیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ آئینی ذریعے اور آئینی طریقہ اختیار کیا جائے اور ہر شخص کو یہ جمہوری حق دیا جائے کہ وہ جمہوری انداز میں تنقید کر سکے۔ جمہوری انداز اختیار کئے جائیں۔ آخر میں مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے خطاب میں قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

''اس وقت ہم تاریخ کے جس نازک بحران سے گزر رہے ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ متحد ہو کر ملکی سالمیت، قومی وقار اور فکری ہم آہنگی کے لئے جدوجہد کی جائے اور بے بنیاد الزامات سے ہر ممکن گریز کیا جائے۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ حکمران پارٹی اور اس کی پروپیگنڈہ مشینری جسے اس وقت تصویر کا صحیح رخ پیش کرنا چاہیے، اس بے بنیاد پروپیگنڈے میں مصروف ہے کہ حزب اختلاف سمجھوتے سے منحرف ہو گئی ہے۔ حالانکہ ہر شخص آسانی سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر ہم کوئی آئینی بحران پیدا کرنا چاہتے، ہم دستور کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالنا چاہتے تو ہم افہام و تفہیم کے ذریعے متفقہ فیصلے تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کرتے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم قومی مفاد کو ذاتی، جماعتی مفاد پر ترجیح دیں۔ ہمیں اپنے لئے اور ملک کے لئے خود کو قربان کرنے کے جذبے سے سرشار ہونا چاہیے۔ میں عوام کے توسط سے حکمران جماعت سے اپیل کروں گا کہ آیئے ہم اپنی قوم کی بے یقینی کو دور کرنے کی جدوجہد کریں اور قوم کو اپنی رسوائیوں کا بدلہ لینے کے لئے تیار کریں۔ جہاں تک میرا اور میری جماعت جمعیت علماء پاکستان کا تعلق ہے ہمارے نزدیک پاکستان خدا کی عطاء کی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا فرض ہے کہ سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر نظام مصطفٰے کی روشنی میں اس ملک کو ایک سچی اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی کوشش کی جائے...... اور تصادم، کشمکش، بے یقینی اور بے چینی کی بجائے اس قوم کے جذبہ تعمیر کو اجاگر کیا جائے اور اس مقصد کے لئے ہم اپنے ہم وطنوں

Marfat.com

کو یقین دلاتے ہیں کہ بڑی سے بڑی قربانی سے بھی ان شاء اللہ وطن عزیز کے تحفظ کے لئے ہم کبھی دریغ نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

مولانا نورانی کے قوم سے خطاب کے بعد ریڈیو، ٹی وی پر ہی براہ راست سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

مولانا سے سب سے پہلا سوال کیا گیا کہ کیا جمہوریت کا پہلا سبق یہ نہیں ہے کہ اکثریت کی رائے کا احترام کیا جائے؟ مولانا نورانی نے برجستہ جواب دیا:۔

''جی ہاں! لیکن اکثریت اگر اپنے آپ کو کسی چیز کا پابند کرے تو ظاہر ہے کہ وہ اس رائے کی پابند ہوگئی تو اس سے لازمی طور پر انحراف نہیں کرنا چاہئے''۔ جب یہ کہا گیا کہ جس قسم کے الزامات عائد کئے جارہے ہیں پیپلز پارٹی ان تمام الزامات کو تسلیم نہیں کرتی...... اس کے حل کے طور پر مولانا نورانی نے یہ تجویز پیش کی:۔

''اس الزام تراشی کا صحیح جواب یہی ہے کہ ہر دو فریق ریڈیو، ٹیلی ویژن پر بیٹھ جائیں اور قوم کے سامنے اس بات کا فیصلہ کردیا جائے کہ کس نے کہاں بدعہدی کی ہے''۔

سوال کیا گیا کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ افہام و تفہیم سے کام لے کر متفقہ فارمولے کی ضرورت ہے۔ تو آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ خود حزب اختلاف کتنے معاملات میں متفق ہے۔ اور اگر حزب اختلاف پر ہی چھوڑتے ہوئے اکثریتی پارٹی اپنے آپ کو آئین سازی کے معاملات سے الگ کرے تو کیا حزب اختلاف کوئی متفقہ فارمولا تلاش کرسکتی ہے؟

مولانا شاہ احمد نورانی نے واضح کیا:۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حزب اختلاف کن باتوں پر متفق ہے تو آئینی سمجھوتہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ حزب اختلاف میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور وہ متفق تھی۔ آئینی سمجھوتے سے سبھی نے اتفاق کیا تھا''۔

''مسودہ آئین میں جو جائیداد کو بلا معاوضہ تحویل میں لینے کے سلسلے میں قانون سازی کا اختیار پارلیمنٹ کو دیا گیا ہے آپ کی جماعت کا موقف اس سلسلے میں کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولانا نورانی نے بتایا:۔

''میری جماعت کا موقف بالکل واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ جائیداد جو غیر قانونی ذرائع سے حاصل کی گئی ہو یا وہ دولت جو غیر قانونی ذرائع سے جمع کی گئی ہو اس کو ضبط کرلیا جائے''۔

Marfat.com

''لیکن آپ نے اپنے اختلافی نوٹ میں ایسی کوئی وضاحت نہیں کی اوراس کی بجائے یہ مطالبہ کیا ہے کہ جائیداد کی ضبطی سے متعلق پورا آرٹیکل حذف کردیا جائے۔

مولانا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا:۔

''آرٹیکل کو اس لئے حذف کرلیا جائے کہ اس آرٹیکل میں حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ہر قسم کی جائیداد کو ضبط کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایسی چیز ہو کہ وہ ہر جائیداد جو خلاف قانون غیر آئینی ذرائع اور حرام روزی سے جمع کی گئی ہو ضبط کرلی جائے اور حلال روزی سے کمائی گئی جائیداد کو باقی رہنا چاہئے''۔

حزب اختلاف کے دیگر لیڈروں مفتی محمود، غوث بخش بزنجو اور سردار شیر باز مزاری کے حوالے سے پوچھا گیا کہ ان حضرات نے آئین سازی کے فوراً بعد نئے انتخابات کے مطالبے سے اختلاف کیا ہے۔ اس کے متعلق اپنے مطالبے کے ضمن میں مولانا نورانی گویا ہوئے۔

''ہر شخص کا اپنا اپنا خیال ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس وقت وہ انتخابات نہ چاہتے ہوں اور کہتے ہوں کہ ٹھیک ہے پہلے دستور تو بناؤ۔ یہ ایک مقصد ہوا کرتا ہے اور بعض جماعتیں ایسی ہیں جن کا باقاعدہ ایک منظم پروگرام ہے۔ ان کی وسعت نظر ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ملکی حالات کا تقاضہ کیا ہے وہ اس وقت کے کہنے کی بعض باتیں بھی کہہ دیتے ہیں اور مستقبل کے کہنے کی بعض باتیں بھی...... اور بعض جماعتیں ایسی ہیں جو اس وقت کے کہنے کی باتیں اس وقت کہتی ہیں اور مستقبل کی باتیں اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے وہ آگے چل کر ظاہر کردیں گی...... سیاست میں عام طور پر یہی ہوتا ہے۔

سوال کرنے والے نے کہا۔ جیسے آپ حال اور مستقبل پر نظر رکھنے کی بات کہہ رہے ہیں، میں سمجھ رہا ہوں کہ اس سے بہر حال اس قوم کو تو بہت زیادہ خوشی نہیں ہورہی''۔

مولانا نے فوراً جواب دیا:۔

''قوم بڑی خوش ہوگی...... قوم کو ایسے سیاسی راہنماؤں کی ضرورت ہے جن کی حال پر بھی نظر ہو اور مستقبل پر بھی جو ماضی سے سبق لیں''۔

''میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کس کس کو اور کس کس طرح سے مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ کے خیال میں مسودہ آئین یا کسی آئین کی منظوری کے لئے صد فی

Marfat.com

صد اتفاق رائے ضروری ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے، سوال کنندہ اس سوال سے یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ حکومت عجیب قسم کے مخمصے میں مبتلا ہے کہ کس کس کی بات کو اہمیت دے۔ لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ ایک معاہدہ ہو چکا تھا جس پر حکومت اور اپوزیشن متفق ہو چکی تھیں۔ مولانا نورانی نے اس معاہدے کی طرف ایک دفعہ پھر توجہ مبذول کرائی:۔

''کس کو کہاں اور کس طریقہ پر متفق کیا جائے اس کی ضرورت نہیں 170 صفحات کا جو آئینی سمجھوتہ ہے...... اور اس میں جس قدر دفعات ہیں اس کی ایک ایک دفعہ پر عمل کر لیا جائے...... سارا اختلاف یہی ہے...... کہ آئینی سمجھوتے پر عمل نہیں ہو رہا۔ آئینی سمجھوتے میں کل 45 دفعات ہیں ان پر اتفاق کر لیا جائے''۔

سوال کنندہ نے جب یہ کہا کہ دستوری مسودہ پارلیمانی نظام حکومت کے مطابق ہے۔ تو مولانا نورانی نے اس دستوری مسودے پر اپنی رائے یوں ظاہر کی:۔

''میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں (دستوری مسودے میں) پارلیمانی نظام اس قسم کا ہے کہ شاید اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں نہ ملے۔ اس لئے کہ اس پارلیمانی نظام میں وزیراعظم کی ذات کو اتنا عظیم بنا کر رکھ دیا گیا ہے کہ اس کے گرد پورا پاکستان گھومتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اس کی ذات ایسا محور ہے کہ گھوم پھر کر سب وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ جیسا کہ لائل پور، (فیصل آباد) شہر کے بیچ میں گھنٹہ گھر ہے۔ آپ کسی بھی راستے سے نکلتے ہوئے چلے جائیں گھنٹہ گھر پر پہنچ جائیں گے۔ اس طرح اس دستور میں وزیراعظم کو ایک گھنٹہ گھر بنا دیا گیا ہے اور گھوم پھر کر ساری مشینری خواہ وہ عدلیہ کی ہو، انتظامیہ کی ہو، صدارت کی ہو، پارلیمنٹ کی ہو، اسمبلی کی ہو، سب گھوم کر اسی طرف آجاتی ہیں جو اصل میں پارلیمانی روح کے منافی ہے''۔ مولانا نورانی کے اس تبصرے کے بعد جب وزیراعظم کی بالادستی کی مثال کے بارے میں پوچھا گیا تو مولانا نے بتایا:۔

''سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے انتخابات کے بعد اگر سپریم کورٹ میں کسی قسم کی بدعنوانی ہوتی ہے تو سپریم جوڈیشل کونسل کی بجائے پارلیمنٹ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ بحث و مباحثہ کے بعد کثرت رائے سے عدلیہ کے کسی بھی رکن کو نکال سکتی ہے۔ اس طرح عدلیہ اس سیاسی جماعت کے ماتحت ہوگی جس کو اکثریت حاصل ہے۔ مولانا نورانی نے اس موضوع پر اپنی تفصیلی گفتگو کے آخر میں کہا۔'' موجودہ مسودہ آئین میں ٹریبونل اور ایڈمنسٹریٹو پر عدلیہ کو بالکل

Marfat.com

اختیار ہی نہیں۔ یہ کیسی آزادی ہے کہ عدلیہ کو پاکستان میں اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں۔ (Courts) اور (Judicial Courts) پر اپنا فیصلہ نافذ نہیں کر سکتی۔

سوال کنندہ کی دلیل تھی کہ ایڈمنسٹریٹر کورٹس اور ٹریبونل بھی تو عدلیہ کا حصہ ہیں۔ مولانا نورانی نے اس بودے استدلال کو مسترد کرتے ہوئے کہا:۔

''اگر عدلیہ ہی کا ایک حصہ ہیں تو عدلیہ کا ہی ایک حصہ ہائی کورٹ بھی ہے۔ لیکن ہائی کورٹ میں اگر کسی کے خلاف کوئی فیصلہ ہوتا ہے تو اس کی اپیل سپریم کورٹ میں ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں (ایڈمنسٹریٹر کورٹس اور ٹریبونل) کے فیصلوں کے خلاف اپیل کرنے کا حق ہی نہیں دیا گیا۔ مطلب یہی ہوا کہ یہ عدلیہ سے باہر ہیں''۔

مولانا نورانی کے اس منطقی جواب کے جواب میں سوال کنندہ نے کہا کہ یہ عدالتیں تو خاص مقاصد کے لئے قائم کی گئی ہیں اور ان کا مقصد معاملات کا جلد تصفیہ ہے۔ اس پر مولانا بولے:۔

''جس مقصد کے لئے بھی قائم کی جائیں اس کو سپریم کورٹ کے ماتحت ہونا چاہئے۔ کسی بھی شہری کو اس بات کا حق ہے کہ اگر کسی عدالت نے اس کے خلاف کوئی فیصلہ دیا ہے اور وہ اس سے مطمئن نہیں ہے تو عدالت عالیہ میں اس کی اپیل کر سکے۔ عدالت عالیہ سے مطمئن نہیں ہے تو عدالت عظمیٰ میں اپیل کر سکے۔ دونوں عدالتوں میں سے کسی جگہ تو اپیل کا حق دینا چاہئے، تاکہ وہ مطمئن ہو سکے''۔ مولانا نورانی نے عدلیہ کی آزادی سے متعلق اپنی پالیسی دو ٹوک انداز میں پیش کی۔ عدلیہ کے معاملات کے بعد دستور کی اسلامی دفعات سے متعلق گفتگو کا رخ بدلا تو مولانا نورانی نے اس سلسلے میں دستوری معاہدہ اور دستوری مسودہ کے تضادات کو واضح کرتے ہوئے بتایا: ایک طرف تو لکھا ہے۔

All existing Laws shall be brought in conformity with the injuction of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah. In this part Refer to that injuction of Islam and now how shall be injected which is repugnant to such infection.

مگر آگے چل کر دیکھیں کہ وہاں گورنر وزیراعظم اور صدر مملکت کو یہ اختیار حاصل ہوگا

Marfat.com

کہ وہ جس قانون کو چاہیں کونسل آف اسلامک آئیڈلوجی کو Refer کردیں۔ مگر اس درمیانی مدت میں جب کہ اس قانون کو پاس کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہو تو بغیر اسلامک کونسل کے فیصلے کا انتظار کئے ہوئے اس کو نافذ کرسکتے ہیں۔ اس طرح خلاف اسلام قانون نافذ کردیا گیا۔ گویا ایک طرف ضمانت دی گئی ہے مگر دوسری طرف دوسرے ہی ہاتھ سے واپس بھی لے لی گئی ہے''۔

یہ پہلا موقع تھا کہ جمعیت علماء پاکستان کے سیاسی نظریات اور پالیسی کو ذرائع ابلاغ سے اس طرح تشہیر ملی تھی۔ ورنہ اس سے قبل 1970ء کے انتخابات کی مہم میں جمعیت علماء پاکستان کو بری طرح نظرانداز کردیا گیا تھا۔ لیکن جب مولانا نورانی نے اپنی سیاسی بصیرت سے جمعیت کو ملک کے طول وعرض میں متعارف کرایا تو جمعیت صف اول کی سیاسی پارٹی بن کر ابھری اور ہر مرحلے پر جمعیت کی رائے اور خیالات کو اہمیت دی جانے لگی۔ مولانا نورانی کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اس خطاب اور گفتگو کا ہر حلقے میں اعتراف کیا گیا...... ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور نے اس کے حوالے سے یوں تبصرہ کیا:۔

''ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آئین کے متعلق اپوزیشن کے تمام لیڈروں کے انٹرویوز نشر ہوئے۔ لیکن مولانا نورانی کے انٹرویو کی شان ہی نرالی تھی۔ جس مہارت اور حذاقت سے انہوں نے اس شاطر نقاد کو ہر نقطے پر مات دی اور لاجواب کیا۔ وہ انہیں کا حصہ تھا''۔

مولانا شاہ احمد نورانی وقتاً فوقتاً آئین سے متعلق اپنی مجوزہ ترمیمات سے عوام کو آگاہ کرتے رہے جو انہوں نے آئین سازی کی کمیٹی میں پیش کی تھیں۔ مارچ میں انہوں نے اخبار نویسوں سے گفتگو کے دوران اپنی پیش کردہ ترمیموں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ دستور میں ایسی دفعات شامل ہونی چاہیں جس کے تحت مسلمانوں کے لئے اسی طرح تبدیلی مذہب ناممکن ہو جس طرح پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے تحت جماعتوں سے وفاداری تبدیل کرنے کی ممانعت ہے اور شراب پر مکمل پابندی ہونی چاہیے اور اس امر کی تشریح کرنی چاہیے کہ کوئی شرابی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز نہیں رہ سکے گا''۔

مسٹر بھٹو ذرائع ابلاغ کے ذریعے مولانا نورانی سمیت اپوزیشن کے دیگر لیڈروں کے تمام نکات کو مسترد کر رہے تھے اور ان کے نزدیک ان مطالبات کی کوئی اہمیت نہیں تھی جب کہ دستوری معاہدے کے تحت وہ اپوزیشن کے مطالبات کو تسلیم کرچکے تھے۔

Marfat.com

مولانا نورانی نے مسٹر بھٹو کی جانب سے واضح مخالفت کے اظہار کے بعد اپنے بیان میں کہا:۔

''صدر بھٹو کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ہمارے تمام نکات کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیتے۔ اس کی بجائے وہ ان نکات کی مخالفت کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس سے عوام کو خود ہی یہ اندازہ ہوجائے گا کہ کون جمہوریت، اخوت، رواداری، ملکی سالمیت، اسلام اور اسلامی آئین پر یقین رکھتا ہے اور کون راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ مولانا نے بھٹو کو مشورہ دیا کہ وہ پولیس اور فوج کی امداد کے بغیر عوامی جلسوں میں خود کو محاسبے کے لئے پیش کریں تا کہ عوامی جذبات اور ان کی تکالیف کا احساس ہو سکے''۔

مجوزہ دستور پر عام بحث کرنے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا تھا جس میں حکومت اور اپوزیشن کے ارکان اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ 6 مارچ 1973ء کے اجلاس میں مولانا نورانی نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کیا تو حکومتی ارکان کی طرف سے مداخلت شروع کر دی گئی تا کہ مولانا نورانی اطمینان سے تقریر نہ کر سکیں۔ لیکن مولانا نے نہایت تحمل سے اپنے خطاب کے آغاز میں قومیت کے اسلامی تصور کو واضح کیا۔ انہوں نے ایوان کو بتایا کہ ہم زبان، ثقافت اور علاقائیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اور صرف مذہب کی بنیاد پر قومیت کی قائل ہیں۔ اس پر اپوزیشن اور حکومتی پارٹی کے ارکان نے یکساں طور پر داد دی۔

مولانا نے دستوری مسودے میں امتناعی نظر بندی کے اختیارات کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا:۔

''حکومت ان اختیارات کے تحت کسی بھی شخص کو دو سال میں آٹھ مہینے جیل کے اندر رکھ سکتی ہے''۔

اسپیکر نے سوال کیا: مولانا! دو سال میں آٹھ مہینے کا کیا مطلب؟

مولانا نے وضاحت کی ''جناب والا دستوری بل کی متعلقہ دفعہ پر ایک نظر ڈالیے آپ کو خود معلوم ہوجائے گا کہ جہاں حکومت کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کسی بھی فرد کو دو سال میں آٹھ مہینے جیل میں رکھ سکتی ہے۔ وہاں ہر فرد کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ دو سال میں آٹھ مہینے جیل کے اندر رہے۔ وزیراعظم کے ان وسیع اختیارت کے بارے میں حکومت کے لوگ ان کا موازنہ برطانیہ کے وزیراعظم کے اختیارات سے کرتے ہیں۔ لیکن برطانیہ کے وزیراعظم کو تو یہ اختیارات بتدریج

Marfat.com

دیے گئے ہیں۔ لیکن یہاں آغاز ہی میں وزیراعظم کے پاس سب اختیارات جمع کردیے گئے ہیں مولانا نے آزادی صحافت کے حکومتی تصور پر یوں تنقید کی:۔

''پریس آزاد ہے...... ایڈیٹر گرفتار ہے۔

پریس آزاد ہے...... اخبار بند ہے۔

پریس آزاد ہے...... چھاپہ خانہ سیل کردیا گیا ہے۔''

مولانا نے حکمران جماعت کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا:۔

''آپ اخبارات کو پابند کرنے کی پالیسوں سے باز رہیں۔ آپ کے مزار پر کوئی فاتحہ پڑھنے والا۔ اور مرثیہ خواں بھی نہیں ہوگا۔''

مولانا نورانی نے ایک نڈر اور بے باک مبلغ اسلام کی حیثیت میں کہا:۔

''یورپ میں کسی شرابی کو ڈرائیورنگ کا لائسنس نہیں دیا جاتا اور اگر کوئی شراب پی کر ڈرائیونگ کرے تو اس کا لائسنس منسوخ کردیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ایک شرابی نے شراب کی بوتل پر آدھا ملک توڑ دیا اور دنیا کی بہترین فوج کو ذلیل فوجوں میں شمار کرادیا۔ گاڑی شرابی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے آگے چلنا محال ہے ۔ ملک کا ڈرائیور شرابی ہوگا تو ملک کو تباہ کردے گا''۔ وہ قومی اسمبلی میں نعرہ حق بلند کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر وزیراعظم کے اختیارات پر گویا ہوئے:۔

''اگر وزیراعظم کو بہت زیادہ بااختیار بنادیا گیا تو ہمیں اعتراض نہیں۔ لیکن ہمیں اعتراض یہ ہے کہ وزیراعظم کو لائل پور (فیصل آباد) کا گھنٹہ گھر بنا دیا گیا ہے۔ عدلیہ کی سڑک وزیراعظم پر آکر رکتی ہے۔ انتظامیہ کی سڑک کا رخ بھی وزیراعظم کی طرف ہے۔ الیکشن کمیشن کی سڑک بھی اسی سمت جاتی ہے اور فوجوں میں کمیشن دینے کی سڑک بھی اسی گھنٹہ گھر پر پہنچ کر رکتی ہے۔ اگر ہر شعبہ زندگی پر وزیراعظم کا ہی قبضہ ہوگیا ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ:۔

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے

اور پھر یہی سوال ہوگا کہ

انجام گلستان کیا ہوگا۔''

مولانا نے قومی اسمبلی میں اپنے خطاب کے آخر میں کہا: ''مارشل لاء کے ضوابط کو تحفظ دینے کی دستوری دفعہ باعث شرم ہے۔ جناب والا!...... شرم والے کے لئے یقیناً باعث شرم ہے۔

مولانا کے اس خطاب سے پیپلز پارٹی کے ارکان کے سر تو شاید شرم سے جھک گئے ہوں گے۔ لیکن جمہوریت پسند عناصر کے سر فخر سے بلند ہوگئے جو مولانا شاہ احمد نورانی سے ایسے ہی قابل فخر خطاب کی توقع رکھتے تھے۔ ملک کے صحافتی حلقوں نے بھی سراہا روزنامہ ''جمہور'' کے الفاظ یہ تھے:۔

''منگل 6 اپریل کو قومی اسمبلی کے شام کے اجلاس میں دستوری بل پر عام بحث میں حصہ لینے والے مقررین کی تعداد اگرچہ زیادہ تھی تاہم میدان جمعیت علمائے پاکستان کے قائد اور پارلیمانی لیڈر مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کے ہاتھ رہا۔ اسپیکر چوہدری فضل الٰہی نے نماز مغرب کے وقفے سے چند منٹ پہلے مولانا نورانی کا نام پکارا۔ مولانا کی تقریر موضوع اور متن کے لحاظ سے انتہائی پر متانت اور تاثیر انگیز ہونے کے باوجود سارا عرصہ ایوان قہقہہ زار بنا رہا۔ ایوان کے ماحول میں زعفرانی کیفیت پیدا کرنے میں مولانا کی اپنی حسِ مزاح اور حاضر جوابی کا بہت زیادہ دخل تھا۔ ابتداء ہی سے یہ معلوم ہو رہا تھا...... کہ سرکاری بنچوں والے مولانا کی تقریر کو مذاق ہی مذاق میں اڑا دینے کی کوشش کریں گے۔ لیکن نورانی میاں بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے۔ انہوں نے چوکھی لڑی اور حقیقت یہ ہے کہ اپنے مخالفین کو چاروں شانے چت گرا لیا...... اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ میدان مار لیا''۔

قومی اسمبلی میں 10 اپریل 1973ء کو نئے آئین سے متعلق رائے شماری کرائی گئی۔ تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ اپوزیشن کے کون کون سے رہنما مجوزہ آئین کی مخالفت کرتے ہیں۔ آئین پر رائے شماری سے قبل متحدہ جمہوری محاذ کے لیڈروں کا اجلاس اسلام آباد میں ہوا جس میں شریک زیادہ تر پارٹی لیڈرز کی رائے یہی تھی کہ آئین کے حق میں ووٹ دیا جائے۔ لیکن مولانا شاہ احمد نورانی نے اس رائے کی مخالفت کی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ چونکہ پیپلز پارٹی نے دستوری معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور آئین میں اسلامی دفعات تسلی بخش نہیں ہیں۔ اس لئے جمعیت علماء پاکستان کے ارکان آئین کے حق میں ووٹ نہیں دیں گے۔ خان عبدالولی خان سردار شوکت حیات، مولانا ظفر احمد انصاری اور متحدہ جمہوری محاذ کے دیگر قائدین کے دلائل کے بعد طے یہ پایا کہ جمعیت علماء پاکستان کے ارکان آئین کے خلاف ووٹ نہیں دیں گے۔ لیکن مولانا شاہ احمد نورانی اپنے اس نظریے پر ثابت قدمی سے قائم رہے کہ وہ اور جمعیت کے ارکان قومی اسمبلی مجوزہ آئین کے حق میں کھڑے نہیں ہوں گے۔

Marfat.com

مولانا نورانی اور ان کے رفقاء اپنے اس عزم پر عمل پیرا رہے۔ جب دستور پر رائے شماری ہوئی تو مولانا شاہ احمد نورانی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا محمد علی رضوی اور محمد ذاکر نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ جب کہ اپوزیشن کے دیگر رہنماؤں میر غوث بخش بزنجو، عبدالولی خان اور پروفیسر غفور نے آخری وقت تک یہ کوشش جاری رکھی کہ مولانا نورانی کسی طرح کھڑے ہوجائیں۔ لیکن مولانا ہمیشہ کی طرح اپنے مضبوط ارادے پر قائم رہے۔ اسمبلی میں تحریک استقلال سے وابستہ ارکان محمود علی قصوری، احمد رضا قصوری اور پیپلز پارٹی کے ایک رکن میر علی احمد تالپور نے بھی دستور کے خلاف ووٹ دیا۔

مولانا نورانی سے ایک صحافی نے جب یہ سوال کیا کہ آپ مشترکہ حزب اختلاف کے رابطہ سیکریٹری کے اہم عہدے پر فائز ہیں جب کہ اپوزیشن نے نئے آئین کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ آپ نے اس کے حق میں ووٹ کیوں نہیں دیا؟ مولانا نے جواب دیا:

"آئین کی دفعات کو میں مکمل طور پر اسلامی نہیں سمجھتا اور یہی میری جماعت کا بھی موقف ہے۔ جہاں تک متحدہ جمہوری محاذ کا تعلق ہے، ہم نے اپنی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں یہ طے کیا تھا کہ ہر شخص انفرادی طور پر آئین کے بارے میں جو رائے رکھتا ہے اس کا اظہار کرے۔ اس لئے رابطہ کمیٹی یا مشترکہ حزب اختلاف سے اختلاف کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رابطہ کمیٹی نے اپوزیشن کے تمام ارکان کو یہ اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ووٹ دیں یا نہ دیں۔

دستور کے متعلق رائے شماری میں جمعیت علماء پاکستان کے اراکین کی طرف سے حصہ نہ لینا ایک اہم خبر بن گئی تھی اور قومی صحافتی حلقے اس پر تبصرے کر رہے تھے۔ مولانا نورانی نے کراچی میں اخبار نویسوں کو بتایا کہ دستور کی تیاری کے دوران جمعیت علماء پاکستان کے رہنماؤں کو مرکز اور سندھ میں وزارتوں اور سفارتوں کی پیشکش کی گئی۔ لیکن ہم نے اسلام اور جمہوریت کی خاطر اسے ٹھکرا دیا۔

مولانا نے کہا کہ ہم ایسے دستور کو کس طرح مکمل اسلامی کہہ سکتے ہیں جس کے اندر اسے مکمل طور پر اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے 9 سالہ مدت مقرر کی گئی ہے اور اس طرح خود حکمران پارٹی نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ اس عرصے کے بعد ہی آئین سازی مکمل طور پر قرآن وسنت کی روشنی میں ہوگی۔ پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ میں مملکت کا سرکاری

مذہب اسلام قرار دینے اور آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ سب سے پہلے پیش کرنے کا سہرا جمعیت علماء پاکستان کے سر ہے۔ لیکن ابھی تک ہمارے بہت سے بنیادی مطالبات تسلیم نہیں کیئے گئے ہیں۔ اس لئے ہم نے رائے شماری حصہ نہ لے کر واضح طور پر اپنے اختلافات کا اظہار کردیا ہے اور نئے آئین کی منظوری کے بعد دراصل ہمارے کام کا آغاز ہوا ہے۔اب ہم اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دلانے اور عائلی قوانین کی تنسیخ، تینوں افواج کے سربراہوں کے لئے مسلمان ہونے کی شرط اور فتنہ ارتداد کو روکنے کی ضمانت حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ ۔

اگرچہ 1973 کا آئین مکمل طور پر اسلامی آئین نہیں کہا جاسکتا لیکن مولانا شاہ احمد نورانی اور دیگر علمائے کرام کی کوششوں سے اس آئین میں بعض اسلامی شقیں شامل کرلی گئیں اور اس طرح کمیونسٹ عناصر جو پاکستان کو کیمونزم کی آماجگاہ بنانا چاہتے تھے، اپنے مقاصد میں ناکام ہوگئے۔1973ء کے آئین کی جو اسلامی شقیں مولانا شاہ احمد نورانی کی طرف سے تجویز کردہ ترمیمات کی وجہ سے آئین کا حصہ بنیں تھیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

1......مملکت کا مذہب اسلام ہوگا۔

2......قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ پہلے سے موجود قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

3...... دستور کے نفاذ کے 90 دن کے اندر اندر اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل ضروری ہوگی۔ کم از کم دو ممبران سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج ہوں گے کونسل کا چیئرمین ان میں سے کسی ایک کو مقرر کیا جائے گا۔

4......صوبائی یا مرکزی اسمبلی کی 2/5 اقلیت بھی کسی زیرغور قانون کو اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس بھیج سکنے کی مجاز ہوگی (پہلے یہ حق صرف اکثریتی پارٹی کو حاصل تھا)۔

5......کونسل کا مشورہ موصول ہونے سے پیشتر انتہائی ناگزیر حالات میں اگر کوئی قانون پاس ہوجائے اور کونسل بعد میں یہ رائے دے کہ قرآن وسنت کے منافی ہے، تو لازماً اس پر نظر ثانی کی جائے گی۔ کونسل کی آخری رپورٹ وصول ہونے کے دو سال کے اندر اندر قومی اور صوبائی اسمبلیاں ان قوانین کو کونسل کے مشوروں کے مطابق قرآن وسنت کے مطابق بنانے کی پابند ہوں گی۔

Marfat.com

باب 9

عوامی بھٹو کے استعماری حربے اور مولانا نورانی

مولانا شاہ احمد نورانی اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان شدید اختلافات کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مسٹر بھٹو پاکستان کو سوشلسٹ ریاست بنانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے منشور میں بھی واضح طور پر سوشلسٹ معاشرے کے قیام کو اپنی منزل قرار دیا تھا۔ جب کہ مولانا نورانی دوقومی نظریئے کی بنیاد پر اس ملک میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ چاہتے تھے۔ مگر پاکستان جیسے اسلامی معاشرے میں یہ چیز آسان نہ تھی۔ کیونکہ اسلام اور سوشلزم دو مختلف نظریات ہیں اور بیک وقت کسی سوسائٹی میں یہ دونوں لاگو نہیں ہو سکتے۔ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی بھٹو حکومت نے ایسے اقدامات کرنا شروع کر دیے۔ جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے دین کی محبت نکل جائے۔ اور اس کے لیے یہ نعرہ دیا گیا کہ مذہب ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہے۔ لہٰذا ریاست مذہبی امور میں کوئی کردار ادا نہیں کرے گی۔ لا دینی نظریات کے فروغ کے لیے عریانی اور فحاشی کا سیلاب لایا گیا۔ شراب نوشی عام ہو گئی۔ کسینو کلب اور دیگر مغربی فواحشات معاشرہ میں سرائیت کرنے لگیں۔ جس سے اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک کی نظریاتی اساس کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ ان حالات میں ملک کی نظریاتی بقا اور سلامتی کے لیے مولانا شاہ احمد نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے تحریک شروع کی اور لا دینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے پارٹی کارکنان کے ساتھ عوام کو بھی متحد کیا۔ مولانا نے اپنی آواز کو مضبوط اور مربوط کرنے کے لیے دیگر سیاسی قائدین سے روابط قائم کئے اور انہیں اپنا ہمنوا بنایا۔ تاکہ پاکستانی معاشرے کے بگڑتے ہوئے کلچر کو اسلامی سانچے میں برقرار رکھ سکیں۔ مولانا کی ان کوششوں کے نتیجے میں متحدہ جمہوری محاذ (UDF) نے عوامی رابطہ مہم کے سلسلے میں ملک کے بڑے شہروں میں جلسہ ہائے عام کا پروگرام ترتیب دیا۔ حزب اختلاف کی جانب سے عوامی طاقت کے اظہار کا پہلا جلسہ اپریل کے آخری ہفتہ میں پشاور میں منعقد ہوا۔ یہ اجتماع حکومتی توقع کے برخلاف بہت زیادہ کامیاب رہا۔ اس جلسے میں حزب اختلاف کے تمام قائدین پشاور پہنچے جن کا تاریخی

Marfat.com

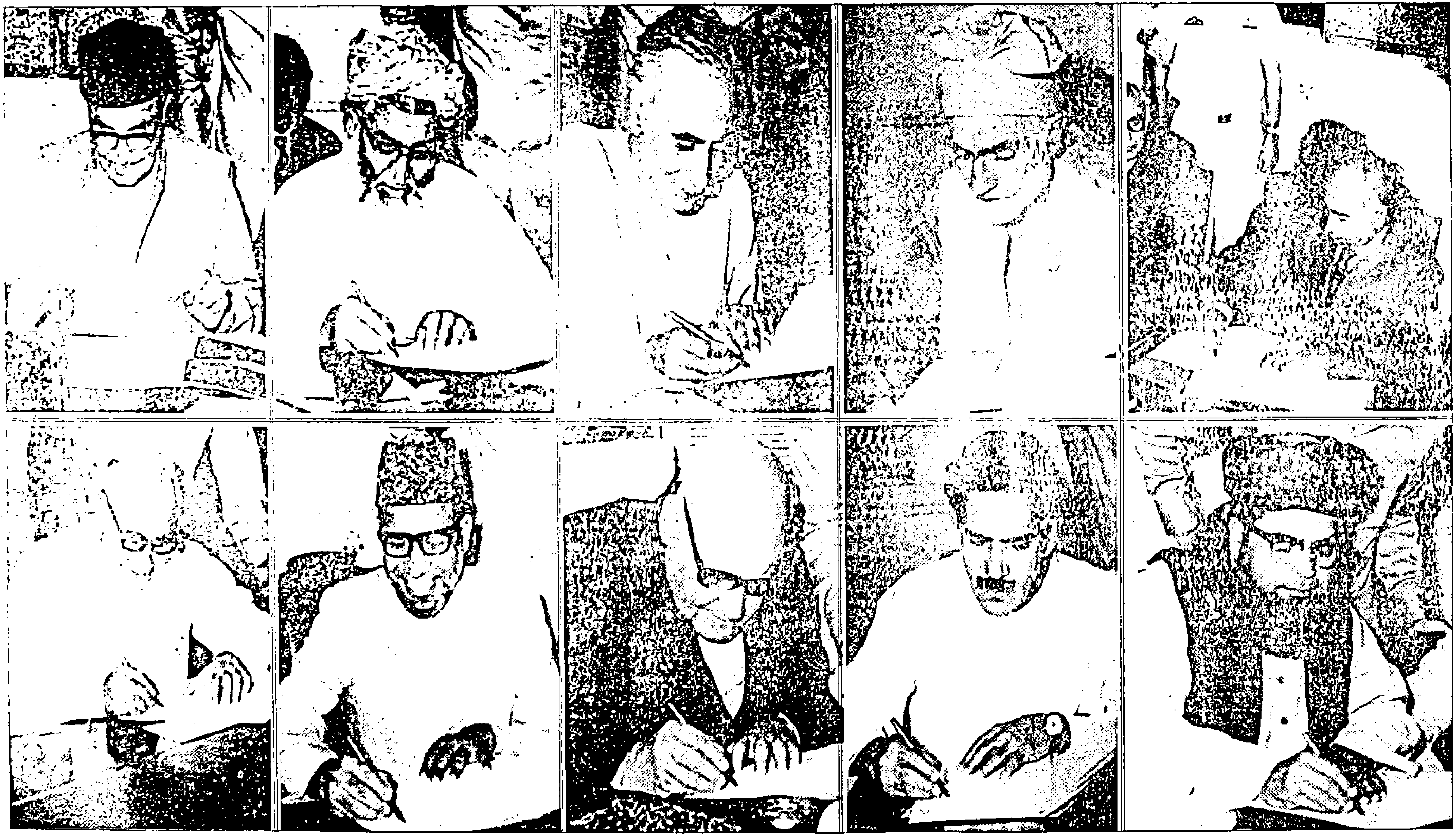

پاکستان کی تاریخ کے متفقہ دستور 1973ء پر دستخط کرتے ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو، سردار شوکت حیات خان، سردار شیر باز مزاری، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، ارباب سکندر خلیل، گورنر سرحد۔ میر غوث بخش بزنجو، گورنر بلوچستان۔ مفتی محمود اور پروفیسر غفور احمد۔

استقبال کیا گیا۔ بالخصوص مولانا شاہ احمد نورانی کو اسمبلی کے اندر اور باہر جرأت مندانہ کردار ادا کرنے پر بے حد پذیرائی ملی۔

حکمران پیپلز پارٹی نے جب جمعیت علماء پاکستان اور مولانا شاہ احمد نورانی کو عوامی مقبولیت کی بلندیوں پر دیکھا تو جمعیت کے اندر انتشار اور خلفشار پیدا کرنے کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔ ابتدأ جمعیت علماء پاکستان کی ایک متوازی تنظیم کے قیام کے سلسلے میں حکومتی وسائل کا بے دریغ استعمال کرنا شروع کر دیا گیا۔ تا کہ مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی اہمیت اور عوامی پذیرائی کو کم کیا جا سکے۔ اس کے لیے انہیں درباری ذہنیت کے حامل چند مولوی بھی میسر آ گئے۔ جن کا نصب العین خوشامد کے ساتھ ہر صاحب اقتدار کی چوکھٹ پر بوسہ دینا ہوتا تھا۔ حکومت کی تمام تر کوششیں، سازشیں، لالچ اور خوف چند ضمیر فروشوں کی تعداد کو آگے نہ بڑھا سکا۔ اکثر علماء و مشائخ نے اس آزمائش اور مشکل گھڑی میں قید و بند، جبر و تشدد جیسی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے حق و صداقت کا پرچم مضبوطی سے تھامے رکھا۔ انہوں نے اپنے پرعزم اور بے خوف قائد مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کے باہمت رفقائے کار کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ ہر قدم اور ہر مرحلے پر ان کے شانہ بشانہ چلتے رہے۔ اس طرح جمعیت سے وابستہ پاکستان کے لاکھوں عوام کے پائے استقامت میں معمولی سی بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ وہ اقتدار پرست طبقہ کے پیدا کردہ بحران کے سامنے ڈٹ گئے۔ تا کہ اہلسنت کے تابندہ مستقبل کو خودغرض لوگوں کے شر سے بچایا جا سکے۔ لیکن جس طرح پیپلز پارٹی کا ترجمان اخبار ''مساوات'' جمعیت علماء پاکستان کے مقابلے میں حکومتی ساختہ جمعیت کے قیام کی خبریں شہ سرخیوں سے شائع کر رہا تھا۔ اس سے واضح پتا چلتا تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی مولانا شاہ احمد نورانی سے کس قدر خائف تھی اور ان کے مقابلے میں اپنی پروردہ تنظیم کے قیام سے استحکام تک کے لیے کتنی بے چین تھی۔

''مساوات'' کی پالیسی کو سمجھنے کے لیے اس دن کے اخبار کی سرخیاں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ جس روز حکومتی ساختہ جمعیت کا کنونشن منعقد ہوا، مثلاً:۔

''نورانی کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑے گا''

اس سے اگلے روز یہ سرخی لگائی گئی:۔

''نورانی گروپ کمزور پڑ گیا''

اس طرح کی خبریں مسلسل کافی عرصے تک شائع ہوتی رہیں۔ حکومتی ساختہ جمعیت کو

Marfat.com

سرکاری میڈیا اور اخبارات میں نمایاں جگہ دلوائی جاتی تھی۔ مگر پریس کانفرنسوں کے علاوہ عوام میں اس کی کوئی پذیرائی نہ تھی۔ گویا وہ حکومتی سازش کی تکمیل کے معیار پر پورا نہ اتر سکی۔ اس صورت حال میں حکومت نے اپنی ساختہ جمعیت کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اب سرکاری ذرائع استعمال کرتے ہوئے اخبارات پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ مولانا نورانی کی خبروں کو جگہ نہ دیں۔ لیکن مولانا شاہ احمد نورانی کی جڑیں عوام میں تھیں۔ وہ مسلسل رابطہ رکھ کر عوام سے تعلق کی آبیاری کرتے رہے۔ اس لئے جس معیار کی بھی خبریں شائع ہوتیں اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ مولانا ایک ہی دن میں بہت سے علاقوں کا دورہ کر لیا کرتے تھے۔ وہ عوام کے دلوں میں جگہ بنا چکے تھے۔ اس لئے پیپلز پارٹی کی حکومت کے عوام سے دور کرنے کے منصوبے ناکام ہو گئے۔ مولانا کی عوامی مقبولیت کا اندازہ ہفت روزہ تعمیر وطن کے اس تجزیے سے لگایا جا سکتا ہے:۔

"ملکی سیاست میں مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کا شمار پاکستان کے نامور اور مقبول رہنما و مذہبی اکابرین و عمائدین میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مدبّر اور ذہین سیاست دان ہیں"۔

جمعیت علماء پاکستان کی شہرت میں تیزی سے اضافہ حکومتی مخالفت میں شدت کا سبب بن رہا تھا۔ انہیں دنوں میں جمعیت علماء پاکستان کے صدر حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی نے بیماری کے باعث جمعیت کی صدارت سے علیحدگی اختیار کر لی تو کچھ عرصہ مولانا شاہ احمد نورانی کو جمعیت کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے بھی فرائض سر انجام دینا پڑے۔ کام کی دوہری زیادتی نے بھی مولانا کے جمہوریت پسند مزاج میں آمریت کا عنصر پیدا نہ ہونے دیا۔ وہ چاہتے تو من مانی کرتے ہوئے صدارت پر قبضہ کر سکتے تھے یا حکومت کی مخالفت کا عذر پیش کر کے پارٹی کی کرسی صدارت پر بیٹھ جاتے لیکن انہوں نے حکومت کے اپنے خلاف غیر جمہوری ہتھکنڈوں کے باوجود پارٹی کے اندر جمہوری کلچر پروان چڑھایا اور 26، 27 مئی 1973ء کو خانیوال میں جمعیت کا ملک گیر کنونشن طلب کیا تا کہ جمعیت کی قیادت کا فیصلہ کیا جا سکے۔ حکومتی سرپرستی میں چلنے والے اخبارات و جرائد نے اس کنونشن کو ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور یہ افواہ بھی دانستہ پھیلائی گئی کہ کنونشن کے مندوبین جمعیت کی متحدہ جمہوری محاذ سے علیحدگی پر زور دیں گے۔ اس طرح جمعیت کو محاذ سے علیحدگی کا اعلان کرنا پڑے گا اور مولانا شاہ احمد نورانی سے جمعیت کی پارلیمانی قیادت بھی چھین لی جائے گی۔ اس قسم کی افواہوں اور خدشات کی وجہ سے

ملک کی اپوزیشن پارٹیوں کی نظر کنونشن کے نتائج پر تھی۔ کیونکہ متحدہ جمہوری محاذ کے روح رواں مولانا نورانی تھے۔ دراصل حکومت کی سرپرستی میں جمعیت سے وابستہ بعض افراد اس قسم کی مہم چلا رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ متحدہ جمہوری محاذ سے جمعیت کی علیحدگی کا فیصلہ کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے تمام حقائق سے باخبر ہوتے ہوئے بھی جنرل کونسل کے اجلاس میں ہر قسم کی بحث کی اجازت دی تاکہ یہ الزام نہ لگایا جا سکے کہ مخصوص افراد کو طے شدہ پالیسی پر ہی بولنے دیا گیا۔ اس طرح مسلسل سات گھنٹے جمعیت کی جنرل کونسل میں متحدہ جمہوری محاذ سے وابستگی کے مسئلے پر بحث ہوتی رہی۔ جمعیت کے پالیسی ساز ادارے کے صرف 14 ممبران ایسے تھے جنہوں نے متحدہ جمہوری محاذ سے علیحدگی کے حق میں رائے ظاہر کی۔ ان کے علاوہ تمام اراکین کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات میں مولانا شاہ احمد نورانی کی پالیسی موزوں اور مناسب ہے اور یوں بھاری اکثریت نے محاذ کے ساتھ وابستگی کی منظوری دیدی۔ اس تاریخی اجتماع میں صوبہ سندھ، سرحد، پنجاب، بلوچستان سے آئے ہوئے مندوبین نے مولانا شاہ احمد نورانی کو متفقہ طور پر جمعیت کا قائد بھی چن لیا اور سیکریٹری جنرل مولانا عبدالستار خان نیازی قرار پائے۔ اس طرح حکومت کی مولانا شاہ احمد نورانی کو جمعیت میں ناکام کرنے کی تمام تر کوششیں نیست و نابود ہو گئیں۔ جمعیت کی قیادت کے لئے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کر لیا گیا تھا جس نے مستقبل میں اس کے وقار اور عظمت کو نہ صرف بحال رکھا بلکہ اس میں فروغ بھی دیا۔ چنانچہ قیادت اور تنظیم کے اعتبار سے اس کا شمار ملک کی صف اول کی ممتاز ترین پارٹیوں میں ہونے لگا۔ کنونشن کی کامیابی اور مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت پر اعتماد کا اظہار محب وطن اور باشعور حلقوں کے لئے ایک خوش کن خبر تھی۔ اجلاس کے بعد ایک صحافی نے مولانا نورانی سے ان کی پالیسی پر اعتماد کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا:۔

"میرے خیال میں ہماری اس کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کھلے دل سے اس اہم مسئلے پر عام بحث کی دعوت دی اور دلائل کے ساتھ مخالفین کو قائل کیا۔ ہماری سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ نیپ ہو یا جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام ہو یا مسلم لیگ، ہم نے اتحاد بارہ نکات کی بنیاد پر کیا ہے۔ اگر ان نکات میں کوئی برائی ہے تو بتائیے لیکن ان نکات پر کوئی اعتراض نہ کیا جا سکا اور اس طرح ہمارے مخالفین کو شکست تسلیم کرنا پڑی"۔

کنونشن کے دور رس فیصلوں سے جہاں جمعیت داخلی انتشار سے محفوظ ہو گئی وہاں متحدہ

Marfat.com

جمہوری محاذ کے لئے بھی یہ فیصلے اور خصوصاً مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت پر غیر متزلزل اعتماد کا اظہار خوش آئند تھا۔ ایک اخبار نویس نے مولانا سے سوال کیا:۔

''مولانا! عام طور پر یہ تاثر غلط یا صحیح طور پر پایا جاتا ہے کہ جس مکتب فکر سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس میں حزب اختلاف میں رہنے کی گنجائش کم ہوتی ہے اور ماضی کی روایات بہت حد تک اس تاثر کی تائید بھی کرتی ہیں۔ لیکن آپ نے جو موقف ملکی سیاست میں اختیار کیا ہے اس سے ماضی کی روایات ٹوٹتی نظر آ رہی ہیں۔ کیا آپ اس تاثر پر تبصرہ فرمائیں گے؟''

مولانا نے جواب دیا۔

''یہ تاثر صحیح ہے اور ہم نے کوشش کی ہے کہ ماضی کی روایات نے جو تاثر پیدا کر دیا تھا اسے ختم کر دیں اور ہمیں یہ دعوی کرنے میں کوئی عار نہیں کہ عملی طور پر ہم اس تاثر کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب جمعیت علماء پاکستان میں ایسے اصحاب قیادت پر فائز ہیں جو کسی ڈر اور خطرے کے بغیر کلمہ حق کہنا اپنے لئے باعث نجات اور توشہ آخرت سمجھتے ہیں۔ کم از کم میں اپنی اور اپنے تمام رفقاء کی جانب سے یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ کلمہ حق کو ان شاء اللہ بلند کرتے رہیں گے۔ کافی عرصے سے ارباب حکومت اس کوشش میں ہیں کہ ایوب خانی دور کے درباری مشائخ، صاحبزادگان اور مولویوں کو جمعیت پر پھر مسلط کر دیں اور اگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوں تو کم از کم ایک متوازی جمعیت ہی قائم کرا دیں۔ لیکن داخلی طور پر جمعیت اپنے ارکان میں اتنی مقبول ہے کہ اب ان درباری اور خوشامدی لوگوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا جائے گا ان کے وجود سے ہم جمعیت کو پاک کر چکے ہیں۔''

مولانا شاہ احمد نورانی حکومت کی سازشوں سے بچ نکلے تو پھر متحدہ جمہوری محاذ میں سرگرم ہو گئے۔ متحدہ جمہوری محاذ نے عوامی جلسوں کا انعقاد کیا تو پیپلز پارٹی کی حکومت نے ان جلسوں کو ناکام کرنے کے لئے تمام حربے استعمال کئے۔ ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی جاتیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ جلسے ہوتے رہے اور عوام کی پذیرائی بھی دیدنی تھی۔ عوام نے ہر جگہ اپنے قائدین کو ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں سنا اور ان کے موقف کی تائید کی۔ اگرچہ حکومت نے اس عوامی رابطے کی مہم کو سبوتاژ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن عوامی جذبات کے سمندر کے آگے کس طرح بند باندھا جا سکتا تھا۔ رابطہ عوام کی یہ مہم پشاور سے شروع کی گئی تھی اور اس سلسلے میں پشاور، کوئٹہ اور حیدر آباد کے جلسے بہت کامیاب رہے۔ حکومت کی کوشش تھی کہ ان جلسوں

Marfat.com

میں کسی طرح ہنگامے کرا کے ان کے اثرات کو عوام میں سے زائل کر دیا جائے۔ لیکن حکومت اپنے ان منصوبوں میں ناکام ہو گئی بلکہ مذکورہ بالا تین جلسوں کی بے مثال کامیابی کو دیکھ کر بھٹو حکومت محاذ کی رابطہ عوام مہم سے بوکھلا گئی۔ اور آئندہ جلسوں کو ناکام بنانے کے لئے نت نئے منصوبے بنائے گئے۔ جس کے تحت لاؤڈ سپیکر اکھاڑ دیئے گئے۔ عوام میں خوف و ہراس پیدا کیا گیا اور فیڈرل سیکورٹی فورس کو عوام پر لاٹھیاں برسانے اور ظلم و تشدد کرنے کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ عوامی اجتماعات کے شرکاء کی سر عام تذلیل کے مناظر کو پیپلز پارٹی کے جمہوری دور میں لاکھوں عوام نے دیکھا۔ غنڈوں کو ہر قسم کی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں ان جلسوں کو تہہ و بالا کریں۔ یہ غنڈے عوام پر پتھراؤ کرتے اور پولیس خاموش تماشائی بنی رہتی۔ ان جلسوں کے منتظمین اور کارکنان کو ڈی پی آر کے تحت جیلوں میں بند کر کے اذیتیں دی جاتیں۔ بالخصوص لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسہ عام میں غنڈوں نے پولیس کی سرپرستی میں جس طرح فائرنگ کی ،عوام کا قتل عام کیا گیا۔ دن دہاڑے لاقانونیت کی ایسی شرمناک مثال نہیں ملتی۔ یہ سانحہ پیپلز پارٹی کی حکومت پر نمایاں بدنما داغ ہے۔

پشاور ،کوئٹہ اور حیدر آباد کے اجتماعات میں عوام کی بہت زیادہ دلچسپی دیکھ کر حکومت گھبرا گئی۔ جمہوریت کی دعویدار حکومت نے آمرانہ طرز حکومت کی طرح متحدہ جمہوری محاذ کے دیگر جلسوں کے اجازت نامے منسوخ کر دیے۔ تاکہ محاذ کے قائدین کا عوام سے رابطہ منقطع کر دیا جائے۔ لیکن عوام کے دل تو محاذ کی قیادت کے ساتھ تھے۔ وہ تمام رکاوٹیں دور کرتے ہوئے جلسہ گاہوں تک پہنچے مگر قائدین کو ان تک پہنچنے نہ دیا جاتا۔

اس طرح ملتان میں جلسہ عام نہیں ہونے دیا گیا۔ اس دن پیپلز پارٹی کا صوبائی وزیر مختار احمد اعوان جلسہ روکنے کے لئے کھلی جیپ میں مسلح غنڈوں اور پولیس کے ہمراہ شہر کے مرکزی حصے گھنٹہ گھر، لوہاری گیٹ میں دورہ کرتا رہا۔ زبردست خوف و ہراس کی فضا قائم کر دی گئی۔ جلسہ گاہ قاسم باغ کے چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی۔ لیکن پھر بھی ہزاروں افراد حزب اختلاف کے رہنماؤں کے خیالات سننے کے لئے موجود تھے۔ ان پر بے تحاشہ لاٹھیاں برسا کر منتشر کیا جاتا رہا لیکن عوامی جذبات کا سیلاب تھمنے میں نہ آتا تھا۔ عوام پولیس کے جبر و تشدد کے باوجود پھر جلسہ گاہ میں جمع ہو جاتے۔ جلسہ گاہ کے مرکزی حصہ اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں عوام کے جم غفیر نے پولیس کارروائی کے بعد مختلف چھوٹے چھوٹے جلسوں کی

صورت اختیار کر لی تھی۔ خاص طور پر نوجوان طلبہ اپنے ساتھیوں کے کاندھوں پر کھڑے ہو کر تقاریر کرتے رہے۔ اس دوران پولیس کا کوئی جتھا آتا اور لاٹھی چارج شروع کر دیتا۔ انہیں کوئی قانون روکنے والا نہ تھا۔ یہ سلسلہ شام تک جاری رہا۔ دوسری طرف جس ٹرین سے مولانا شاہ احمد نورانی اور محاذ کے دیگر قائدین جلسہ سے خطاب کے لئے آ رہے تھے۔ اسے روہڑی (سندھ) میں روک لیا گیا۔ پھر ٹرین کو اتنی تاخیر سے روانہ کیا گیا کہ جلسہ کا وقت ختم ہو جائے۔ مگر عوام شام تک اپنے قائدین کا انتظار کرتے رہے۔ ملتان ریلوے اسٹیشن پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ مولانا نورانی اور دوسرے رہنما اسی وقت جا کر عوام سے خطاب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انتظامیہ نے انہیں روک کر جلسہ کی منسوخی کے احکامات سے آگاہ کیا اور واضح تنبیہ کی کہ اب یہ جلسہ کسی بھی جگہ منعقد نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح قائد عوام کی حکومت نے حزب اختلاف کو جبراً عوام سے رابطہ سے روک دیا۔ متحدہ جمہوری محاذ کی رابطہ عوام مہم کے اجتماعات پر تو پابندی لگا دی گئی لیکن مولانا شاہ احمد نورانی نے مذہبی جلسوں، بزرگان دین کے عرس اور کارکنان کے اجتماعات سمیت مختلف انداز میں عوامی رابطوں کا سلسلہ جاری رکھا اور ہر جگہ جمہوری دور کا راگ الاپنے والی حکومت کے مظالم اور اس کی منفی کارروائیوں سے عوام کو آگاہ کرتے رہے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت مولانا شاہ احمد نورانی کو غیر جمہوری انداز میں سچائی بیان کرنے سے جتنا روکتی تھی۔ مولانا کا لہجہ اتنا ہی سخت ہوتا جا رہا تھا اور وہ اپنی جدوجہد کو مزید تیز کر دیتے تھے۔ انہوں نے صادق آباد میں جمہوریت کے نام پر قائم آمریت کا عوامی عدالت میں ان الفاظ میں پردہ چاک کیا:۔

''موجودہ حکومت آزادی تحریر و تقریر اور جمہوریت کے ساتھ مذاق کر رہی ہے۔ موجودہ حکومت کے دور میں غنڈہ گردی اور عیاشی میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ اپوزیشن کو ناکام بنانے کے لئے پتھراؤ کیا جاتا ہے۔ غنڈہ گردی کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جا رہا ہے اور غنڈوں پر کوئی قانون لاگو نہیں کیا جاتا۔ پچیس سالہ تاریخ میں مزدوروں پر اتنا ظلم کبھی نہیں ہوا جتنا آج کل ہو رہا ہے۔ ایسی ظالم حکومت کے قائد کو قائد عوام کیسے کہا جا سکتا ہے۔ حکومت کا عوام سے رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت عوام کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتی۔''

مولانا نے اپنے مشن اور عزم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:۔

''ہم اس ملک میں اسلامی آئین کا نفاذ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سرزمین میں

Marfat.com

رسول عربی ﷺ کے پروانے رہتے ہیں۔ پاکستان اس لئے بنا تھا کہ اس کے اندر قرآن کے احکامات کی بالا دستی ہوگی۔ دین مصطفیٰ جاری وساری کیا جائے گا۔لیکن آج اس ملک میں کیا ہو رہا ہے۔کیا آپ نے اس بارے میں سوچا ہے؟ اب اس ملک میں ہو جمالو ہونے لگی ہے۔کیا پاکستان ہو جمالو کے لئے بنایا گیا تھا۔ ہرگز نہیں۔ ملک کے کونے کونے سے آج مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے لیکن ہماری حکومت اسے فرقہ وارانہ مسئلہ سمجھتی ہے۔"

پیپلز پارٹی کی حکومت کا پاکستان کے سیاسی کلچر کو عیاشیوں کے ذریعے بگاڑنے کا تذکرہ یوں کیا:۔

"عوامی وزیر اٹھارہ اٹھارہ فٹ لمبی کاروں میں پھر رہے ہیں۔عوام بھوکے مر رہے ہیں لیکن انہیں اپنی ٹھاٹھ باٹھ عزیز ہے۔غریب عوام چلا رہے ہیں کہ آٹا مہنگا ہو گیا ہے، کپڑا مہنگا ہو گیا ہے، جواب ملتا ہے کہ خزانہ خالی ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جشن منانے کے لئے روپیہ کہاں سے آیا۔قوم کو حساب دینا پڑے گا۔قوم پوچھتی ہے کہ بتاؤ خزانہ خالی ہے تو کس نے کیا؟ یحییٰ خان نے کیا ہے تو اسے عوام کے سامنے لایا جائے۔لیکن ایسا نہیں کیا جاتا۔ اس غدارقوم کو تحفظ دے کر عالیشان بنگلہ دیا ہوا ہے۔ اس ملک میں بے پناہ دولت کے ذخائر موجود ہیں۔لیکن کروڑوں روپے کی چینی ، گندم اور چاول بھارت اسمگل کیے جا رہے ہیں۔ خزانہ چوروں، ڈاکوؤں اوراسمگلروں کے ہاتھوں میں آ چکا ہے۔"

مولانا نے حکومت کو براہ راست پیغام دیا کہ ہمارے عزائم میں ڈی پی آر اور جیلوں کی قید و بند کی صعوبتیں حائل نہیں ہوسکتیں۔ جمہوریت کا قافلہ اب چل پڑا ہے۔اس کے آگے بڑے سے بڑا بند بھی کارگر نہ ہوگا۔

اب جمہوریت پسند مولانا نورانی اور آمرانہ خواہشات رکھنے والے ذوالفقارعلی بھٹو کے درمیان براہ راست تصادم شروع ہو چکا تھا۔

جمہوریت کے لبادے میں لپٹے جاگیردار بھٹو جس نے کبھی اختلاف کو قبول ہی نہ کیا تھا، مولانا شاہ احمد نورانی سے بہت نالاں تھے۔ وہ مولانا کا راستہ روکنے کے لئے تمام انتظامی حربے استعمال کر رہے تھے۔لیکن مولانا نورانی تمام حربوں کو ناکام کرتے ہوئے سول آمریت کے سامنے چٹان کی مانند کھڑے تھے تاکہ ملک میں جمہوریت کے کمزور پودے کو تناور کرسکیں اور فرد واحد، فوجی ڈکٹیٹروں کی مانند مطلق العنان نہ بن جائے۔مولانا کے شب و روز جمہوریت

کے استحکام اور نفاذ نظام مصطفیٰ کے لئے وقف تھے۔ یہاں بھٹو کے مقابلے میں ان کا جمہوری اپوزیشنل کردار مکمل طور پر نکھر کے سامنے آتا ہے۔ وہ اکثریت کی دعویدار حکومت کی نااہلی اور ممبران اسمبلی کے ربڑ اسٹمپ کے کردار کو بھرپور انداز سے تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے یوں اظہار خیال کرتے ہیں :۔

''موجودہ ارباب حکومت کے عزائم ایک سال سات ماہ کے عرصے میں بالکل عیاں ہو چکے ہیں۔ یہ عوامی نہیں بلکہ فسطائی حکمران ہیں جو ہٹلر اور مسولینی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں اتنے مزدوروں کو گولیوں سے مارا ہے کہ شکاگو کی تاریخ کو بھی مات دیدی۔ حکومت نے نہ صرف جمہوری اقدار کو پامال کیا ہے بلکہ جمہوری عمل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت عوام کا اعتماد کھو چکی ہے اور اب وہ صرف سرکاری مشینری، پولیس، فیڈرل سیکورٹی فورس، پیپلز گارڈ اور لاقانونیت کے عادی عناصر کے بل پر چل رہی ہے۔ حکومت کے بعض افراد کے بارے میں یہ تأثر عام ہے کہ انہوں نے اپنی سرپرستی میں اسمگلنگ کرائی اور اب تک کرا رہے ہیں۔ انہوں نے سرمایہ داروں کو تحفظ دیا ہے۔ انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں سیاحت کارپوریشن کا چیئرمین 22 خاندانوں کے ایک ممتاز نمائندے مسٹر کاؤس جی کو مقرر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے مسٹر رفیق سہگل کے سپرد پی آئی اے کو کیا جا چکا ہے۔ افسر شاہی اور نوکر شاہی کو پھر قوم پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ افسر شاہی کے ایک بہت بڑے نمائندے مسٹر عزیز احمد کو وزیر بنا دیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت بلکہ اعتراف ہے کہ پیپلز پارٹی میں اہل افراد موجود نہیں ہیں۔ یہ اربابِ حکومت کی نااہلی اور ناکامیوں کا کھلا اعتراف ہے۔ ایسی حکومت کے لئے جس کے زمانۂ اقتدار میں اسمگلروں اور چوروں کو کھلی چھٹی مل جائے۔ جس کے پاس اہل افراد موجود نہ ہوں، جو مزدور دشمن، سرمایہ داری کی سرپرست ہو اور ان کے مفادات کی نگہبان ہو۔ بہتر یہ ہے کہ خود مستعفی ہو جائے ورنہ نوشتۂ دیوار پڑھ لے کہ اسے مستعفی ہونا پڑے گا اور عوام ان کے ظلم و تشدد کا حساب لے کر رہیں گے''۔

پیپلز پارٹی کی حکومت ہر اس شخص کا راستہ روک رہی تھی جس کا تعلق حزب اختلاف سے تھا۔ انہوں نے آزاد کشمیر میں ووٹوں کی اکثریت کی بنیاد پر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی سردار عبدالقیوم کی صدارت میں قائم حکومت کے خلاف محض اس لئے اقدامات کرنا شروع

Marfat.com

کر دیے کہ سردار عبدالقیوم کے روابط اپوزیشن رہنماؤں سے تھے اور سردار عبدالقیوم نے مسٹر بھٹو کی خواہش کے برعکس قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو اس کے کچھ عرصے بعد مسلم کانفرنس کی منتخب حکومت کو ایک فرمان کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی اس وقت ملک گیر دورہ کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ انہوں نے سردار عبدالقیوم کی حکومت برطرف کرنے کے فیصلے پر سخت احتجاج کیا اور پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے کروڑوں غیور مسلمان قادیانیوں کے ایماء پر آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم خان کی برطرفی برداشت نہیں کریں گے۔ سردار عبدالقیوم نے آزاد کشمیر اسمبلی سے قادیانیوں کے خلاف قرارداد منظور کروا کر ساری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ حکومت کو اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔

لیکن حکومت اپنی اکثریت کے زعم میں مبتلا رہی اور قادیانی لابی نے آزاد کشمیر سے مسلم کانفرنس کی حکومت ختم کرانے کے بعد یہ تاثر دیا کہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے معاملات پر ان کا گہرا اثر ہے اور مسٹر بھٹو اس لابی کے اس لئے بھی اسیر ہو گئے تھے۔ کیونکہ 1970ء کے الیکشن میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کی بھرپور مدد کی تھی۔ لیکن 1974ء میں قادیانیوں کے خلاف جو ملک گیر مہم چلی اس کی وجہ سے بھٹو بھی بے بس ہو گئے تھے اور انہیں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا پڑا۔ مولانا شاہ احمد نورانی ذوالفقار علی بھٹو کے ہر غلط اقدام کو چیلنج کر رہے تھے اور ہر مسئلہ پر ترکی بہ ترکی جواب دے کر قوم کو صحیح حالات سے آگاہ کر رہے تھے۔ انہوں نے بھٹو کو چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ وہ عہدہ صدارت سے مستعفی ہو جائیں۔ میں بھٹو سے صدارت سمیت کسی بھی عہدہ کے لئے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس عبوری دور کے لئے حکومت نائب صدر نور الامین کے حوالے کر دی جائے۔

بھٹو حکومت کے آغاز میں پیپلز پارٹی نے یہ تاثر پیدا کیا تھا کہ مولانا نورانی اور پیپلز پارٹی کے درمیان مصالحت ہو جائے گی اور مولانا اقتدار میں شریک ہو جائیں گے۔ لیکن مولانا نورانی نے جس طرح ایک فعال اپوزیشن لیڈر کا کردار ادا کیا اور جس طرح اپنے ملک گیر دوروں سے عوام کو حکومت کے خلاف منظم کیا اس سے پیپلز پارٹی کی حکومت پریشان ہو گئی۔ مولانا کی حکومت مخالف مستحکم اور مستقل پالیسی سے بھٹو کے مشیروں کی تمام تر توقعات پر پانی پھر گیا۔ کیونکہ حکمران مولانا کو مختلف عہدوں اور وزارتوں کی پیش کشوں کے باوجود اپنے راستہ سے نہ

Marfat.com

ہٹا سکے۔ البتہ جمعیت کے کچھ ارکان کو توڑنے میں ضرور کامیاب ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود مولانا نورانی کے عزم واستقلال میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس لئے مولانا نورانی کی بے باکانہ پالیسی کو عوام اور خواص سبھی نے یکساں سراہا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ضیائے حرم میں مولانا شاہ احمد نورانی کی صلاحیتوں اور مستقل مضبوط کردار کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:۔

''عام انتخابات کے بعد قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان کا جو پارلیمانی گروپ قائم کیا گیا تھا اس کی قیادت متفقہ طور پر مولانا شاہ احمد نورانی کے سپرد کی گئی۔ اس عرصے میں بڑے کٹھن اور صبر آزما مراحل بھی آئے۔ ابتلاء و آزمائش کی روح فرسا اذیتوں کو بھی طے کرنا پڑا۔ ترہیب وترغیب کے ہتھکنڈے بھی استعمال کئے گئے۔ لیکن ہر موقع پر اس بطل جلیل نے اپنی بالغ نظری، مومنانہ فراست اور قائدانہ صلاحیتوں کا وہ مظاہرہ کیا کہ اپنے اور بیگانے سب عش عش کر اٹھے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آئین کے متعلق اپوزیشن کے تمام لیڈروں کے انٹرویو نشر ہوئے لیکن مولانا نورانی کے انٹرویو کی شان ہی نرالی تھی۔ جس مہارت اور حذاقت سے انہوں نے اس شاطر نقاد کو ہر نکتے پر مات دی اور لا جواب کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ غرض کہ نجی گفتگو ہو یا مجمع عام میں سیاسی خطاب اپنے عوام اور عقیدت مندوں کا حلقہ ہو یا مخالفین کا ہجوم، آئین سازی کی مہم ہو یا متحدہ محاذ کی تشکیل کا مرحلہ، ہر جگہ نورانی میاں منفرد نظر آتے ہیں۔ اہلسنت کو ان کی کارکردگی پر فخر ہے۔ یہ مرد درویش ابتداء سے آخر تک اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ انہیں جن جاں گسل مرحلوں سے گزرنا پڑا ان کی شدت کا صحیح احساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے حالات پر کڑی نظر رکھی ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ جمعیت علماء پاکستان کے وہ نمائندے جو پنجاب سے منتخب ہوئے بجز حضرت مولانا محمد ذاکر کے انہوں نے اپنا قومی فرض ادا نہیں کیا۔ انہوں نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اپنے بے غرض اور بے لوث کارکنان کا منہ چڑایا ہے جو قوم سے ان کے لئے ووٹوں کی بھیک مانگتے رہے۔''

انہی دنوں ہفت روزہ استقلال نے بھی مولانا شاہ احمد نورانی پر یہ تبصرہ شائع کیا:۔

''مولانا شاہ احمد نورانی برصغیر کے علماء کے ایک ممتاز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور اب بریلوی مکتبہ فکر کے علماء کی نمائندہ جماعت جمعیت علمائے پاکستان کی قیادت بھی ان جیسے علماء کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ جو خدائے بزرگ و برتر کے سوا کسی کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ

Marfat.com

اس سے ڈرا جائے۔ اس ضمن میں اسمبلی میں جمعیت کے دو ارکان علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا محمد علی، سندھ اسمبلی میں جمعیت کے نمائندے پروفیسر شاہ فرید الحق اور جمعیت کے نئے سیکریٹری جنرل مولانا عبدالستار خان نیازی کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔"

جمعیت کی سابقہ قیادت کے برعکس موجودہ قیادت نے ملکی سیاست میں انتہائی جاندار کردار انجام دے کر یہ ثابت کردیا ہے کہ محض غلط قسم کی قیادت کی وجہ سے کسی مکتبہ فکر کے بارے میں کوئی پختہ رائے قائم نہیں کرلینی چاہئے۔

1973ء کے آئین کے تحت وزیر اعظم کے انتخابات کا مرحلہ قریب آیا تو متحدہ جمہوری محاذ نے اس اہم معاملے پر غور کے لئے سربراہی اجلاس منعقد کیا۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے تو مسٹر بھٹو نے ہی الیکشن لڑنا تھا وزیر اعظم کے ووٹر قومی اسمبلی کے ارکان تھے اور ایوان میں پیپلز پارٹی کو جس طرح واضح اکثریت حاصل تھی اس کے پیش نظر پیپلز پارٹی کی ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہی پیپلز پارٹی کو اس انتخاب سے متعلق کوئی مہم چلانا تھی۔ البتہ بھٹو کی یہ خواہش تھی کہ وہ بلا مقابلہ وزیر اعظم منتخب ہو جائیں۔ جبکہ متحدہ جمہوری محاذ کا فیصلہ تھا کہ وزیر اعظم کے عہدہ کے لئے انتخاب لڑا جائے گا اور اس طرح قوم کے سامنے متبادل قیادت کا تصور پیش کیا جائے گا اور متبادل قیادت پیش کرنے کا یہ بہترین وقت تھا۔ اگر اس وقت متحدہ جمہوری محاذ وزیر اعظم کے انتخاب میں حصہ نہ لیتا اور مسٹر بھٹو کا مقابلہ نہ کرتا تو قوم میں یہ تأثر پختہ ہوجاتا کہ بھٹو کے مقابلے کی کوئی شخصیت متحدہ جمہوری محاذ کے پاس نہیں ہے۔ ضروری تھا کہ اس اہم ترین منصب کے لئے مقابلے میں وہی شخصیت سامنے لائی جائے جو قابلیت، وجاہت یعنی بہترین شخصیت کے معیار پر پورا اترتی ہو اور جس کا ماضی وحال اقتدار پرستی کی آلودگیوں سے بھی صاف ہو۔ اس نازک موقع پر متحدہ حزب اختلاف کے قائدین کی نظر انتخاب مولانا شاہ احمد نورانی پر تھی جن کی بھٹو کے خلاف مسلسل جدوجہد روشن تاریخ رکھتی تھی۔ متحدہ جمہوری محاذ نے مولانا نورانی کو بھٹو کے مقابلے میں اپنا امیدوار نامزد کر دیا۔ 5 اگست 73ء کے اجلاس میں مولانا نورانی کی نامزدگی نے سوشلسٹ بھٹو اور نظام مصطفیٰ کے داعی مولانا نورانی کے درمیان جاری کش مکش کو مستحکم بنیاد فراہم کر دی اور ہمیشہ کے لئے یہ طے کر دیا کہ بھٹو کا راستہ صرف مولانا نورانی ہی روک سکتے ہیں۔ اور مولانا ہی بھٹو جیسے ذہین وفطین سیاست دان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور 1970ء میں سنی کانفرنس کے موقع پر سوشلزم کے

Marfat.com

آگے بند باندھنے کا جو اعلان مولانا نے کیا تھا اس پر کام صحیح خطوط سے جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر پارٹیوں کی قیادت نے مولانا نورانی کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ اس فیصلے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا نورانی نے قومی سیاست میں آنے کے تین سال بعد ہی دیگر قومی رہنماؤں کے مقابلے میں بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔

قومی اسمبلی میں وزیر اعظم کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو مولانا شاہ احمد نورانی نے بڑے اعتماد کے ساتھ صدر بھٹو کا مقابلہ کیا اور انہیں بلا مقابلہ وزیر اعظم نہ بننے دیا۔ مولانا نورانی کو اپوزیشن کے تقریباً تمام ارکان نے اعتماد کا ووٹ دیا۔ صرف جمعیت علمائے اسلام سے تعلق رکھنے والے تین ارکان مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحق نے مولانا نورانی کو ووٹ دینے کی بجائے ذوالفقار علی بھٹو کو ووٹ دیے۔ نامعلوم انہوں نے کس بنیاد پر بھٹو کو مولانا نورانی پر ترجیح دی۔

مندرجہ بالا ارکان کی طرف سے پارٹی نظم و ضبط کی خلاف ورزی پر جمعیت علمائے اسلام کے جنرل سیکریٹری مفتی محمود نے ان ارکان کو مطلع کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ انہوں نے پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے اور پارٹی فیصلے کے مطابق مولانا نورانی کو ووٹ نہیں دیے اس لئے انہیں جمعیت سے مستعفی ہو جانا چاہئے ورنہ انہیں جمعیت سے نکال دیا جائے گا۔ مفتی محمود نے کہا کہ ان ارکان نے علی الاعلان پارٹی سے بغاوت کی ہے اور جمعیت کے آئین کے مطابق کوئی شخص اس قسم کی کارروائیوں کے بعد جمعیت کا رکن نہیں رہ سکتا۔

جمعیت علماء اسلام کے باغی ارکان نے مفتی محمود کے فیصلے کے بعد جمعیت سے مستعفی ہونے کا اعلان تو نہ کیا البتہ جمعیت نے ان ارکان کو 21 اگست 73ء کو پارٹی سے نکال دینے کا اعلان کر دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت مختلف جماعتوں میں توڑ پھوڑ کر کے مولانا نورانی کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تاکہ متحدہ جمہوری محاذ منتشر ہو جائے جمعیت علماء اسلام کے ارکان کے مولانا نورانی کو ووٹ نہ دینے سے یقیناً اختلافات جنم لے سکتے تھے اور جمہوری محاذ ختم بھی ہوسکتا تھا لیکن ایک طرف مفتی محمود کے بروقت فیصلے نے دوسرے مولانا شاہ احمد نورانی نے اسے انا کا مسئلہ نہ بنایا۔ انہوں نے اپنی بصیرت اور تدبر سے پیپلز پارٹی کے اس وار سے متحدہ جمہوری محاذ کو بچا لیا تاکہ پیپلز پارٹی کے استعماری حربوں سے مستقبل میں بھی نمٹا جا سکے۔

ذوالفقار علی بھٹو کا وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں مقابلہ کرنے کے بعد مولانا شاہ احمد

Marfat.com

نورانی کی شخصیت قومی سیاسی افق پر ایک نئے انداز سے ابھری تھی۔ تمام قومی سیاسی رہنماؤں کی طرف سے مولانا نورانی کی شخصیت پر اعتماد کا اظہار ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس متفقہ نامزدگی سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ مولانا نورانی نے صرف جمعیت علماء پاکستان کے داخلی انتشار اور تنظیمی خامیوں کو ہی ختم نہیں کیا بلکہ اپنی بے لوث خدمات کی وجہ سے تمام قومی رہنماؤں کی نظر میں ایک بلند و بالا مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔

ہفت روزہ زندگی نے مولانا نورانی کی شخصیت، مقام و مرتبہ اور سیاسی جدوجہد پر اس طرح روشنی ڈالی۔

''مولانا شاہ احمد نورانی ملکی سیاست کے منظر پر دسمبر 70ء کی انتخابی لہر پر سوار ہو کر ابھرے اور کراچی کے معروف ترین کاروباری علاقے (بندر روڈ وغیرہ) سے جمعیت علماء پاکستان کی ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پھر اس کے بعد سات رکنی پارلیمانی پارٹی کے سربراہ بنے۔ انہی دنوں لاہور کی ایک سرد شام ایک مقامی ہوٹل کے گرم ہال میں جمعیت علماء پاکستان نے ایک تقریب منعقد کی اور اسے اپنے نومنتخب ارکان اسمبلی کی پریس سے ملاقات کا ذریعہ بنایا۔ پریس ٹرسٹ کے ایک سرخ چیف رپورٹر جو امریکی خرچ پر امریکی دوروں کے باوجود سوشلسٹ رہتے تھے۔ آغاز تقریب سے بیشتر بڑے لال پیلے ہو رہے تھے۔ وہ قومی اسمبلی میں منتخب ہونے والے باریش ارکان کی گنتی کر رہے تھے اور بالخصوص اس پر تاسف کا اظہار کر رہے تھے کہ یہ داڑھیوں والے انگریزی نہیں جانتے اس لئے کارروائی کے دوران خاموش رہ کر یا الل ٹپ بول کر نہ صرف اسمبلی کی سطح پست رکھیں گے بلکہ اپنے حلقوں کے ''بدقسمت'' عوام کی ترجمانی بھی نہیں کر سکیں گے۔

تقریب کے آغاز کا اعلان ہوا مولانا شاہ احمد نورانی پہلے مقرر تھے۔ انہوں نے آتے ہی امریکی لہجے میں شستہ انگریزی کو ذریعہ کلام بنایا تو وہ سرخ رپورٹر چند لمحوں تک منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے اپنی سماعت پر زور دیتا رہا۔ لیکن جلد ہی دوسری رپورٹروں کے ہلکے ہلکے قہقہوں نے اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلایا اور پھر اس نے اپنی گردن نیچی کر کے لکھنا شروع کر دیا۔ قومی پریس سے مولانا نورانی کا یہ پہلا زوردار تعارف تھا''۔

اس تقریب نے ارباب صحافت پر یہ راز کھول دیا کہ اہلیت کے اعتبار سے مولانا نورانی ہر مقام پر اور دنیا کی کسی بھی اسٹیج پر سوشلزم اور کیمونزم کے حامیوں کا مقابلہ ہر زبان میں کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

باب 10

ریاستی مظالم اور تحریک نظام مصطفیٰ

یوں تو ذوالفقار علی بھٹو عوامی ووٹوں کے بل بوتے پر ہی برسر اقتدار آئے تھے لیکن اپنے دور حکومت میں انہوں نے جس طرح سیاسی پارٹیوں، ان کے راہنماؤں اور کارکنان پر ظلم و تشدد جاری رکھا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معروف پارلیمانی اور جمہوری طریقے سے حکومت کرنے کی بجائے آمرانہ اور فردواحد کے وسیع اختیارات کا طریقۂ حکومت پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دور حکومت کے ابتدائی چند سالوں میں اپوزیشن کے مشترکہ پلیٹ فارم ''متحدہ جمہوری محاذ'' کے لیڈران کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا اور ان کے عام جلسوں کو جس طرح ناکام بنایا اس کے بعد عام طور پر اتنی بڑی سطح کے عوامی اجتماعات کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ لیکن مولانا شاہ احمد نورانی نے مذہبی تبلیغی پروگراموں کے ذریعے عوامی رابطہ جاری رکھا اور اپنے خیالات عوام تک پہنچاتے رہے۔ لیکن اس میں جس قسم کی رکاوٹیں اور مشکلات درپیش آئیں ان کا اندازہ بھٹو کی شخصیت کو سامنے رکھتے ہوئے یوں لگایا جاسکتا ہے کہ مسٹر بھٹو منتقم مزاج شخصیت کے حامل تھے۔ وہ جمہوریت کے نام پر عوام کے کاندھوں پر سوار ہو کر آئے ضرور تھے لیکن تنقید اور اپوزیشن کا سامنا کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ ان کے دور حکومت میں پارٹی کے ہر سطح کے لیڈر نے من مانی کارروائیاں کیں اور جس طرح چاہا حزب اختلاف کو پریشان کیا۔ خود بھٹو کا سیاسی مخالفین کے بارے میں رویہ اور نقطۂ نظر اب کوئی راز نہیں رہا ہے۔ حتی کہ وہ اپنی ہی پارٹی کے سینئر ترین شخص کی تنقید بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ یہ ان کی شخصیت کی زبردست کمزوری تھی۔ اپوزیشن کے کارکنوں اور لیڈروں کے ساتھ بھٹو دور حکومت میں جو مظالم ہوئے وہ زبان عام و خاص ہیں۔

سابق سینٹر ممتاز احمد خان اپنے مضمون ''غیر اخلاقی سیاست'' میں بھٹو کے آمرانہ مزاج

Marfat.com

کی جھلک پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''پاکستان پیپلز پارٹی کی تمام تر کارگزاریوں کی تاریخ اتنے ماضی قریب سے تعلق رکھتی ہے کہ اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ ہر شخص کو تقریباً یاد ہیں۔ بھٹو صاحب مسٹر جے اے رحیم کو اپنے چچا کی مانند خیال کرتے تھے اور وہ پیرس میں سفارت کے عہدے سے مستعفی ہو کر پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے۔ بھٹو حکومت کی تمام تر خامیوں اور برائیوں کے باوجود مسٹر جے اے رحیم نے اصلاح احوال کی امید میں ممکنہ حد تک اس کا ساتھ دیا۔ بھٹو دور کے آخری حصہ میں ایک شام بھٹو کی جانب سے وزیر اعظم ہاؤس راولپنڈی میں عشائیہ میں مسٹر بھٹو تین گھنٹے تک مہمانوں کے پاس نہیں آئے۔ گیارہ بجے رات مسٹر رحیم بھوک اور تھکاوٹ سے مجبور ہو کر بھٹو کی اس حرکت کو وڈیرہ شاہی انداز کہتے ہوئے اسلام آباد میں اپنے گھر لوٹ گئے۔ گیارہ بجے کے بعد مسٹر بھٹو اپنے مہمانوں میں نمودار ہوئے تو چند چغلخور وزیروں اور حواریوں نے مسٹر جے۔ اے رحیم کے خلاف چغلی کھائی۔ بس پھر کیا تھا۔ اسی وقت کمانڈوز کا ایک دستہ اسلام آباد روانہ کیا گیا۔ جنہوں نے مسٹر رحیم اور ان کے صاحبزادے کو ان کی خواب گاہوں سے نکال کر کوٹھی کے لان میں خوب پیٹا اور اس کے بعد لہولہان باپ بیٹوں کو اسلام آباد کے ایک تھانے کی حوالات میں بند کروا دیا۔ اس طرح بھتیجے نے اپنے بزرگ چچا کی خدمات اور احسانات کا بدلہ چکا دیا''۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاگیردار بھٹو کے مزاج میں جمہوری کلچر کا فقدان تھا کیونکہ اختلاف رائے اور مخالف کی تنقید برداشت کرنا جمہوریت کا خاصہ ہے اور یہی چیز بھٹو میں نہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ایک طرف وزیر اعظم بھٹو ریاستی مظالم کا بازار گرم کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف اپوزیشن کا مشترکہ پلیٹ فارم بھی غیر مؤثر ہو چکا تھا۔ جمعیت علماء پاکستان جو متحدہ جمہوری محاذ کی بانی تھی، اس سے علیحدہ ہو کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھی۔ دراصل متحدہ جمہوری محاذ سے جمعیت کی علیحدگی کے فیصلے کے پس منظر میں مولانا نورانی کا موقف یہ تھا کہ حکومت کا ہر سطح پر ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے اور جس حد تک ممکن ہو عوام تک پہنچ کر اپنی آواز پہنچائی جائے جبکہ اپوزیشن کی دوسری پارٹیاں بھٹو حکومت کے جبر و تشدد سے تنگ آ کر اسمبلی کی کارروائی اور اخباری بیانات کی حد تک اپنی سرگرمیاں باقی رکھنے کے حق میں تھیں اور آئندہ عام

Marfat.com

انتخابات تک اسی پالیسی پر گامزن رہنا چاہتی تھیں۔ لیکن مولانا شاہ احمد نورانی ضمنی انتخاب میں حصہ لے کر حکومت کی طرف سے دھاندلی کی کارروائی کو طشت از بام کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ ان ضمنی انتخابات میں دھاندلیاں اپنے عروج پر ہوتی تھیں لیکن مقابلہ نہ کرنے سے مسٹر بھٹو اپنی بے پناہ عوامی مقبولیت کا تأثر دیتے تھے۔ جبکہ مقابلے کی صورت میں وہ بے نقاب ہوجاتے تھے۔ اسی لئے لاہور کے صوبائی ضمنی انتخابات میں بھٹو کے منظور نظر غلام مصطفیٰ کھر اور شیر محمد بھٹی کا مقابلہ ہوا تھا۔ آزاد امیدوار جاوید ہاشمی کے علاوہ جمعیت علماء پاکستان نے بھی اپنا نمائندہ نامزد کیا تھا۔ جبکہ متحدہ جمہوری محاذ نے اس انتخاب کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا...... اسی طرح مولانا نورانی جب سینٹ کے رکن منتخب ہوئے تو ان کے قومی اسمبلی کی نشست کے ضمنی انتخاب میں پیپلز پارٹی کے نورالعارفین کے مقابلے پر جمعیت نے اپنا نمائندہ کھڑا کیا۔ متحدہ محاذ نے اس الیکشن میں حصہ لینے کی جمعیت کی پالیسی پر زبردست تنقید کی بالاخر مولانا نورانی نے جمعیت کے پالیسی ساز ادارے ''مجلس عاملہ'' کے مشورے سے متحدہ جمہوری محاذ کے غیر جمہوری فیصلوں کی وجہ سے محاذ سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔

بھٹو حکومت کی من مانی کارروائیوں سے یوں تو اپوزیشن کی تمام پارٹیاں نالاں تھیں لیکن یو ڈی ایف سے جمعیت کی علیحدگی اور تحریک استقلال کی اس میں عدم شرکت کی وجہ سے اپوزیشن کی پارٹیوں کے اندر اتحاد کی کوئی عملی صورت باقی نہیں رہ گئی تھی اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی ضرورت کو محسوس کیا جاتا رہا۔ جمعیت علماء پاکستان کی خواہش تھی کہ اپوزیشن کی پارٹیاں متحد ہوں اور جمعیت نے اس لیے ہر اس کوشش کا خیر مقدم کیا جس کا مقصد باہمی اتحاد تھا تحریک استقلال اور جمعیت علماء پاکستان کے درمیان قیادت کی سطح پر رابطہ قائم تھا اور ان کے درمیان فکری ہم آہنگی موجود تھی ان ملاقاتوں میں وسیع تر اتحاد کے امور بھی زیر غور آتے تھے اور ان کے مختلف جماعتوں سے رابطے بھی جاری تھے اگرچہ ائیر مارشل اصغر خان، یو ڈی ایف کی بعض جماعتوں کے رویے سے شاکی تھے اور اس کی بعض جماعتوں سے ان کے تعلقات خوشگوار نہ تھے مگر پھر بھی وہ اپوزیشن کے اتحاد کے حامی تھے۔ تاہم اس اتحاد کے قیام کے سلسلے میں جو ابتدائی کوششیں ہوئیں ائیر مارشل اصغر خان ان سے غیر حاضر رہے۔ بعد میں مولانا نورانی کی خواہش پر وہ بھی ان کوششوں میں شامل ہوگئے۔ اس سلسلے میں پہلا اجلاس 30 اکتوبر 1979ء کو لاہور کے ایک ہوٹل میں منعقد ہوا جس کے داعی نوزائدہ جماعت نیشنل

ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ سردار شیر باز مزاری تھے۔ اس میں مولانا شاہ احمد نورانی کے علاوہ مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ خان، پیر پگاڑا، میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد نے شرکت کی۔ جبکہ اصغر خان نے سردار مزاری کے نام اپنے خط میں اس لیے شامل ہونے سے معذرت ظاہر کی کہ سیاسی جماعتوں کے لیڈر اس سے قبل بھی جمع ہوتے رہے اور اتحاد بنتے رہے لیکن کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا۔ تاہم اجلاس کے تقریبا تمام شرکاء نے کم سے کم پروگرام پر اتحاد قائم کرنے کی اہمیت کو تسلیم کیا اور اسے وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا گیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے نزدیک تحریک استقلال کے بغیر ایسے اتحاد کا قیام غیر اہم تھا۔ اس لیے مولانا نے تجویز پیش کی کہ ائیر مارشل اصغر خان کو بھی آئندہ اجلاس میں مدعو کیا جائے۔ اور ان کی موجودگی میں کوئی واضح قدم اٹھایا جائے۔ یہ اجلاس بہت اہم وقت پر ہوا تھا۔ کیونکہ آثار بتا رہے تھے کہ بھٹو نئے سال کے آغاز پر الیکشن کے متعلق کوئی اعلان کریں گے اور بھٹو کی خواہش تھی کہ اپوزیشن لیڈروں کا باہم مل بیٹھنے کا موقع میسر نہ آسکے اور وہ ان کے آپس میں اختلافات کی حالت میں انتخابی جنگ جیت لیں۔ لیکن نامساعد حالات کے باوجود اپوزیشن کے رہنما باہمی گفت وشنید کے مواقع پیدا کر لیتے تھے اور لاہور کے مقامی ہوٹل کا اجلاس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ اگرچہ اس اجلاس کے انعقاد میں بھی زبردست رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور کوشش کی گئی کہ کسی طرح یہ میٹنگ منعقد نہ ہوسکے۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو بھی خوف وہراس میں مبتلا کیا گیا...... جس کی وجہ سے ہوٹل کی انتظامیہ نے پینے کا پانی تک مہیا کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا انتظام باہر سے کیا گیا حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار بھی مصروف عمل تھے۔ لیکن پھر بھی مشکل ترین حالات میں یہ اجلاس منعقد ہوا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی تجویز پر یہ اجلاس ملتوی کر دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ آئندہ اجلاس ۲۰ نومبر کو اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔ مولانا نے توقع ظاہر کی کہ ائیر مارشل اصغر خان آنیوالے اجلاس میں شریک ہوں گے۔ مگر اصغر خان متحدہ جمہوری محاذ کی بعض جماعتوں سے اس قدر خفا تھے کہ ان کے ساتھ اجلاس میں بیٹھنے کو تیار نہ تھے۔ لہذا مولانا شاہ احمد نورانی کی تحریک پر فیصلہ کیا گیا کہ نئے سیاسی اتحاد میں اصغر خان کی شمولیت کو یقینی بنانے کے لیے ایک وفد تشکیل دیا جائے جو انہیں آمادہ کرے۔ یہ وفد مولانا شاہ احمد نورانی، سردار شیر باز مزاری اور پروفیسر غفور احمد پر مشتمل تھا۔ انہوں نے ایبٹ آباد میں ائیر مارشل اصغر خان سے تفصیلی مذاکرات کئے جن میں یہ طے پایا کہ مسٹر بھٹو اگر انتخابات کا اعلان کر دیں تو اس میں حزب اختلاف کی جماعتیں

Marfat.com

مشترکہ فیصلوں کے مطابق حصہ لیں اور اس سلسلے میں باہمی تعاون کے لیے ایک ورکنگ پیپر تیار کیا جائے۔

چند روز بعد 25 دسمبر کو جمعیت علماء پاکستان اور تحریک استقلال کے پارلیمانی بورڈز کا مشترکہ اجلاس جمعیت کے مرکزی دفتر لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں تحریک کے سربراہ ائیر مارشل اصغر خان کے ہمراہ محمود علی قصوری اور مختار احمد تارڑ تھے۔ جبکہ مولانا نورانی کی معاونت ان کے رفقاء کر رہے تھے۔اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ وزیر اعظم بھٹو کے انتخابات کے متوقع اعلان کے پیش نظر امیدواروں کا سروے مکمل کر لیا جائے تاکہ جمعیت اور تحریک انتخابی محاذ پر باہمی افہام و تفہیم سے کام کر سکیں لیکن چونکہ ملک کی تمام اپوزیشن جماعتوں کے درمیان اتحاد کی واضح امید نہیں تھی...... اس لیے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے 1977 کے آغاز میں 7 جنوری کو قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کرتے ہوئے 7 مارچ کو نئے انتخابات کی نوید سنائی عوام کے لیے یہ حیران کن خبر تھی۔ لیکن سیاستدان اس فیصلہ سے بے خبر نہ تھے۔اسی لیے وہ ایک عرصے سے مختلف انداز میں ایک دوسرے سے رابطہ پر تھے مگر کسی اتحاد کے بغیر، مولانا شاہ احمد نورانی جو ایک عرصے سے اپوزیشن پارٹیوں کے لیے سیاسی اتحاد کے قیام کے لیے کوشاں تھے ایک بار پھر میدان عمل میں آئے اور انہوں نے ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کو ایک جگہ بٹھانے کا ماحول پیدا کیا۔ تاکہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو فراموش کر کے بڑے مقصد کے لیے اکٹھے ہو کر مستقبل کا لائحہ عمل طے کر سکیں۔ مولانا نورانی کی محنت رنگ لائی اور ان کی دعوت پر اپوزیشن کے تمام سیاستدان مشترکہ اجلاس کے لیے متفق ہو گئے۔ یہ تاریخ ساز اجلاس 10 جنوری 1977ء کو جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی دفتر لاہور میں منعقد ہوا۔ اور کچھ دیر بعد رفیق احمد باجوہ کی رہائش گاہ پر منتقل ہو گیا۔ اس اہم اجلاس میں میزبان جمعیت علماء پاکستان کے علاوہ پاکستان مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، جماعت اسلامی پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی، تحریک استقلال، خاکسار تحریک اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس شریک ہوئیں، اس اعلیٰ سطحی اجلاس میں صرف جماعتوں کے سربراہ شریک ہوئے جبکہ مولانا عبدالستار خان نیازی اور پروفیسر غفور احمد موجود تھے مگر انہیں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی گئی۔ اجلاس میں فضا سازگار تھی۔ اس لیے مستقبل میں ایک پلیٹ فارم پر چلنے کے لیے غور وخوض کیا گیا۔

Marfat.com

جمعیت اور تحریک چونکہ اپنے اجلاس میں یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکی تھیں کہ کسی سیاسی اتحاد کے قیام کی صورت میں دونوں پارٹیاں 36 فیصد کے حساب سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کا کوٹہ حاصل کریں جس میں تحریک استقلال کا حصہ 19 فیصد ہوگا۔ اس لیے دونوں جماعتوں کے درمیان بنیادی معاملہ طے تھا۔ لہٰذا جب اس فیصلے سے اپوزیشن کے دیگر راہنماؤں کو آگاہ کیا گیا تو جماعت اسلامی کے علاوہ کسی نے بھی اختلاف نہ کیا، غالباً جماعت اسلامی کو یہ گمان تھا کہ وہ علیحدہ الیکشن لڑ کر مجوزہ اتحاد کے کوٹہ سے زیادہ نشستیں حاصل کر سکتی ہے۔ اس لیے اتحاد کے قیام کے بارے میں اس کا رویہ سرد مہری کا سا تھا ایک مرحلہ پر جماعت اسلامی کے راہنماؤں نے اتحاد میں شامل ہونے سے اجلاس میں انکار بھی کر دیا تھا۔ لیکن قوم کی نگاہیں اس اجلاس کی طرف لگی ہوئی تھیں اور کروڑوں عوام ملک میں تبدیلی کے لیے نئے سیاسی اتحاد کے قیام کیلئے بیتاب تھے۔ مسٹر باجوہ کی رہائش کے باہر بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اتحاد کے قیام کے لئے ایک جذباتی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ لہٰذا جب پاکستان قومی اتحاد کے نام سے نئے سیاسی اتحاد کا اعلان ہوا تو پوری قوم نے والہانہ طور پر اس فیصلے کو سراہا۔ اس طرح مولانا شاہ احمد نورانی کی مسلسل کوششوں سے پاکستان کی سیاسی تاریخ کا اہم ترین اتحاد معرض وجود میں آ گیا۔ بلاشبہ مولانا کی یہ کاوشیں سول آمریت کے خلاف جمہوریت پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

پہلے مرحلہ میں یوں تو اتحاد کے قیام کا اعلان ہو گیا لیکن اس کے وجود کو ابھی بہت سے خطرات درپیش تھے جس میں اہم کام عہدیداروں کا چناؤ تھا۔ اتحاد کے اعلان کے بعد قائدین کے معتمدین کو بھی اجلاس میں شرکت کی اجازت دیدی گئی۔ اس اجلاس میں مولانا نیازی نے تجویز پیش کی کہ اتحاد کا صدر ایسی شخصیت ہو جس پر ملک دشمنی کا اعتراض نہ ہو...... کیونکہ ہمارا دشمن عیار ہے اور وہ اس بات کو بطور پروپیگنڈہ استعمال نہ کرے۔ اس پر جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد نے مولانا نیازی کی تائید کی اور کہا کہ ہم پر بھی الزام ہے اس لیے پی این اے کا صدر جمعیت علماء پاکستان یا مسلم لیگ سے ہو۔ یہ سنتے ہی نوابزادہ نصراللہ اور خان محمد اشرف نے مفتی محمود کا نام صدارت کے لیے پیش کر دیا۔ پیر پگاڑہ کا نام بھی تجویز کیا گیا مگر مفتی محمود نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور یوں صدارت کے مسئلہ پر اتحاد کا قیام پھر خطرے میں پڑ گیا ائیر مارشل اصغر خان اس صورتحال سے نالاں ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ اتحاد اپنے قیام

Marfat.com

کے کچھ ہی عرصہ بعد جھگڑے کا شکار ہو کر ختم ہو جاتا، مولانا شاہ احمد نورانی نے اس مشکل گھڑی میں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے مفتی محمود کو اتحاد کا صدر بنانے کی تجویز کو قبول کر لیا اور ائیر مارشل اصغر خان کو بھی اس کے لیے قائل کیا۔ جنرل سیکرٹری جمعیت علماء پاکستان کے رفیق احمد باجوہ بلا مقابلہ چنے گئے جبکہ نائب صدارت نوابزادہ نصر اللہ کے حصہ میں آئی اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کا سربراہ پیر پگاڑہ کو منتخب کیا گیا اس طرح پاکستان قومی اتحاد کا تنظیمی ڈھانچہ تشکیل پذیر ہوا، لیکن عہدیداران کا جونہی اعلان ہوا تو عوام میں حیرانی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ عوام کی اکثریت مولانا نورانی کے ہر اول کردار کو دیکھتے ہوئے قیادت کی توقع کر رہی تھی جماعت اسلامی کو کوئی عہدہ نہیں ملا تھا وہ اس صورتحال سے ناراض ہو گئی اور جماعت کے عہدیداروں میاں طفیل محمد، پروفیسر غفور احمد اور چوہدری رحمت الٰہی نے شکوہ کیا کہ جماعت کو کوئی عہدہ نہیں دیا گیا اس لیے ہم آگے آ کر کام نہیں کریں گے۔ جہاں ضرورت ہو گی وہاں کام کریں گے مگر مرکزی عاملہ میں شریک نہیں ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔ مگر جب عوام میں اتحاد کے قیام کی پذیرائی دیکھی اور لوگوں کا بڑھتا ہوا جوش و خروش محسوس کیا تو اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی اور دوسرے دن خود بخود آ گئے اور پی این اے سے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔ جمعیت علماء پاکستان قومی اتحاد کو عملی شکل میں لانے تک بہت سی قربانیاں دیں۔ حتی کہ طے شدہ اصول کے مطابق جتنی نشستیں بنتی تھیں ان سے بھی کم پر راضی ہو گئے اور کسی بھی بات کو آنا کا مسئلہ نہ بنایا اور جہاں جہاں پارلیمانی بورڈ نے فیصلہ کیا۔ جمعیت کے امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیے کیونکہ مولانا شاہ احمد نورانی سوشلزم کے علمبردار ذوالفقار علی بھٹو کا ہر صورت میں راستہ روکنا چاہتے تھے تاکہ پاکستان کو دو قومی نظریے کی روشنی میں چلایا جا سکے۔ مگر بھٹو اپنے مقصد کے حصول کے لیے تمام ریاستی مشینری کا بے دریغ استعمال کر رہے تھے اور پیپلز پارٹی کے عزائم شروع ہی سے واضح تھے۔ بھٹو ہر قیمت پر دوبارہ اقتدار کے خواہاں تھے۔ اور اس کے لیے انہوں نے ہر طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ ان کے اس اقدام سے لگایا جا سکتا ہے کہ لاڑکانہ کی نشست سے انہوں نے خود کو بلا مقابلہ منتخب قرار دے دیا تھا...... اسی طرح صوبوں کے وزرائے اعلیٰ بھی دھونس دھاندلی اور غنڈہ گردی سے بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ ان اقدامات سے حکومت کے مستقبل کے عزائم ظاہر ہو رہے تھے اور بڑے پیمانے پر دھاندلی کے آثار واضح ہو گئے تھے وزیراعظم اور وزرائے اعلیٰ کے بلا مقابلہ منتخب ہونے

Marfat.com

کے علاوہ پیپلز پارٹی کے 12 امیدوار قومی اسمبلی اور 69 سیٹوں پر امیدواروں صوبائی اسمبلی بھی بلامقابلہ منتخب قرار دیئے گئے۔ لیکن پھر بھی قومی اتحاد کے قائدین کے حوصلے پست نہ ہوئے اور انہوں نے ملک گیر عوامی رابطہ مہم کا آغاز کراچی سے کردیا 23 جنوری کو کراچی کے نشتر پارک کے جلسے میں جب مولانا نورانی اتحاد کے دیگر راہنماؤں کے ہمراہ اسٹیج پر پہنچے تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا اور پھر جب تمام لیڈروں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اتحاد کا مظاہرہ کیا تو عوام نے کھڑے ہو کر نعروں اور تالیوں سے قائدین سے اظہار یکجہتی کیا ہر طرف انسانوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے عوام کا سیلاب نشتر پارک میں امڈ آیا ہو۔ اس موقع پر مولانا نورانی نے دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ یہ اتحاد نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ہے اور ہم نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے متحد رہیں گے۔ ہم بھٹو آمریت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور پوری قوم اس ڈکٹیٹر سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہم نے عزم کررکھا کہ ہم دھاندلیوں کو برداشت نہیں کریں گے اور پوری قوم اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی۔ 7 مارچ کو عوام ڈکٹیٹر شپ کے خاتمہ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی خاطر ووٹ دیں گے اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔

اس اعلان نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ حزب اختلاف کی قومی اتحاد میں شامل تمام جماعتیں نظام مصطفیٰ کے نفاذ پر متفق ہیں اور اس پر کسی بھی جماعت کو اختلاف نہیں ہے۔ یہ وہ مقام تھا جس کے لیے مولانا نورانی 1970ء سے جدوجہد کررہے تھے کہ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے جماعتوں اور عوام کو تیار کریں۔ وہ دن اب آچکا تھا سوشلزم اور نظام مصطفیٰ دو نظام آمنے سامنے تھے۔ روٹی کپڑا اور مکان کا کھوکھلا نعرہ دم توڑ دیا تھا اور عوام انقلاب نظام مصطفیٰ کے لیے تیاری کررہی تھی۔

کراچی کے بعد راولپنڈی سے ایک ملک گیر جلوس کا آغاز کیا گیا تاکہ چھوٹے بڑے شہروں کے لوگوں کو اس تحریک میں یکساں شامل کیا جاسکے۔ اس تاریخی سفر کے آغاز پر فروری کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں عظیم الشان جلسہ عام منعقد ہوا۔

بانی تحریک نظام مصطفیٰ مولانا شاہ احمد نورانی نے اس اجتماع میں بھٹو حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا کہ قوم اب نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے متحد ہوچکی ہے۔ اب اس کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہ ہوگی اور اب عوام 7 مارچ کو پاکستان قومی اتحاد کے

Marfat.com

حق میں فیصلہ دیں گے اور اگر دھاندلی کی گئی تو انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ جلسہ سے اگلے دن پنجاب کے تفصیلی دورہ کے لیے جلوس کا آغاز ہوا۔ مولانا شاہ احمد نورانی اور ائیر مارشل اصغر خان دورے کے پہلے مرحلہ کے قائد تھے۔

راولپنڈی سے شروع ہونے والے اس تاریخی سفر میں عوام کے جذبات کیا تھے؟ اور انہوں نے کس طرح اپنے قائدین کو خوش آمدید کہا اس کی ایک جھلک اختر کاشمیری کے الفاظ میں:

" 5 فروری 1977ء کو ایوان صدر کی دیواروں نے جو منظر ملاحظہ کیا وہ نا قابل فراموش ہے۔ اس روز راولپنڈی کی عوام نے پورے ملک کو چیلنج کیا تھا اور وہ ثابت کر رہے تھے کہ ہمارا شہر بھی تحریک اٹھا سکتا ہے۔ جوں ہی اس عزم کا اظہار ہوا تو راولپنڈی کے عوام جوق در جوق ایوان صدر کی طرف بڑھنے لگے۔ قومی قیادت ابھی پہنچنے بھی نہیں پائی تھی کہ عوام پہنچ گئے۔ قائدین پہنچے تو ایوان صدر کی اونچی دیواروں کے سامنے جلوس ترتیب پانے لگا۔ اس جلوس کی قیادت کے لیے مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، اصغر خان اور جان محمد عباسی کو آنا تھا۔

مولانا جان محمد عباسی کو اس روز الیکشن کمیشن میں پیش ہونا پڑا۔ مفتی محمود علالت کے باعث اتنا طویل سفر نہ کر سکے۔ آخر کار یہ جلوس مولانا شاہ احمد نورانی، اصغر خان اور کشمیر کے راہنما سردار سکندر حیات کی قیادت میں مختلف رکاوٹیں عبور کرتا ہوا ہزاروں افراد کے ساتھ گوجر خان، سرائے عالمگیر کھاریاں، لالہ موسیٰ سے ہوتا ہوا گجرات پہنچا، جلوس جہاں سے بھی گزرتا لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے۔ اب روٹی، کپڑا اور مکان کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ عوام بیدار ہو چکے تھے۔ گجرات میں جم غفیر سے ہمکلام ہوتے ہوئے اصغر خان نے کہا کہ ہمارا ایمان ہے کہ حکمران جماعت غداروں کا ٹولا ہے۔ اس ٹولے نے پاکستان توڑ کر اقتدار حاصل کیا ہے یہ غدار حکمران وطن اور اہل وطن پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اب غنڈہ حکومت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔

مولانا نورانی نے اجتماع سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ وہ وقت اب بہت قریب آ چکا ہے جب جیلوں کی کوٹھڑیاں کھول دی جائیں گی بے گناہ لوگوں کو آزاد کر دیا جائے گا اور ان کی جگہ وہ لوگ بند ہوں گے جنہوں نے عوام کی آواز اٹھانے والے راہنماؤں کو گرفتار کر رکھا ہے۔ ان لوگوں سے حساب لیا جائے گا۔ عوام ظالموں سے انتقام لیں گے، اپنے حقوق کا حساب لیں گے، ان سے خون کا بھی حساب لیا جائے گا۔ 7 مارچ تک عوام کو ظلم کے سامنے ڈٹے رہنا

ہے اس کے بعد اسلام کی حکومت ہوگی۔ عوام کی حکومت ہوگی، عوام کے ہاتھ ہوں گے اور ظالم لٹیروں کے گریبان، 7 مارچ کے بعد نظام مصطفیٰ رائج ہوگا ......غریبوں کو ان کا حق ملے گا رحمت کی بارش ہوگی۔

کاروان جمہوریت گجرات سے وزیرآباد شام چھ بجے پہنچا۔ جبکہ عوام صبح گیارہ بجے سے ہی شاہراہ اعظم پر استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

جوں جوں قومی اتحاد کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہورہا ہے تھا۔ پیپلز پارٹی کی صفوں میں بوکھلاہٹ بڑھ رہی تھی۔ اس کے ارکان اپنے لیڈروں کے اشارے پر غنڈہ گردی اور تشدد پر اتر آئے تھے۔ انہوں نے قومی اتحاد کے کارکنان پر حملے کرنا شروع کردیئے۔ 6 فروری کو کراچی میں پاکستان قومی اتحاد کے جلوس پر حملہ کرکے کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جس کے نتیجہ میں اتحاد کا کارکن شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہوگیا۔ اس طرح یہ تحریک نظام مصطفیٰ کا پہلا شہید تھا۔ اس بامقصد تحریک کے نام پر لوگوں نے پروانہ وار جانیں نچھاور کیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی کے تشدد پسند رویہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ کراچی کے بعد قصور میں من مانی کارروائیاں کی گئیں۔ یہاں ان کا نشانہ قومی اتحاد کے صوبائی امیدوار غلام رسول صابری بنے۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو مار مار کر شدید زخمی کردیا گیا۔ دوسری طرف مسٹر بھٹو اسلامی اقدار کا سرعام مذاق اڑا رہے تھے۔ انہوں نے گوجرانوالہ کے جلسہ عام میں اعلان کیا کہ جنرل چوہدری کہتا تھا کہ ہم جم خانہ کلب لاہور میں شراب پئیں گے۔ وہ کون ہوتا ہے؟ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم شراب پی کر دکھائیں گے اور واقعی پیپلز پارٹی کے لیڈروں نے شراب پی کر دکھائی۔ اسی روز صوبائی وزیر رانا اقبال نے برسرعام شراب کی تقسیم کی۔ پیپلز پارٹی اقتدار کے نشہ میں مست تھی۔ اس نے ہر طریقے سے الیکشن جیتنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ اور جیت کو یقینی بنانے کے لیے غنڈہ گردی کا بازار گرم کررکھا تھا۔ 17 فروری کو پیپلز پارٹی کے مزید 8 ارکان قومی اسمبلی بلامقابلہ کامیاب قرار دیے گئے اور اسی روز حیدرآباد میں میر رسول بخش تالپور کی کار پر پیپلز پارٹی کے غنڈوں نے فائرنگ کی تھی۔ جس کے نتیجہ میں فیض محمد موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا۔ یہ وہی میر رسول بخش تالپور تھے جو کبھی بھٹو کے دست راست اور صوبہ سندھ کے گورنر رہ چکے تھے۔ اس طرح کی تشدد آمیز کارروائیوں سے پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت بے خبر نہ تھی۔ بلکہ یہ سب کچھ انہیں کے اشارے اور مرضی سے ہورہا تھا اور پیپلز پارٹی کے وزیر کھلے

Marfat.com

عام دھمکیاں دے رہے تھے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ نے دھمکیاں دیتے ہوئے کہا کہ اپوزیشن کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جس کے جواب میں مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ ملک کے سات کروڑ عوام ملک کی تقدیر بدلنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ غنڈہ گردی کا خاتمہ کر دیں گے۔ لیکن شاید پیرزادہ کو دھمکی آمیز بیانات جاری کرنے کا بھی انچارج بنا دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ''پاکستان قومی اتحاد کا منشور غداری کی دستاویز ہے سات کروڑ عوام سات کروڑ گولیوں سے ان کا خاتمہ کر دیں گے'' لیکن عوام کی اکثریت تو نظام مصطفیٰ کے نام پر ایک مرکز پر جمع ہو چکی تھی اور پیپلز پارٹی کے جیالے انہیں نظام مصطفیٰ کا نام لینے کے جرم کی پاداش میں ظلم و بربریت کا نشانہ بنا رہے تھے۔ فروری کے آخر میں لاہور کے ایک نوجوان محمد اشرف کو تشدد کے بعد شہید کر دیا گیا۔ اسے بھی نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے کے جرم کی سزا دی گئی تھی۔ اسلام کے خلاف اسلام مخالف لابی مستقل سرگرم عمل تھی۔ اور وہ ہر طریقہ سے اس تحریک کو روکنا چاہتی تھی۔ کیونکہ نظام مصطفیٰ کا نفاذ جرائم پسند مادر پدر آزاد معاشرہ کے حامیوں کی موت تھا۔ اس غنڈہ گردی کے خلاف احتجاج کے طور پر پورے ملک میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ لاہور میں بہت بڑا احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ یکم مارچ کو کراچی کے ٹرانسپورٹروں کی طرف سے ان تشدد آمیز کارروائیوں کے خلاف مکمل ہڑتال کی گئی۔ اس طرح انہوں نے نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی حمایت کا اعلان کیا۔ گویا ملک کے تمام شعبہ جات کے افراد ایک مرکز پر آ گئے تھے۔ لیکن اقتدار کے نشۂ نے پیپلز پارٹی والوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ تمام اخلاقی اقدار اور اصولوں کو فراموش کر چکے تھے گجرات میں چوہدری شجاعت حسین کے جلسہ پر فائرنگ کر دی گئی۔ یہاں پر بھی ایک کارکن رحمت الٰہی شہید ہو گیا۔ فیصل آباد میں پاکستان قومی اتحاد کے دفتر پر حملہ کر کے کارکنان کو شدید زخمی کر دیا گیا۔ اس طرح ملک کے ہر حصہ میں نظام مصطفیٰ کا راستہ روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے طاقت کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ حتیٰ کہ عبدالحفیظ پیرزادہ نے ائیر مارشل اصغر خان کا نام لے کر کہا کہ وہ اگر سات مارچ کو گھر سے باہر نکلے تو ان کا سر اڑا دیا جائے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اصغر خان قومی اسمبلی کی نشستوں پر امیدوار تھے۔ اور انتخابات کے روز پولنگ اسٹیشنوں کا جائزہ لینا ان کا قانونی حق تھا۔ لیکن پیپلز پارٹی کا وزیر قانون اس طرح دھمکیاں دے کر قانون کا مذاق اڑا رہا تھا۔ پیپلز پارٹی کے تمام لیڈروں کا یہی لب و لہجہ تھا اور انہیں ہر قیمت پر الیکشن جیتنے کا جنون تھا۔ اس جنون نے بعد میں انہیں اقتدار

Marfat.com

سے محروم کردیا اور یہ رویہ ان کے لیے پچھتاوا بنا۔ یوں تو بعد کے آنے والے حالات میں پیپلز پارٹی بھی مصائب کا شکار ہوگئی اور اس نے ملک کی دیگر جماعتوں کے ساتھ مل کر جمہوری عمل کی بحالی کے لیے جدوجہد بھی کی۔ لیکن خود اس کے اقتدار کے دور میں اور خاص کر الیکشن 77ء میں اس کا جو طرز عمل تھا وہ تاریخ کا حصہ بن چکا تھا۔

7 مارچ کو ظاہری طور پر الیکشن ہوا۔ لیکن الیکشن سے زیادہ سلیکشن کی گئی تھی۔ یعنی جس کے پاس پیپلز پارٹی کا ٹکٹ تھا اسے ہر حالت میں کامیاب کرایا گیا اور پاکستان کی سیاسی تاریخ میں انتخابی دھاندلیوں کے نئے ریکارڈ قائم کردیے گئے۔ البتہ قومی اتحاد کے مرکزی راہنماؤں کی نشستیں محفوظ رہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ چوٹی کے رہنما اپنی سیٹیں حاصل کر کے آرام سے اسمبلی میں چلے جائیں گے۔ اور دھاندلی کے خلاف احتجاج زیادہ زور نہیں پکڑے گا۔ قومی اتحاد کی 38 نشستوں کے مقابلہ پر پیپلز پارٹی نے اپنے زور بازو سے 154 نشستیں جیتنے کے بعد فتح کا جشن منانا شروع کردیا۔ اور پی پی پی کے صف اول کے لیڈروں نے کہنا شروع کردیا کہ یہ جیت عوام کے ووٹوں سے ہوئی ہے جبکہ عوام حیران تھے۔ کیوں کہ انہوں نے تو بھٹو آمریت کو مسترد کیا تھا۔ لیکن عوام کا استحصال کرتے ہوئے جب عوامی حمایت کی بات کی گئی تو اتحاد کے قائدین نے 10 مارچ کے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کردیا۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ عوامی حمایت کا رخ کس طرف ہے اور کوئی بھی غیر جانبدار مبصر اور تجزیہ نگار اس بات کی شہادت دے سکتا ہے کہ 10 مارچ کو پولنگ سٹیشن 7 مارچ کے مقابلے میں ویران اور سنسان نظر آتے تھے۔

عوام نے دس مارچ کو الیکشن کا عملی بائیکاٹ کرکے واضح طور پر قومی اتحاد کی حمایت کا ثبوت فراہم کیا تھا۔ پیپلز پارٹی کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہئے تھی۔ کہ ہوا کا رخ بدل چکا ہے اور اگر وہ اسی وقت دوبارہ منصفانہ انتخابات کا اعلان کردیتی اس میں پیپلز پارٹی ایک مضبوط حزب اختلاف کی حیثیت سے سامنے آسکتی تھی اور بعد کے حالات میں پاکستان میں جمہوری عمل اتنے عرصہ تک معطل بھی نہ رہتا۔ لیکن پیپلز پارٹی نے ملک گیر سطح پر ہونے والی ہڑتال سے کوئی صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی بجائے ہٹ دھرمی اور دھمکیوں کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اتحاد کی حمایت میں ہونے والی ملک گیر ہڑتال کے بعد بوکھلاہٹ کے نتیجہ میں کہا کہ "میں کمزور ہوں لیکن میری کرسی مضبوط ہے" میں نے قومی اتحاد والوں سے نمٹنے

Marfat.com

کا مکمل انتظام کرلیا ہے۔ میں تحریک کو دبانے کے لیے ہر ہتھکنڈہ استعمال کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دو تین آدمیوں کی لاشیں گروانا چاہتے ہو۔ اب دو ہی راستے ہیں یا تو موجودہ انتخابات کو تسلیم کرلو ورنہ تم کو سختی سے کچل دیا جائے گا'' لیکن قومی اتحاد کے راہنماؤں نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھٹو کی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے قوم کی حمایت سے تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ اور جب 13 مارچ سے ملک گیر تحریک کے آغاز کا اعلان کیا گیا۔ تو عوامی اظہار سے ایسا لگا کہ لوگ اسی فیصلے کے منتظر تھے۔ اور انہوں نے اس پر لبیک کہا۔ عوام کی اتحاد سے وابستگی کا یہ حال تھا کہ جب قومی اتحاد کے راہنماؤں کا اجلاس پی۔ این۔ اے ہاؤس (مسلم لیگ ہاؤس) میں ہوتا تھا تو باہر ہزاروں افراد فیصلے کے منتظر ہوتے تھے۔ اور اجلاس کے فیصلے کچھ ہی دیر بعد ملک کے کونے کونے میں پہنچ جاتے تھے۔ عوام کے اندر ایک جوش و جذبہ تھا اور اپنے مقصد کے ساتھ لگن تھی۔ یہی جوش وخروش اور والہانہ جذبات تحریک نظام مصطفٰے کی علامت اور خصوصیت رہے۔

تحریک کے ابتدائی روز مولانا عبدالستار خان نیازی راولپنڈی پہنچے اور وہاں مظاہرے کی قیادت کی۔ ہزاروں افراد نے انتخابی دھاندلیوں کے خلاف احتجاج کیا مولانا نیازی کے ہمراہ تقریباً ایک ہزار علماء بھی اس مظاہرے میں شریک تھے۔ بھٹو حکومت نے احتجاجی مظاہرہ کی قیادت کرنے پر مولانا نیازی کو گرفتار کرلیا۔ اس طرح اسی دن اصغر خان، میاں طفیل محمد، ملک محمد قاسم کو لاہور سے مفتی محمود اور بیگم نسیم ولی خان کو پشاور سے گرفتار کرلیا گیا۔ یعنی تحریک کی ابتدا ہی میں بیشتر قائدین کو حراست میں لے لیا گیا۔ جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی اپنے بقیہ رفقاء کے ساتھ تحریک کے لیے مستقل لائحہ عمل طے کرنے اور مضبوط انداز سے چلانے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ اگرچہ مولانا شاہ احمد نورانی حیدرآباد سے پیپلز پارٹی کے امیدوار کے اٹھارہ ہزار کے مقابلہ میں بیالیس ہزار ووٹ لے کر چوبیس ہزار ووٹوں کی عظیم اکثریت سے قومی اسمبلی کی نشست جیت چکے تھے۔ لیکن ان کا مقصد محض ذاتی نشست جیت کر ایوان میں پہنچنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ تو اس ملک میں تبدیلی نظام چاہتے تھے۔ وہ حکومت کے الیکشن کے نام پر دھوکہ سے دل گرفتہ تھے جو پوری قوم کیساتھ کیا گیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ حکومت موجودہ صورتحال میں عوام کے جذبات کو سمجھے اور دوبارہ انتخابات کا اعلان کردے۔ اور یہ ایسا مطالبہ تھا جس کی منظوری سے پیشتر مسٹر بھٹو سے کسی قسم کے مذاکرات کے حامی نہ تھے کیونکہ مولانا جانتے تھے کہ

Marfat.com

بھٹو سے غیر مشروط بات چیت نقصان دہ ہوگی اس لیے جب جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی نائب صدر اور قومی اتحاد کے سیکریٹری جنرل رفیق احمد باجوہ نے وزیر اعظم بھٹو سے خفیہ ملاقات کی اور اس کے شواہد بھی مل گئے۔ تو مولانا نورانی نے جمعیت کی اعلیٰ سطحی قیادت سے مشورے کے بعد رفیق باجوہ کو فوری طور پر جمعیت سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا۔ یعنی ان کے عہدے کے خاتمہ کے ساتھ انہیں ان کی ابتدائی رکنیت سے بھی محروم کر دیا گیا۔ سیاسی اصولوں اور نظم و نسق کی خلاف ورزی پر یہ ایک ایسا مثالی فیصلہ تھا جس نے ملک بھر کے سیاسی حلقوں سے خراج تحسین وصول کیا اس بات سے قطع نظر کہ اس خفیہ ملاقات کے پس منظر میں کون سے خفیہ ہاتھ کارفرما تھے اور اتحاد کے اندر موجود کن لوگوں نے مسٹر باجوہ کو اس ملاقات پر اکسا کر اتحاد سے علیحدہ کرنے کا منصوبہ بنایا یا ان کی بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت کی وجہ سے اتحاد کی بعض جماعتوں کی یہ پلاننگ تھی قابل ذکر بات یہ ہے کہ جمعیت نے سیاسی اصول پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس واضح اور دوٹوک فیصلہ میں کوئی تاخیر نہ کی۔ خود رفیق باجوہ نے جو سب سے بڑی غلطی کی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اس ملاقات سے قبل اپنی پارٹی کے لیڈروں کو اعتماد میں نہیں لیا تھا اور بعد میں بھی وہ ملاقات نہ کرنے کے موقف پر ڈٹے رہے۔ لیکن جب شواہد سے حقیقت سامنے آ گئی تو ان کا رویہ معذرت خواہانہ تھا۔ اس مرحلہ پر مولانا نورانی نے یہ مدبرانہ جملے باجوہ کو کہے" ایک راستہ تو یہ ہے کہ میں آپ کو بچا لوں اور جمعیت کو تباہ کر لوں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ کو جانے دوں اور جمعیت کو بچا لوں" آپ تو جانتے ہیں کہ افراد جماعتوں پر قربانی دیتے ہیں لیکن جماعتیں ان پر قربان نہیں ہوا کرتیں" اس طرح رفیق باجوہ جس تیزی سے قومی افق پر چھائے تھے اسی تیزی سے واپس چلے گئے جب انہیں جمعیت سے خارج کر دیا گیا تو پھر وہ اتحاد کے منصب سے بھی معزول کر دیئے گئے۔ بہر حال رفیق باجوہ کے اخراج کا فیصلہ سیاسی بصیرت پر مبنی تھا۔ جس نے جمعیت کی اصول پسندی کی سیاست کے دعویٰ کو درست قرار دیدیا۔ اور یہ فیصلہ پاکستان کے سیاسی فیصلوں میں مثالی رہے گا۔ ان کے اخراج کے بعد پروفیسر غفور احمد قومی اتحاد کے سیکریٹری جنرل بنے اور اس طرح جماعت اسلامی کو بھی عہدہ مل گیا۔

تحریک جوں جوں زور پکڑتی جا رہی تھی۔ حکومت مفاہمت کرنے کی بجائے طاقت استعمال کر رہی تھی۔ اور اس نے یکے بعد دیگرے اتحاد کے قائدین کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

مولانا نورانی کو ۱۸ مارچ کو گرفتار کرلیا گیا۔ اور مولانا عبدالستار خان نیازی جنہیں راولپنڈی سے گرفتار کر کے چھوڑ دیا گیا تھا پھر سے گرفتار کیا گیا۔ اسی دن شیر باز مزاری، بیگم ولی خان چوہدری ظہور الٰہی اور سردار شوکت حیات بھی گرفتار ہوئے ان گرفتاریوں کی وجہ سے تحریک میں اور شدت آ گئی اس لیے مجبوراً حکومت کو چار دنوں بعد مولانا نورانی اور شیر باز مزاری کو رہا کرنا پڑا۔ لیکن یہ قائدین گرفتاریوں سے خوفزدہ ہونے والے تو نہیں تھے۔ 24 مارچ کو مولانا نورانی اور مفتی محمود کی قیادت میں لاہور میں احتجاجی جلوس نکالنے کا اعلان کردیا گیا مقام آغاز انارکلی کے قریب نیلا گنبد قرار پایا حکومت نے جلوس کے آغاز سے کئی گھنٹے قبل ہی نیلا گنبد سے ملحقہ تمام سڑکوں اور گلیوں میں مسلح پولیس اور فیڈرل سیکورٹی فورس کے دستے متعین کردیئے تاکہ لوگ خوف و ہراس کا شکار ہو جائیں اور جلوس برآمد نہ ہو سکے لیکن تحریک نظام مصطفٰے کے باہمت اور حوصلہ مند کارکن اس قسم کی کارروائیوں سے کہاں خوفزدہ ہونے والے تھے بلکہ عصر کی نماز تک مسجد نیلا گنبد اس کے برآمدے ملحقہ سڑکوں اور مکانات کی چھتوں پر انسانی سروں کا سمندر موجزن تھا۔ نماز عصر سے پندرہ منٹ پہلے مفتی محمود اور ملک محمد قاسم مسجد میں آئے تو حاضرین نے پرجوش استقبال کیا۔ لیکن لوگ بار بار گردنیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتے تھے ان کی نگاہیں قائد تحریک نظام مصطفٰے مولانا شاہ احمد نورانی کو بے تابی سے ڈھونڈ رہی تھیں۔ کہ اچانک نماز سے پانچ منٹ قبل مسجد کی جنوبی گلی سے مولانا شاہ احمد نورانی مسجد میں داخل ہوئے تو پورا مجمع انہیں دیکھ کر استقبال کے لیے کھڑا ہوگیا۔ پہلے مفتی محمود نے تقریر کی ان کے بعد ملک محمد قاسم اور آخر میں مولانا شاہ احمد نورانی نے عوام سے خطاب کیا۔ جلوس مسجد سے برآمد ہوا تو عوام نے قائدین کا زبردست استقبال کیا اور ان پر پھولوں کی بارش کی گئی ہر شخص قائدین کے ساتھ گرفتار ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پولیس نے مظاہرین کے درمیان چلتے ہوئے تینوں قائدین کو گرفتار کرلیا اور شام کو رہا بھی کردیا۔ اسی دن اتحاد کی طرف سے بھٹو کو خط بھیجا گیا جس میں واضح طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ غیر مشروط طور پر کوئی بات چیت نہیں ہوگی۔ اتحاد کے راہنماؤں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ تحریک کو منظم طریقے پر آگے بڑھایا جائے۔ اور اتحاد کی تمام قیادت کی گرفتاریوں کی توقع کی وجہ سے دوسرے درجے کے لیڈروں کو تحریک منظم کرنے اور تسلسل قائم رکھنے کی فوری طور پر ہدایت دی جائیں۔ مولانا نورانی 24 مارچ کو ہی شام کی فلائٹ سے کراچی پہنچے سردار شیر باز مزاری بھی ان کے ہمراہ تھے۔ مولانا نے کراچی پہنچتے ہی جمعیت کے مقامی لیڈروں کا اجلاس

Marfat.com

ہنگامی طور پر طلب کیا اور انہیں تحریک کو منظم کرنے کے سلسلہ میں ہدایات دیں دوسرے دن مولانا شاہ احمد نورانی اور پروفیسر شاہ فرید الحق گرفتار کر لیے گئے جبکہ ملتان میں حضرت مولانا حامد علی خان ، لاہور میں مفتی محمود ، پروفیسر غفور میاں طفیل محمد ملک قاسم اور لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر عامر رضا خان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ یہ کارروائیاں اس لیے کی گئیں کہ اگلے روز نام نہاد قومی اسمبلی کا افتتاحی جلاس ہونے والا تھا اور قومی اتحاد نے دھاندلی کے نتیجہ میں بننے والی اسمبلی کے افتتاح کے دن کو یوم سیاہ کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ حکومت یہ سمجھتی تھی کہ شاید لیڈر شپ کو گرفتار کرنے سے صورتحال بہتر ہو جائے گی۔ لیکن یہ گرفتاریاں تحریک کی شدت میں اور اضافہ کر گئیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ سے عوام کی والہانہ اور جذباتی وابستگی کا اندازہ جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی نائب صدر مولانا حامد علی خان کی گرفتاری کے منظر سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

''مولانا حامد علی خان ایک ایسی شخصیت تھے۔ جن کا ملتان میں بے حد احترام کیا جاتا تھا اور جنہیں '' بے تاج بادشاہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ مولانا صرف ایک مذہبی اور روحانی پیشوا ہی نہیں تھے۔ بلکہ قومی سیاسی سرگرمیوں میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا 1970ء میں انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ خوب انتخابی مقابلہ کیا تھا اور 77ء میں بھی وہ ملتان میں کامیاب ہوئے۔ دھاندلیوں کے خلاف چلنے والی تحریک نظام مصطفےٰ میں ان کی قیادت میں روزانہ جلوس نکلا کرتے تھے۔ 25 مارچ کو جب قومی اتحاد کے صف اول کے قائدین کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اس فہرست میں حضرت مولانا حامد علی خان کا نام بھی شامل تھا۔ لیکن ان کی زبردست عوامی مقبولیت کے پیش نظر گرفتاری بہت مشکل نظر آ رہی تھی۔ اگرچہ مولانا خود گرفتاری دینے کے لیے تیار تھے۔ لیکن ان کے جانثار اپنے قائد کو گرفتار ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا یہ جذبہ مولانا سے والہانہ وابستگی کا مظہر تھا۔ اگرچہ مولانا کی رہائش گاہ کی طرف جانیوالی ہر گلی کی ناکہ بندی کی جا چکی تھی۔ لیکن ہزاروں افراد کا جم غفیر وہاں موجود تھا اور انتظامیہ اس صورتحال سے خوفزدہ تھی اس لیے دس ہزار مسلح پولیس مولانا کی رہائش گاہ کے ارد گرد موجود تھی۔ ردعمل کے طور پر عوام کے اندر بھی زبردست جوش و خروش پایا جاتا تھا اور زبردست جانی نقصان کا خدشہ تھا اس صورتحال میں انتظامیہ نے مولانا کے ایک معتمد اور جمعیت علماء پاکستان ملتان کے صدر ڈاکٹر بدر قریشی سے رابطہ قائم کر کے ان کا تعاون طلب کیا۔ ڈاکٹر

Marfat.com

بدر نے تجویز پیش کی کہ بہتر یہ ہے کہ پولیس یہاں سے ہٹالی جائے مولانا کو گرفتار کرنا ناممکن ہوگا۔ اس تجویز کے بعد پولیس آفیسران نے اپنی نفری کو واپس لے جانے میں مصلحت سمجھی۔ مولانا حامد علی خان ہزاروں جانثاروں کے جلوس میں حسین گاہی بازار میں پہنچے تو فوج کی بکتر بند گاڑیوں کو دیکھ کر ہزاروں عوام بپھر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہماری جانیں حاضر ہیں۔ لیکن مولانا کو گرفتار نہیں ہونے دیں گے۔ اس موقع پر مولانا جیپ سے باہر نکل آئے اور جیپ پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے کہا میں حضرت مجدد الف ثانی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گرفتاری پیش کررہا ہوں۔ میں نظام مصطفیٰ کی خاطر جیل جارہا ہوں۔ میرے بعد آپ لوگ اس پرامن تحریک کو چلائے رکھنا۔ جب تک کہ ہمارا مقصد حاصل نہ ہو جائے اور جو میرا ہے میری جیپ کے راستہ سے ہٹ جائے۔ لوہاری گیٹ پر بھی بکتر بند گاڑیاں موجود تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے دشمن کی افواج کا سامنا ہو فوج کی طرف سے مسلسل اعلان کیا جارہا تھا کہ جلوس منتشر ہوجائے ورنہ گولی چلا دی جائے گی۔ لیکن نظام مصطفیٰ کی خاطر جان قربان کرنے کا عزم رکھنے والے بکتر بند گاڑیوں کے آگے لیٹ گئے اور گولوں کے دہانوں کے سامنے سینے کھول دیئے عقیدت و محبت کے اس منظر میں مولانا حامد علی خان نے گرفتاری پیش کی۔ اس وقت ہزاروں لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔

جب صف اول کی قیادت جیلوں میں چلی گئی تو دوسرے درجے کے لیڈروں نے تحریک کی قیادت سنبھال لی۔ اس تاریخی تحریک میں بعض ایسے بھی مراحل آئے کہ ہر سطح کی لیڈرشپ کو گرفتار کرلیا گیا۔ مگر کارکنان اور لاکھوں عوام نے اسے جاری رکھا تحریک نظام مصطفیٰ کی خصوصیت یہ رہی کہ اس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھرپور حصہ لیا۔ اور سخت ریاستی مظالم کے باوجود نظام مصطفیٰ سے وابستگی کا برملا اظہار کیا۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے افتتاحی اجلاسوں کے دن قوم نے جس طرح سڑکوں پر نکل کر ان اسمبلیوں کو مسترد کیا اس سے ہی بھٹو حکومت کی آنکھیں کھل جانی چاہیں تھیں اور اسے عوام کی رائے کا احترام کرنا چاہئے تھا مگر وہ ریاستی طاقت کے نشہ سے سرشار تھی۔ 31 مارچ کو سندھ اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر کراچی میں لاکھوں افراد نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ 6 اپریل کو پشاور میں سرحد اسمبلی کا عوام نے گھراؤ کرلیا۔ جس پر پولیس نے زبردست لاٹھی چارج کیا۔ اس روز پشاور کے شہریوں نے کاروبار زندگی معطل کرکے قومی اتحاد سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ مگر 9 اپریل کو

پنجاب اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر اہالیان لاہور نے جس ہمت و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا عوام میں جوش و جذبہ بڑھ رہا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لوگ صرف دوبارہ انتخابات کے نام پر جانیں نہیں پیش کر رہے تھے بلکہ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی منزل انہیں قریب دکھائی دے رہی تھی۔ اور یہ نظام مصطفیٰ کا نعرہ ہی تھا جس نے عوام کو سڑکوں پر لا کھڑا کیا تھا۔ اور وہ گلے میں قرآن مجید لٹکائے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے ہنسی خوشی جام شہادت نوش کر رہے تھے یہ قیاس کرنا خالصتاً سیاسی کور چشمی ہوگی کہ لوگ صرف انتخابی دھاندلیوں کے خلاف جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ بلکہ جتنے بھی افراد تحریک نظام مصطفیٰ میں شہید ہوئے ان کے ورثاء اور پسماندگان کے تاثرات یہی تھے کہ جان نثار کرنے والے نے اس لیے جان پیش کی کہ وہ نام مصطفیٰ پر کٹ مرنا مذہبی فریضہ سمجھتا تھا۔ گویا ہر شہید نے شاعر مشرق کے خیالات کی تائید کر دی تھی۔

درد دل مسلم مقام مصطفیٰ است۔ آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

9 اپریل کو لاہور کے احتجاجی مظاہرے میں سربکف مظاہرین گولیوں کی بوچھاڑ کے سامنے سینہ تان کر جس طرح آگے بڑھ رہے تھے ان کے اندر بھی یہی جذبہ موجزن تھا۔ اس دن لاہور سے مختلف جلوس نکالے گئے تھے۔ علماء و مشائخ اور دینی مدارس کے طلبہ کا جلوس نسبت روڈ سے نوابزادہ نصر اللہ خان کی قیادت میں جلوس جی پی او سے خواتین اور طلبہ کا جلوس شارع فاطمہ جناح سے وکلاء کا جلوس ہائی کورٹ سے اور مزدوروں کے دو جلوس رائل پارک سے نکلے۔ ان سب جلوسوں کا رخ صوبائی اسمبلی ہال کی طرف تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پولیس ان کے راستے میں رکاوٹ بنی کھڑی تھی۔ سامنے آتشیں اسلحہ تھا۔ لیکن پھر بھی تحریک نظام مصطفیٰ کے کارکن ان رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جرات مند خواتین نے بیگم اصغر خان اور بیگم مولانا مودودی کی قیادت میں شارع فاطمہ سے جلوس کا آغاز کیا مگر جس بے دردی سے پولیس نے جلوس میں شامل خواتین کے ساتھ بدتمیزی کی اور انسانیت سوز سلوک کیا۔ وہ بھٹو دور کا سیاہ باب ہے اور وکلاء نے اس دن جس طرح میدان میں نکل کر عدل و انصاف کی حکمرانی کے لیے عملی مظاہرہ کیا وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے صدر تو پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ ایم انور بار ایٹ لاء اور جسٹس ریٹائرڈ زیڈ اے کیکاؤس نے قانون دانوں کے جلوس کی قیادت سنبھال لی۔ جبکہ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ بار کے وکلاء کی قیادت بار کے صدر حکیم قریشی کر رہے تھے۔ یہ سب جلوس نوابزادہ کے مرکزی جلوس میں شامل ہو کر پنجاب اسمبلی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب یہ جلوس چیئرنگ کراس پہنچے اور نوابزادہ نصراللہ خان نے اس سے خطاب کرنا چاہا تو پولیس نے مظاہرین پر ایک بار پھر تشدد شروع کر دیا اور ساتھ ہی فائرنگ بھی شروع کر دی نعشیں گر رہی تھیں۔ لیکن مظاہرین کا جذبہ شہادت ماند پڑنے کی بجائے مزید شدت اختیار کر رہا تھا۔ اس روز فسطائی حکومت کے ہاتھوں 14 افراد نے جام شہادت نوش کر کے تحریک نظام مصطفےٰ کو بنیادی رنگ دے دیا۔ اہل لاہور نے جس سلسلہ کا آغاز کیا پاکستان کے ہر علاقے کے افراد نے اسے آگے بڑھایا۔ لاہور کے سانحہ پر احتجاج کرنے کی پاداش میں اگلے روز کراچی اور حیدر آباد میں قومی اتحاد کے مظاہرین پر فائرنگ کی گئی جس سے سات افراد شہید ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تحریک میں شہیدوں کا خون تیزی سے شامل ہو رہا تھا۔

تحریک نظام مصطفےٰ کے اندر مذہبی جوش و جذبہ پیدا کرنے میں بلا شبہ علماء کرام اور مشائخ عظام کا بنیادی کردار ہے۔ انہوں نے ہی عوام کو سربکف ہو کر جام شہادت نوش کرنے پر آمادہ کیا۔ لیکن یہ بات بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کے اس فتویٰ نے ''تحریک نظام مصطفےٰ میں جان کی قربانی دینا شہادت کا منصب حاصل کرنا ہے فاسق و فاجر حکمران کے خلاف جو بھی جان کا نذرانہ دیگا وہ شہید ہوگا''۔ تحریک میں قربانی پیش کرنے کے جذبہ کو اور بڑھا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک پاکستان، تحریک تحفظ ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفےٰ میں علماء اور مشائخ نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے مساجد اور آستانے ان عظیم تحریکوں کا مرکز رہے ہیں۔

تحریک نظام مصطفےٰ میں جہاں بہت سی مساجد نے مظاہروں کے مقام کا آغاز اور جلسہ گاہوں کا کام دیا وہاں وہ تحریک کا مزکر بھی رہیں۔ ان مساجد میں علماء پر تشدد بھی ہوا۔ لیکن محراب و منبر کی ''عظمتوں کے امینوں'' نے کلمہ حق ہمیشہ بلند رکھا۔ مسلم مسجد لاہور کے سانحہ کو تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ جہاں پولیس نے بربریت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پورا ملک نوحہ کناں ہو گیا۔ اور پوری ملت اسلامیہ کا دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ خانہ خدا میں جس طرح کتاب مقدس کی توہین کی گئی وہ ایک دلخراش داستان ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کو ننگا کر کے رسوا کیا گیا۔ داڑھیوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا۔ مسجد کے تقدس کو بوٹوں سے پامال کیا گیا۔ اس تشدد کا آغاز

Marfat.com

اس وقت کیا گیا جب لوگ نماز عصر کے لیے کھڑے ہوگئے تھے۔ ان پر پتھروں کی بارش کی جارہی تھی اور حالت نماز میں ان کے جسم خون سے نہا گئے تھے۔ پیپلز پارٹی کے پروردہ بدمعاش ہاتھوں میں خنجر لہرا لہرا کر فحش اور غلیظ گالیاں دے رہے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر پولیس آنسو گیس کے گولے اس شدت سے پھینک رہی تھی کہ مسجد کے دروازے اور کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے صفیں جل گئیں۔ اس روز مسلم مسجد میں وضو کے لیے بنائے گئے حوض کا پانی بھی خون سے سرخ ہوگیا تھا۔ مسجد میں ہر طرف قرآن مجید کے اوراق بکھرے پڑے تھے۔ 13 مارچ کو علماء کرام نے جس طرح استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے ردعمل کے طور پر 9 اپریل کو لوگوں نے اپنے سینے گولیوں کے سامنے تان لیے اس دن انار کلی اور لوہاری دروازہ کے مکانوں کی چھتوں پر موجود خواتین یہ دردناک منظر دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں انہوں نے ہی مال روڈ پر آ کر بھٹو آمریت کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا تھا بھٹو حکومت کی طرف سے منبرو محراب کی توہین کے مناظر اس سفاکانہ دور کے خاتمہ کے لیے عوام کو مزید منظم کررہے تھے۔

قائد عوام کے جمہوریت کش رویہ اور بے گناہ عوام پر مظالم کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر مبشر حسن نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پیپلز پارٹی کے جنرل سیکریٹری کے عہدہ سے استعفاء دیدیا۔ اسی طرح چوہدری اعتزاز احسن اور عبدالحفیظ کاردار نے صوبائی اسمبلی کی رکنیت کو خیرباد کہا جبکہ سپین اور یونان میں پاکستان کے سفارت کار ریٹائرڈ ائیر مارشل رحیم خان اور لیفٹیننٹ جنرل (ر) گل حسن احتجاجاً مستعفی ہوگئے۔

9 اپریل کو لاہور میں شہداً کے خون سے تحریک میں نیا جذبہ پید ہوا تھا۔ اس میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا۔ اب مظاہرے روز کا معمول بن گئے۔ 15 اپریل کے مظاہرے پر پھر فائرنگ ہوئی۔ اس روز دو افراد نے تحریک نظام مصطفےٰ کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا جبکہ 100 افراد زخمی ہوئے۔

حکومت اس ظالمانہ کارروائی سے مطمئن تھی۔ اسے یقین تھا کہ پولیس اسی طرح گولیاں چلاتی رہی تو تحریک نظام مصطفےٰ میں روز بہ روز کمی آتی جائے گی۔ اس لیے پولیس کی حوصلہ افزائی کے لیے پنجاب کے وزیراعلیٰ نواب صادق حسین قریشی نے اعلان کیا کہ ڈی ایس پی کے عہدے تک پولیس کے تمام عملے کو دو دو ماہ کی اضافی تنخواہ دی جائے گی تاکہ وہ زیادہ بہتر انداز میں ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار کو تحفظ دینے کے لیے مظلوم عوام کے خون سے ہولی کھیلتے

Marfat.com

رہیں۔ لیکن حالات کچھ اور رخ اختیار کر رہے تھے۔ تحریک نظام مصطفےٰ کے جانثاروں کا جوش بڑھ رہا تھا۔ پولیس اپنی انتہا تک پہنچ کر بے بس ہوئی جا رہی تھی۔ اس لیے بالآخر فوج کو طلب کرنا پڑا۔ اور کراچی میں انیس افراد کی شہادت کے بعد کرفیو لگانا پڑا۔ لیکن تحریک اب بڑے شہروں سے قصبات تک پھیل چکی تھی۔ ہر جگہ احتجاجی مظاہرے ہونے لگے۔ اور کارکنان ہر جگہ خون کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ یہ صحیح معنوں میں ملک گیر تحریک تھی۔ قومی اتحاد کی مرکزی قیادت تو نظر بند تھی اس لیے تحریک کے متعلق اہم ترین فیصلے دوسرے اور تیسرے درجے کی قیادت یا پھر کارکن اپنے طور پر خود کر رہے تھے۔ حقیقت میں تحریک میں شدت انہی کارکنوں کی انتھک جدوجہد اور مسلسل لگن کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔

21 اپریل کے لیے جب پہیہ جام ہڑتال کا اعلان ہوا تو یہ ہڑتال اسقدر کامیاب ہوئی۔ کہ پاکستان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس دن ہر طرح کی ٹریفک معطل ہوگئی۔ حتیٰ کہ ریلوے اور ہوائی سفر کا نظام بھی متاثر ہوا۔ یہ پر امن احتجاج کا موثر طریقہ تھا۔ اور اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ حکومت کو احساس دلایا جائے کہ اس کا عوامی مقبولیت کا نعرہ اب کھوکھلا ہے۔ لوگ روٹی، کپڑا اور مکان سے زیادہ نظام مصطفےٰ میں دلچسپی رکھتے ہیں جو حقیقی معنوں میں فلاحی نظام ہے اس لیے عوام کی طاقت اب پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ ہے۔ مگر حکومت نے حالات کا صحیح ادراک کرنے کی بجائے پہلے کی طرح طاقت استعمال کرنے کے فلسفہ کو جاری رکھا اور ایک بار پھر لاہور کی سڑکوں پر پانچ نعشیں بھٹو آمریت کی گواہی دے رہی تھیں اور اس دن حکومت نے ایک ایسا قدم اٹھایا جو بعد کے حالات میں ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنی ضد اس لیے نہ چھوڑی کہ وہ دھاندلی والا وزیر اعظم نہیں کہلوانا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے انتخابات کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اور یہ راستہ فوج کو اقتدار میں شریک کرنے کا تھا۔ انہوں نے کراچی، حیدر آباد اور لاہور کو فوج کے سپرد کر کے خود کو مطمئن کر لیا۔ اور فوج نے ان شہروں میں مارشل لاء نافذ کر کے آئندہ کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد قومی اتحاد کی خبروں کی اشاعت پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ مگر عوام کے جذبات تو پابندی کے زد میں نہیں آسکتے تھے اس لیے بادل نخواستہ مسٹر بھٹو نے سہالہ میں قومی اتحاد کے سربراہ سے گفتگو کی۔ لیکن بھٹو دوبارہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ ادھر تحریک آگے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ صف اول کی قیادت کو

Marfat.com

پس دیوار زندان رکھ کر حکومت تحریک کو دبانا چاہتی تھی۔ مگر اس میں روز بہ روز شدت آتی جا رہی تھی۔ مرکزی قیادت کی عدم موجودگی میں ۳۰ اپریل کے لیے راولپنڈی کی جانب لانگ مارچ کا اعلان کر دیا گیا۔ حکومت اس اعلان سے اتنی خوفزدہ ہوئی۔ کہ لانگ مارچ کو روکنے کے لیے بیس ہزار پولیس فورس اور آرمی کی ایک ڈویژن فوج طلب کر لی گئی اور ساتھ ہی پیپلز پارٹی کے افراد کو آتشیں اسلحہ فراہم کر کے ہر قسم کی من مانی کارروائیاں کرنے کی اجازت دیدی گئی تمام مسافر بسوں کا داخلہ اور سامان کی نقل و حرکت کو 29 اپریل سہ پہر سے 30 اپریل شام تک ممنوع قرار دے دیا گیا۔ لیاقت باغ اور ایوب نیشنل پارک میں کسی بھی شخص کا داخلہ بند کر دیا گیا راولپنڈی کے تمام ہوٹلوں پر چھاپے مار کر مسافروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ مختصراً یہ کہ 28 گھنٹوں کے لیے دارالحکومت کا رابطہ پورے ملک سے منقطع کر دیا گیا اور 48 گھنٹوں کے اندر دس ہزار افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان تمام پابندیوں کے باوجود 30 اپریل کو دارالعلوم جامعہ رضویہ راولپنڈی میں ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس سے مولانا غلام علی اکاڑوی، مسٹر حمزہ، مولانا گلزار احمد مظہری اور امجد علی چشتی نے خطاب کیا۔ خوف و ہراس اس قدر تھا کہ عام شہری ضروریات زندگی کی اشیاء لینے کے لیے بھی باہر نہ نکلتے تھے۔ لیکن ہر طرح کی پابندیوں کے باوجود جلسہ عام منعقد ہوا۔ اور بعد میں جلوس بھی نکالے گئے۔ شام تک یہ جلوس برآمد ہوتے رہے۔ پیپلز پارٹی کے کارکن فائرنگ کرتے رہے۔ مگر تحریک نظام مصطفٰے کے کارکنوں نے بے جگری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔

ادھر سہالہ میں نظر بند قائدین تحریک نے واضح طور پر تحریری صورت میں اپنے موقف کو مسٹر بھٹو تک پہنچانے کا فیصلہ کیا تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے اور عوام کے اندر جو افواہیں مخصوص مقاصد کے لیے پھیلائی جا رہی تھیں ان کا خاتمہ ہو سکے۔ اس لیے آئندہ مذاکرات کے لیے بنیادی اصولوں کی وضاحت کی گئی اور ان شرائط کا تذکرہ کیا گیا جن کی بنیاد پر مذاکرات ہو سکتے تھے۔ ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان نے یہ خط تحریر کیا۔ جس سے مولانا نورانی اور تمام قائدین نے اتفاق کیا۔ یہ خط وزیراعظم بھٹو کو پہنچا دیا گیا۔ اسی دوران سعودی حکومت نے بھی پاکستان قومی اتحاد اور حکومت کے درمیان تصفیہ کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سعودی عرب کے سفیر شیخ ریاض الخطیب اس سلسلے میں سہالہ آ کر قومی اتحاد کے راہنماؤں سے مذاکرات کرتے رہے۔ ان مذاکرات میں مولانا شاہ احمد نورانی شریک تھے اور ترجمانی کے فرائض بھی ادا کرتے

Marfat.com

رہے وہ سعودی سفیر کی عربی گفتگو کو اردو میں دیگر لیڈروں کو بتاتے اور ان کے خیالات سے عربی میں شیخ ریاض الخطیب کو آگاہ کرتے۔ لیکن یہ کوششیں بھی کامیاب نہ ہوسکیں کیونکہ بھٹو کسی صورت میں بھی دوبارہ الیکشن نہیں کروانا چاہتے تھے۔

ان دنوں اصغر خان کے اس خط کا قومی اسمبلی میں چرچا رہا جو انہوں نے چیف آف اسٹاف اور آرمڈ فورسز کے آفیسرز کو لکھا تھا اور اس میں انہیں حکومت کے غیر آئینی احکامات نہ ماننے کا مشورہ دیا تھا۔ اسمبلی میں مسٹر بھٹو نے اتحاد کے لیڈروں کے موقف سے آگاہ کیا اور واضح طور پر ان مطالبات کو مسترد کردیا جو قومی اتحاد کی طرف سے پیش کئے گئے تھے۔ مسٹر بھٹو نے اعلان کیا کہ وہ ''ریفرنڈم'' کرائیں گے اور قوم سے پوچھیں گے کہ آیا وہ انہیں وزیراعظم تسلیم کرتے ہیں کہ نہیں؟ مسٹر بھٹو کا موقف یہ تھا کہ دھاندلی نہیں ہوئی۔ جبکہ چیف الیکشن کمشنر خود کہہ چکے تھے کہ دھاندلیاں اور بے ضابطگیاں اتنی زیادہ ہوئی ہیں کہ صرف چند نشستوں پر غور کرنا ناانصافی ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بہترین حل یہ ہے کہ عام انتخابات دوبارہ کرائے جائیں لیکن چیف الیکشن کمشنر کا یہ بیان اہم قومی اخبارات میں شائع نہ ہوسکا صرف گجراتی اخبار ''ملت'' میں یہ شائع ہوا۔ مگر بھٹو کچھ بھی تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ ہر صورت میں اپنی اسمبلی کو تسلیم کرانے پر بضد تھے۔ لیکن قومی اتحاد کے قائدین اس کے لیے آمادہ نہ تھے۔ نتیجتاً مولانا نورانی سمیت دیگر قائدین کو سہالہ ریسٹ ہاؤس سے جیلوں میں بھیج دیا گیا۔ صرف مفتی محمود کو سہالہ ریسٹ ہاؤس میں ہی رکھا گیا۔ پیر پگاڑہ اسلام آباد میں اپنے بنگلے میں پابند کردیے گئے۔ میاں طفیل محمد کو بہاول پور جیل، نصراللہ خان اور شیرباز مزاری کو میانوالی جیل اور غفور احمد کو کراچی جیل میں منتقل کردیا گیا۔ جبکہ مولانا نورانی کو پاکستان کے گرم ترین علاقے جیکب آباد کی تحصیل گڑھی خیرو کی حوالات میں قید تنہائی کے اندر رکھا گیا۔ یہ اذیت ناک سختی اس لیے کی گئی کہ مولانا شاہ احمد نورانی واحد سیاسی رہنما تھے جنہوں نے 1970ء کے انتخابات سے آج تک بھٹو کے آمرنہ مزاج اور پالیسیوں کو صحیح انداز سے سمجھا تھا۔ وہ ہی مشرقی و مغربی پاکستان کو متحد رکھنے کے لیے اکثریتی پارٹی کے لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن کو ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے میں اقتدار دلانے کے زبردست حامی تھے پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد بھٹو کے سامنے بڑے بڑے راہنما نہ ٹھہر سکے۔ کچھ نے اقتدار میں وزارتیں لے کر اور کچھ نے سفارتیں لے کر اپنا حصہ وصول کرلیا۔ مگر مولانا شاہ احمد نورانی نے معروف جمہوری روایات پر عمل پیرا ہوکر ہر اس بات کو ہدف تنقید بنایا

Marfat.com

جو ملکی مفاد کے خلاف تھی۔ یہ بات بھٹو کو ہرگز گوارا نہ تھی کہ ان کے کام میں کوئی شخص رکاوٹ بنے۔ مولانا شاہ احمد نورانی ہی تھے جن کی وجہ سے بھٹو کو اپنے مکمل دور اقتدار میں مستقل مضبوط اپوزیشن کا سامنا کرنا پڑا تھا جن کی وجہ سے ان کے عزائم ہمیشہ ناکام رہے۔ ان کا سوشلزم سے تشکیل کردہ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ نفاذ نظام مصطفیٰ کے مطالبہ کی تحریک میں دفن ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی جاگیردارانہ ذہن رکھنے والے بھٹو کو موقع ملا اس نے مولانا شاہ احمد نورانی کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچانے کی کوشش کی۔ حزب اختلاف کے دیگر راہنماؤں کے مقابلے میں مولانا نورانی واحد شخصیت تھے جنہیں کوئی رہائش گاہ یا ریسٹ ہاؤس نہیں دیا گیا۔ یہ ڈکٹیٹر مزاج شخص کا انتقام تھا۔ مئی کا مہینا تھا۔ اور گڑھی خیرو کی لاک اپ کا چھوٹا سا کمرہ گرمی کی تمازت سے تپ رہا تھا۔ سورج کی شعاعیں براہ راست اس کمرے میں پڑتی تھیں جہاں مولانا نورانی کو رکھا گیا تھا۔ وہاں نہ کوئی حمام تھا نہ بیت الخلاء۔ حتیٰ کہ جھلسا دینے والی گرمی میں پنکھے کا انتظام بھی نہیں تھا۔ مولانا نورانی سے پیسے تو پہلے ہی چھین لیے گئے تھے۔ اور ان سے ملاقات پر بھی سخت پابندی تھی۔ گڑھی خیرو میں مولانا کی آمد کی خبر پھیلتے ہی علماء کرام اور معززین نے مولانا سے ملاقات کے لیے پولیس سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن کسی کو بھی اجازت نہ دی گئی۔ حوالات کے باہر سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا اور خوف وہراس کا ماحول پیدا کر دیا گیا تھا۔ لیکن مولانا نورانی کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ انہوں نے گرمی اور اذیت ناک ماحول میں قید تنہائی کا حوصلہ مندی سے سامنا کیا۔ ڈیوٹی پر متعین اہلکار مولانا نورانی سے ہونے والے سلوک کو دیکھ کر اشکبار ہو جاتے تھے۔ لیکن مولانا کے ماتھے پر کبھی شکن کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ گھٹیا قسم کا کھانا دیتے ہوئے جب پولیس والے ہچکچاتے تو مولانا شگفتگی سے کہتے "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جیسی روٹی حکومت کہے ویسی ہی کھلاؤ"۔ بھٹو حکومت اس قسم کے حربے استعمال کر کے مولانا نورانی کا امتحان لے رہی تھی۔ لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ مولانا نے اصولوں پر سودے بازی کرنا سیکھا ہی نہیں ہے۔ ان کی رگوں میں ایسے اسلاف کا خون ہے جنہوں نے زندگیاں اسلام کی تبلغ و اشاعت میں گزار دیں۔ اور اسلام کے علم کو ہمیشہ بلند رکھا۔ مولانا نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گڑھی خیرو کی پولیس اور حوالات کی اذیتوں کو اپنے اعلیٰ وارفع مشن کے حصول کے لیے امتحان سمجھ کر خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ سیاسی حلقوں کی رائے میں گڑھی خیرو کے گرم ترین مقام کی اذیت میں اس شخصیت کو رکھا جاتا ہے۔ جس سے حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ

Marfat.com

لاحق ہوتا ہے۔ نظام مصطفےٰ کا نعرہ مولانا نورانی نے ہی بلند کیا تھااور اسی نعرہ پر پوری قوم متفق ومتحد ہوگئی تھی۔ اس لیے بھٹو نے اذیتیں دے کر مولانا نورانی کو اپنے موقف سے ہٹانا چاہا لیکن مولانا نورانی کا اصول تو ہمیشہ یہ رہا۔

؎ کٹ تو سکتی ہے یہ گردن پر لچک سکتی نہیں

اور یہ نظریہ انہیں ورثہ میں ملا ہے اس لیے جب مولانا کی قیدو اذیت کے متعلق ملک کے اندر بے چینی کی لہر دوڑی تو مولانا نورانی کی ضعیف والدہ محترمہ نے ایک ایسا پرعزم اور باہمت بیان جاری کیا جس سے تحریک کے اندر ایک نیا ولولہ پیدا ہوگیااور کارکنان کے حوصلے مزید بلند ہوگئے انہوں نے کہا کہ:۔

''مجھے چند روز میں سینکڑوں فون اور پیغامات ملے ہیں۔ جن میں میرے لڑکے کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کے بارے میں استفسار کیئے گئے تھے۔ ان تمام لوگوں کو جو مولانا نورانی کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں پر افسوس کرتے ہیں میں یہ ہدایت کرنا چاہتی ہوں کہ وہ اظہار افسوس کی بجائے خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ان کے رہنما کو حق بات کے لیے سختیاں جھیلنے کی سعادت عطا کی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں عمر کی اس منزل میں ہوں۔ جب ہر وقت اپنے بیٹے کو سامنے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔مگر اس کے باوجود مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے کہ اس نے عظیم باپ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی لاج رکھ لی ہے اور اس ملک میں نظام مصطفےٰ کی تحریک کو اس منزل پر لے جارہا ہے جہاں سے کامیابی کا راستہ مختصر نظر آتا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جنت البقیع مدینہ منورہ میں میرے شوہر کی روح اپنے بیٹے کی کامیابی پر نازاں ہوگی۔ حق وصداقت کی راہ میں میرے شوہر کو حق کے لیے اس سے بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ نورانی میاں کا حوصلہ بلند ہے اور اگر قومی زندگی کے اس نازک مرحلے پر وہ کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کرتے تو میں مرتے دم تک انہیں معاف نہ کرپاتی۔ اس لیے کہ اس میں میری تربیت کی کمی ثابت ہوجاتی۔ مگر آج میں خوش ہوں کہ حشر میں حضور اکرم ﷺ کے روبرو مجھے شرمندگی نہیں اٹھانا پڑے گی اورنہ ہی اپنے شوہر کے روبرو شرمسار ہوں گی''۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی والدہ محترمہ نے جس انداز میں نظام مصطفےٰ سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا اس سے یہ بات تحریک نظام مصطفےٰ کے ساتھیوں اور مخالفین کو سمجھ آگئی کہ مولانا کو بچپن سے ہی حضور پرنور ﷺ کے نظام کے لیے تیار کیا گیا تھا۔تحریک پاکستان میں ان کے آباء

نے اور بالخصوص ان کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ نے جس طرح دو قومی نظریے کے فروغ کے لیے جدوجہد کی یہ پوری تحریک مولانا نورانی کی رگوں میں خون کی مانند گردش کرتی ہے۔اس لیے مولانا سوشلزم کے علمبرداروں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔انہوں نے نہایت دانشمندی سے تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کی حزب اختلاف کو نظام مصطفےٰ کے نام پر اکٹھا کرلیا تھا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں وہ وقت آ گیا تھا جب اس ملک میں دو قومی نظریے کے مطابق نظام مصطفےٰ نافذ ہونا تھا قوم اس کے لیے تیار تھی اور مسلسل قربانیاں دے رہی تھی تاکہ پاکستان نظاموں کی تجربہ گاہ سے نکل کر اپنی حقیقی منزل کی طرف چل پڑے اور پاکستان ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست بن کر سامنے آئے جہاں کوئی جاگیردار کسی مزارع کا حق نہ مارے۔کوئی صنعت کار مزدور کے حقوق غصب نہ کرے۔تعلیم اور صحت جیسی بنیادی سہولتیں ریاست کے فرائض میں شامل ہوں چادر اور چار دیواری کا تحفظ ہو۔حکمران عوام کی دولت پر عیاشیاں کرنے کی بجائے عوامی بہبود کے کام کریں۔حکمرانوں سمیت ہر وقت ہر شخص کا بلا امتیاز احتساب کیا جاسکے تاکہ معاشرہ سے برائی کا خاتمہ ہو اور ہر جانب اعلیٰ اخلاقیات کے مظاہرے ہوں۔مگر یہ باتیں پیپلز پارٹی والوں کو سمجھ نہ آئیں۔انہوں نے اقتدار کی طاقت کے زور پر جبر وتشدد کے ذریعے اس عظیم تحریک کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

یہ افراد کی بات نہیں تھی بلکہ دو نظاموں کے درمیان ٹکراؤ تھا۔ اس لیے مولانا نورانی سمیت اتحاد کے تمام راہنما ثابت قدمی سے ظلم و بربریت کو برداشت کر رہے تھے۔ان میں سے کسی کے بھی قدم نہ ڈگمگائے۔ اور مولانا نورانی کی والدہ محترمہ نے مشکل گھڑی میں حوصلہ دینے والا بیان جاری کرکے تحریک کو مزید تیز کردیا۔مولانا نورانی نے حوالات کے اذیت ناک ماحول میں اپنی بہترین مصروفیات کا آغاز کردیا۔اب شب و روز مذہبی کتابوں کا مطالبہ اور ذکر الٰہی ان کا معمول تھا۔انہوں نے مقامی مدرس مولانا علی نواز لغاری کے ذریعے کتابیں اور قرآن مجید کے نسخے منگوائے۔ جنہیں سخت مشکلات کے بعد مولانا تک پہنچایا جاسکا۔کیونکہ حکومت کی طرف سے بہت زیادہ پابندیاں تھیں۔ مولانا نے قرآن مجید کے نسخے دوسرے قیدیوں میں بھی تقسیم کیے۔مولانا نے اپنی رہائی کے بعد کراچی ریلوے اسٹیشن پر جیل کی اذیتوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا تھا۔'' کافی عرصہ سے نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے جدوجہد میں مصروفیت اس قدر تھی کہ پوری یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر کا موقع نہیں ملا تھا۔

Marfat.com

الحمداللہ گڑھی خیرو میں یہ موقع ملا''۔ ظلم کے خلاف ثابت قدمی کا ایسا مظاہرہ پاکستانی سیاست میں نہیں ملتا۔ چونکہ مولانا نورانی کے ساتھ کئے جانیوالے ظالمانہ سلوک اور اتحاد کے دوسرے قائدین کی نظربندی سے تحریک کے اندرروز بہ روز نیا جوش اور ولولہ پیدا ہورہا تھا۔ اس لیے مسٹر بھٹوکو دوبارہ انتخابات کرانے پر آمادہ ہونا پڑا اور اس طرح انہوں نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔

مسٹر بھٹو نے سہالہ ریسٹ ہاؤس میں عبدالحفیظ پیرزادہ، کوثر نیازی اور میر افضل کے ہمراہ مفتی محمود اور سردار عبدالقیوم سے ملاقات کی۔ اور بتایا کہ دوبارہ انتخابات کے لیے انہوں نے قومی اتحاد کا مطالبہ اصولی طور پر مان لیا ہے۔ اس لیے اب باقاعدہ مذاکرات ہونے چاہئیں۔ اس پر اتحاد کے راہنماؤں کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ دوسرے نظربند لیڈروں سے رابطہ قائم کرکے ان کا مشورہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ بھٹونے اس کی بھی ہامی بھرلی اور طے یہ ہوا کہ سردار عبدالقیوم تمام قائدین سے مل کر بات چیت کریں گے اور مسٹر بھٹو کی اپنے سابقہ موقف سے پسپائی سے آگاہ کریں گے۔ اگلے روز سردار عبدالقیوم کو رہا کردیا گیا۔ مسٹر بھٹو اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ تحریک کا مسلسل عروج ان کے لیے پریشان کن تھا اور بظاہر انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کرکے مفاہمت کا راستہ اختیار کرلیا تھا۔ سردار عبدالقیوم کے بقول بھٹو نے قائدین اتحاد سے ملاقات کے سفر پر جانے سے پہلے کہا تھا میں نے اپنی ساری بات تمہیں بتا دی ہے اب میرا استعفاء تمہارے ہاتھ میں ہے چاہو تو کل جاکر اعلان کردو''۔ سردار عبدالقیوم نے تمام قائدین سے جیلوں میں جاکر ملاقاتیں کیں اور صورتحال سے آگاہ کیا وہ جب مولانا نورانی سے ملاقات کے لیے پہنچے تو یہ ملاقات گڑھی خیرو کی حوالات کے گرم ترین کمرے کے بجائے جیکب آباد کے ریسٹ ہاؤس میں کرائی گئی۔ مولانا نورانی نے سردار قیوم سے اس ملاقات میں اپنی تکالیف اور صعوبتوں کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ قومی معاملات پر ان سے گفتگو کرتے رہے۔ چونکہ ابھی تک اتحاد کے ہزاروں نظربند کارکنوں کی رہائی کے لیے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے مولانا نورانی اپنی رہائی کی خبر سے خوش نہ تھے۔ لیکن وہ مذاکرات کی ابتداء میں اپنے ساتھیوں کے لیے کوئی پیچیدگی بھی نہیں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے مسٹر بھٹو کے دوبارہ انتخابات کے وعدہ کے پیش نظر مذاکرات کی حمایت کا فیصلہ کیا سردار قیوم سے بعد میں جب صحافیوں نے مولانا نورانی کی قیدو اذیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مولانا نورانی نے شکایت تو کیا ذکر تک نہیں کیا۔ لیکن اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ حکومت نے ان کو اس

Marfat.com

طرح رکھا ہے تو میں ملاقات کے لیے آنے سے انکار کر دیتا۔ تمام قومی راہنماؤں کو مولانا نورانی کے ساتھ کیے گئے ناروا سلوک کا بے حد رنج تھا۔ ایئر مارشل اصغر خان نے اپنے کتاب ''جنرلز ان پالیٹکس'' میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا۔ انہیں جب جیکب آباد ریسٹ ہاؤس سے دوبارہ گڑھی خیرو لایا جارہا تھا۔ تو ایک صحافی نے ان کے احساسات کے متعلق دریافت کیا۔ مولانا کا جواب ان کے آہنی ارادوں کی طرح مضبوط تھا۔

''اگر نظام مصطفےٰ کے نفاذ اور پاکستان کی بقاء کے لیے میرے جسم کی بوٹی بوٹی کر کے جانوروں کے سامنے ڈال دی جائے تو۔۔۔ بھی میرے لیے قابل فخر ہوگا۔ اس قسم کے مظالم سے ہمارے ایمان کو متزلزل نہیں کیا جاسکتا''۔

تمام راہنماؤں سے ملاقات کے بعد جب سردار عبدالقیوم نے وزیراعظم بھٹو کو اس امر سے آگاہ کیا کہ اتحاد کے قائدین مذاکرات کے لیے تیار ہیں۔ تو وہ حیران ہوگئے۔ اور ہر کسی کے متعلق فرداً فرداً پوچھا کہ کیا سب راضی ہیں؟ اور جب ان کو بتایا گیا سب ہی راضی ہیں تو اس وقت مسٹر بھٹو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بھٹو نے اپنے دور میں اپوزیشن پر جس طرح مظالم ڈھائے تھے۔ اس کے پیش نظر شاید انہیں مذاکرات کی پیش کش کی پذیرائی کا امکان نہیں تھا۔ لیکن قومی اتحاد کے قائدین نے اپنی ذاتی تکالیف اور تلخ تجربات سے قطع نظر قومی مفادات اور ملکی حالات کی بحالی کے پیش نظر مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کا تاریخ ساز فیصلہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں صف اول کے تمام قائدین رہا کر دیئے گئے اور اس طرح 3 جون کو پاکستان قومی اتحاد اور پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے درمیان باضابطہ مذاکرات کا آغاز ہوا۔ مذاکرات کے ابتدائی مرحلہ میں جو خوشگوار نتیجہ سامنے آیا وہ بڑے شہروں سے مارشل لاء کے خاتمہ کا اعلان تھا۔ جبکہ اس سے قبل لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ نے متفقہ طور پر مارشل لاء کے نفاذ کو آئین کی خلاف ورزی قرار دیا تھا۔ مارشل لاء کے خاتمے کے ساتھ ساتھ تمام نظر بند سیاسی کارکنان کو رہا کرنے اور سزائیں ختم کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ البتہ سیاسی نظر بندوں کی تعداد کے بارے میں پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے موقف میں فرق تھا۔ حکومت کے مطابق گرفتار شدگان کی تعداد تیس ہزار دو سو ستر تھی (30,270) جبکہ قومی اتحاد کے اعداد و شمار کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ سے زائد بنتی تھی۔ تاہم اس مسئلہ پر اتفاق رائے ہوگیا تھا کہ عام انتخابات دوبارہ کرائے جائیں۔ مولانا کوثر نیازی نے دوبارہ انتخابات کے حکومتی فیصلے سے پریس کانفرنس

Marfat.com

کے ذریعے آ گاہ بھی کردیا۔ قومی اتحاد نے بھی بنیادی معاملات پر سمجھوتہ کی تصدیق کردی اور تفصیلات طے کرنے کے لیے پروفیسر غفور احمد اور عبدالحفیظ پیرزادہ پر مشتمل سب کمیٹی قائم کردی گئی۔ لیکن درون خانہ پیپلز پارٹی کے عزائم کچھ اور تھے اور وہ وقت ضائع کر کے عوام میں پاکستان قومی اتحاد کی مقبولیت میں کمی کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے سمجھوتے کو باضابطہ شکل دینے میں تاخیری حربے استعمال کیے جارہے تھے۔ عین اس وقت جبکہ دونوں فریق باہمی افہام وتفہیم کے لیے ڈائیلاگ کررہے تھے اسی وقت ملک غلام مصطفے کھر کی وزیراعظم کے خصوصی مشیر کی حیثیت سے اچانک تقرری اور اس کے فورا بعد مسٹر کھر کا قومی اتحاد کے متعلق تند وتیز لہجہ حکومت کے خفیہ عزائم کی نشاندہی کررہا تھا۔ مذاکرات کے دوران ہی مسٹر کھر نے بیان دیا کہ مجھے تحریک کو کچلنا آتا ہے۔ میں 1972ء کی تاریخ دہرا دوں گا۔ تشدد کا جواب تشدد سے دیا جائے گا یہ کسی بیگم کی دھمکی نہیں ہے۔ بلکہ وہی 1972ء والا کھر بول رہا ہے ہم نے حکومت میں رہ کر چوڑیاں نہیں پہنی ہوئیں ہیں۔ ایک بار میں باہر نکلوں گا تو اپوزیشن کے لیڈروں کا بستر بوریا گول کردوں گا۔ وفاقی وزیر ڈاکٹر غلام حسین نے کہا کہ اگر سمجھوتہ نہ ہوسکا تو پیپلز پارٹی کے کارکن میدان میں کود پڑیں گے۔ یکے بعد دیگرے قومی اتحاد کے جلوسوں پر پی پی پی کے کارکنوں نے حملے شروع کردیئے۔ شیخوپورہ میں غلام مصطفے کھر کی سربراہی میں پی پی پی والوں نے فائرنگ کرکے اتحاد کے کارکنوں کو زخمی کیا۔ خود مسٹر بھٹو کا لہجہ بھی تبدیل ہوگیا وہ عام انتخابات کے مطالبہ سے ایک بار پھر پیچھے ہٹ گئے اور قومی اتحاد کو وفاقی کابینہ میں شمولیت اور بعض اضافی نشستوں کا لالچ دینے لگے شائد وہ وقتی طور پر تحریک کے سست پڑنے سے غلط نتیجہ اخذ کر بیٹھے تھے۔ حالانکہ تحریک کا ٹیمپو صرف مذاکرات کی وجہ سے دھیما پڑا تھا۔ لیکن اس قسم کے بیانات اور طاقت کے دوبارہ استعمال نے تحریک میں پھر جان ڈال دی اور بھٹو ایک بار پھر از سر نو انتخابات کے موقف کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ لیکن درحقیقت مسٹر بھٹو کسی طرح وقت ضائع کرکے فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مذاکرات کے ایک اہم مرحلے میں وہ اچانک لیبیا، سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، ایران اور افغانستان کے خیرسگالی کے دورے پر چلے گئے۔ حالانکہ یہ دورہ مذاکرات کی وجہ سے ملتوی کیا جاسکتا تھا۔ جب یہ طے ہوگیا کہ انتخابات اکتوبر میں کرائے جائیں گے اور تقریباً تمام امور پر اتفاق ہوگیا تو ان فیصلوں کے نفاذ کے لیے ''نگران کونسل'' کی تجویز اصولی طور پر ماننے کے باوجود انہوں نے معاہدے پر دستخط کرنے میں تاخیر کی۔

Marfat.com

بہرحال یہ بات ریکارڈ پر آ چکی ہے کہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا اور اس پر صرف دستخط کرنا باقی تھے۔ اگرچہ سپروائزری کونسل کے قیام اور اس کی آئینی حیثیت کے متعلق مذاکرات میں کافی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں۔ کیونکہ قومی اتحاد کا مطالبہ تھا کہ اس کونسل کو آئینی حیثیت حاصل ہونی چاہئے اور وہ الیکشن کے معاملات میں نگرانی کرے اور حکومتی معاملات میں بھی اس کا عمل دخل ہو، اس کو آئینی حیثیت دینے کے لیے آئین میں اس سلسلہ میں ترمیم کرنی چاہئے۔ لیکن بھٹو اس پر دیر سے آمادہ ہوئے تھے۔ ایک مرحلہ پر جب علیحدگی میں مسٹر بھٹو کی ٹیم کے ایک رکن کوثر نیازی نے پی این اے کی طرف سے تجویز کردہ کونسل کے آئینی تحفظ کے بارے میں نکات کو قبول کرنے کا مشورہ دیا اور فوراً دستخط کرنے کے بارے میں کہا تو مسٹر بھٹو کا جواب یہ تھا۔ بھئی ٹھیک ہے۔ ہم مان لیں گے یہ بات ! آخر اتنی جلدی کیا ہے؟ ہم اپنی کمزوری کا تاثر کیوں دیں؟ چند دن بعد دستخط کرلیں گے۔ دستخط کرنے کی تاخیر ہی ان کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ اور اسی تاخیر میں مارشل لاء نافذ ہو گیا، مارشل لاء کے نفاذ سے ایک روز قبل پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے پھر کوشش کی گئی کہ مسٹر بھٹو معاہد پر فوراً دستخط کردیں۔ سردار عبدالقیوم نے اس بارے میں کوثر نیازی سے گفتگو کی۔ اسی روز وزیراعظم بھٹو نے کابینہ کا اجلاس طلب کیا ہوا تھا۔ اس میں یہی بات زیر بحث رہی کہ قومی اتحاد کا خدشہ ہے کہ اگر سمجھوتے پر دستخط نہ ہوئے تو فوج برسراقتدار آجائے گی اس اجلاس میں جنرل ضیاء الحق بھی موجود تھے۔ سب نے ضیاء الحق کی موجودگی میں اطمینان کا اظہار کیا اور کہا کہ فوج تو ہمارے ساتھ ہے۔ قومی اتحاد کا تاثر غلط ہے۔ خطرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ معاہدہ کی دستاویز جنرل ضیاء الحق نے فوٹوسٹیٹ کرانے کے لیے لے لی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ معاہدے پر دستخط ہوتے 5 جولائی کو پاکستان کے طویل ترین مارشل لاء کا آغاز ہو گیا۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو مارشل لاء کی پیداوار تھے۔ ایوب خان کے دور میں ان کی سیاست میں آمد ہوئی۔ ایوب خان کی زیرنگرانی ان کی سیاسی پرورش ہوئی اور ایوب خان ہی کے دور میں وہ بحیثیت ایک سیاسی لیڈر کے سامنے آئے۔ بہت سے تاریخ کے طالب علم پاکستان کے دولخت ہونے کے ذمہ دار بھٹو کو ہی سمجھتے ہیں۔ جس نے یحییٰ خان کے ساتھ مل کر قائداعظم کے پاکستان کو توڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تاریخ کا آخری فیصلہ اس افسوسناک سانحہ کے حوالے سے شاید ابتک نہیں لکھا گیا۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ بھٹو نے جسٹس

حمودالرحمان کی رپورٹ کو شائع نہ کر کے قوم کے ساتھ زیادتی کی۔ کیونکہ پاکستان کے ٹوٹ جانے کے بعد نئے پاکستان میں اقتدار بھٹو ہی کو ملنا تھا اور یہ کام فوج کے بعض آفیسروں کے ہاتھوں انجام پایا۔ بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مارشل لاء کو قائم رکھنے کا فیصلہ کیا اور اپنے مخالف بہت سے جنرلوں کو زبردستی رخصت پر بھیج دیا اور یہ کہا کہ میں انہیں جانتا ہی نہیں۔ لیکن بھٹو نے قوم کو یہ نہیں بتایا کہ مارشل لاء کیوں قائم و دائم رکھا گیا ہے نئے پاکستان کا آغاز مارشل لاء کے سائے تلے ہوا اور قائداعظم کے پاکستان ٹوٹنے کا سانحہ بھی مارشل لاء کے زیر سایہ انجام پایا۔ لہذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مارشل لاء اور پاکستان اکٹھے نہیں چل سکتے۔ بھٹو نے 1970ء کے الیکشن کے نتیجے میں اپنے آپ کو ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے منوا تو لیا لیکن اپنی ذات میں پائے جانیوالے تضاد کو وہ آخری دم تک ختم نہ کرسکا۔ بقول ڈاکٹر منظور الدین!

"Bhutto had split his personality Bhutto the feudal and Bhutto the enlightened.Unfortunately the feudal Bhutto triumphed over the enlghtened Bhutto"

ترجمہ! ''بھٹو نے اپنی شخصیت کو دو لخت کر ڈالا تھا۔ ایک جاگیردار بھٹو اور دوسرا روشن دماغ بھٹو۔ بدقسمتی سے جاگیردار بھٹو روشن دماغ بھٹو پر غالب آ گیا''۔

لہذا اپنے دور اقتدار میں بھٹو اکثر و بیشتر اپنی جاگیردارانہ ذہنیت کو استعمال کرتے ہوئے اپوزیشن کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ دراصل ذوالفقار علی بھٹو ایک ذہین تعلیم یافتہ سیاست دان بننے کے باوجود فیوڈل کلچر کے حصار سے نہ نکل سکے۔ اس لیے بھٹو کا دور اقتدار ایک پیچیدہ سیاسی کلچر کا دور تھا۔ جس کا انجام ان کے سیاسی آغاز کی طرح مارشل لاء پر ہوا۔

Marfat.com

باب 11

"اسلام" ضیاء اور نورانی

جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء شاید مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کے لئے تو حیران کن بات تھی۔ لیکن قومی اتحاد کے رہنماؤں کو اس حقیقت کا احساس تھا کہ وزیراعظم بھٹو سمجھوتے پر دستخط نہ کر کے حالات کو جس سمت لے جا رہے ہیں اس کی انتہا مارشل لاء ہی ہوسکتا ہے اور اس حقیقت سے بھٹو کو آگاہ بھی کر دیا گیا تھا۔ لیکن وہ اتنے پراعتماد تھے کہ انہوں نے خطرناک صورتحال میں بھی دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے کام نہ لیا۔ اور یوں ان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد ملک مہم جو فوجی جرنیلوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اگرچہ جنرل ضیاء الحق نے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد ہی اعلان کر دیا کہ وہ عام انتخابات کرانے کے لئے آئے ہیں۔ نوے دن کے اندر یہ عمل پورا ہوجائے گا۔ لیکن جس طرح بعد میں انہوں نے اپنے نوے دن کو طول دیا وہ ہماری سیاسی تاریخ کا المیہ ہے اور سیاستدانوں کے لئے لمحہ فکریہ! اگر پانچ جولائی سے قبل پیپلز پارٹی معاہدے پر دستخط کرنے سے گریز نہ کرتی اور فوج کو انتظامی معاملات میں ملوث کرنے کا راستہ اختیار نہ کیا جاتا تو ممکن ہے پاکستان کو طویل ترین مارشل لاء کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد مولانا نورانی سمیت قومی اتحاد کے تمام مرکزی راہنماؤں اور بھٹو سمیت ان کے چیدہ چیدہ ساتھیوں کو مری میں زیر حراست رکھا گیا۔ جنرل ضیاء الحق وہاں جا کر ان سیاست دانوں سے ملاقاتیں کرتے رہے اور یہ یقین دہانی کراتے رہے کہ ان کے وعدے کے مطابق الیکشن ہوں گے اور وہ صرف منصف کا کردار ادا کرنے کے لئے آئے ہیں 27 جولائی کو انہوں نے اکتوبر میں انتخابات کے ٹائم ٹیبل کا اعلان بھی کر دیا۔ اس لئے انتخابات کے انعقاد پر کسی قسم کے شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح دوبارہ انتخابات کے لئے ملک گیر سطح پر جو عوامی مطالبہ اور تحریک جاری تھی ختم ہوگئی۔ دوبارہ عام انتخابات کے اعلان کے پیش نظر قوم نے تبدیل شدہ شیڈول کا خیر مقدم بھی کیا۔ عام انتخابات کے اعلان کے اگلے

Marfat.com

روز مولانا نورانی اور قومی اتحاد کے دیگر قائدین رہا کر دیئے گئے۔ تاکہ وہ انتخابات کے لئے تیاری کر سکیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے بارے میں محتاط رویہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ مارشل لاء کو وقتی علاج کے طور پر قبول کرنے کے لئے تو تیار تھے۔ لیکن مارشل لاء حکمرانوں سے راہ ورسم بڑھانے اور مسلسل رابطوں کے خلاف تھے۔ ان کے نزدیک ایسے رابطے قوم کے اعتماد کو مجروح کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ پھر بھی قومی اتحاد کے بعض عہدیداران کھلم کھلا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ملاقاتیں کر کے رابطے بڑھا رہے تھے اور باہم مشورے کے بغیر پالیسی بیان جاری کر دیتے تھے۔ مولانا نورانی اتحاد کے عہدیداران کے اس رویہ سے نالاں تھے اور انہوں نے مختلف اجلاسوں میں اس کا برملا اظہار بھی کیا کہ قومی اتحاد کے اساسی دستور کے مطابق پالیسی امور کے متعلق تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہونا لازمی ہیں۔ لیکن اس اصول کی خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ مولانا نورانی اصولوں کی خلاف ورزی کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ بے اصولی اتحاد و یکجہتی کے خاتمہ کا سبب بنتی ہے اس لئے انہوں نے اس بے اصولی پر سخت احتجاج کیا اور جمعیت علماء پاکستان سے نشستوں کے معاملے پر کئے گئے معاہدے پر عملدرآمد کے لئے بھی زور دیا۔ نیز طے شدہ اصولوں پر سختی سے پابندی کا مطالبہ کیا۔ لیکن پی این اے کی بعض پارٹیوں نے شاید اندرون خانہ مارشل لاء کی حمایت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لئے مولانا نورانی کی تنبیہہ کے باوجود جنرل ضیاء الحق سے ان کا رابطہ جاری رہا۔ ان میں سے بعض نے جنرل ضیاء کو الیکشن ملتوی کرنے کا مشورہ بھی دیا اور ''انتخاب سے پہلے احتساب'' کا نعرہ بھی لگایا۔ جنرل ضیاء تو اس قسم کی تجویز کی تلاش میں تھے۔ ان کو انتخابات کرانے کی جلدی بھی نہ تھی۔ اس لئے جنرل نے اس قسم کے سیاستدانوں کے مشوروں کو فوری طور پر قبول کر کے یکم اکتوبر کو عام انتخابات کے التواء کا اعلان کر دیا۔ جس پر مولانا نورانی نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اسے غلط فیصلہ قرار دیا۔ لیکن قومی اتحاد میں شامل بعض پارٹیوں کو ابھی بھی یقین تھا کہ جنرل ضیاء الحق انتخابات کرانے میں مخلص ہیں۔ ان کو اعتماد تھا کہ جنرل ضیاء الحق ان کے مشورہ کے مطابق عمل کریں گے۔ اور جونہی انہوں نے مشورہ دیا وہ انتخابات کا اعلان کر دیں گے۔ وہ پہلے بھٹو اور ان کے ساتھیوں کا احتساب چاہتے تھے اور پھر انتخابات! حالانکہ یہ کام ایک منتخب حکومت زیادہ بااعتماد طریقے سے کر سکتی تھی۔ مری سے رہائی کے بعد لاہور اور کراچی میں ذوالفقار علی بھٹو کے عوامی استقبال کے چند مناظر سے اتحاد کے بعض شکست خوردہ ذہنیت

Marfat.com

کے حامل لیڈر خوفزدہ ہوگئے تھے۔ اس لئے وہ مارشل لاء کی چھتری تلے پناہ لینے پر آمادہ تھے۔ حالانکہ سیاسی جنگ سیاسی میدان میں ہی لڑی جاتی ہے اور بہترین میدان عام انتخابات کا ہوتا ہے۔ لیکن بعض حلقوں میں انتخابات سے گریز کی پالیسی واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ اسی وجہ سے مولانا نورانی اتحاد میں شامل ایسی پارٹیوں کے رویہ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اتحاد کے اجلاسوں میں اس امر کا بار بار اعادہ کرتے رہے کہ وہ کسی ایسے اتحاد میں ہرگز شامل نہیں رہیں گے جس کا مقصد مارشل لاء حکومت سے ساز باز کرکے اقتدار میں شمولیت ہو۔ لیکن اتحاد کے عہدیدار اپنی پالیسی بدلنے پر آمادہ نہ تھے۔ لہذا جمعیت علماء پاکستان نے تحریری طور پر پاکستان قومی اتحاد کو اپنے موقف سے آگاہ کیا۔ جس کے بعد نوابزادہ نصراللہ کی سربراہی میں اتحاد نے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس کا مقصد مولانا نورانی اور ان کے رفقاء سے تفصیلی گفتگو کرکے اختلافی امور طے کرنا تھے۔ جمعیت نے نوابزدہ نصراللہ کو بھی اپنے اصولوں پر مبنی موقف سے آگاہ کیا۔ لیکن نوابزدہ نصراللہ خان جیسے جہاندیدہ سیاسی لیڈر نے بھی ضیاء حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کرلیا تھا۔ مفتی محمود نے کہا: ''جمعیت علماء پاکستان کے نکل جانے سے اتحاد اور مضبوط ہوجائے گا''۔ یعنی وہ جمعیت کی علیحدگی پر مطمئن نظر آرہے تھے۔ کیونکہ اس طرح اقتدار میں شرکت کے خواہشمند لوگوں کے راستے کی رکاوٹ دور ہوگئی تھی۔ جمعیت علماء پاکستان نے اپنی عاملہ کا اجلاس طلب کرکے پاکستان قومی اتحاد سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ تحریک استقلال پہلے ہی اس سے نکل چکی تھی۔ اس طرح پاکستان کی تاریخ کے ایک مضبوط ترین اتحاد سے اس کے قیام کی محرک جماعت علیحدہ ہوگئی اور یوں یہ اتحاد اپنے انجام کو پہنچا۔ اگرچہ قومی اتحاد کا نام کچھ عرصہ بعد تک بھی استعمال کیا جاتا رہا، اور کہا یہ گیا کہ اتحاد موجود ہے لیکن بے اصولی اور مارشل لاء کی حمایت کے فیصلے نے اس اتحاد کو عوام کی نظروں میں گرا دیا۔ اور یوں یہ اتحاد اپنی موت آپ مرگیا۔

ذوالفقار علی بھٹو، محمد احمد خان کے مقدمہ قتل کی وجہ سے پس دیوار زنداں چلے گئے۔ ان کے بعد پیپلز پارٹی اپنی تنظیم نہ ہونے کے سبب کوئی موثر طاقت نہ رہی۔ اور ادھر بچے کھچے اتحاد نے بھی مارشل لاء کی حمایت کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس لئے جنرل ضیاء زیادہ بااعتماد طریقے سے حکومت کرنے لگے اور بیوروکریسی نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی۔ جس کے باعث ضیاء نے طویل المیعاد حکومت کے منصوبہ پر کام شروع کردیا۔ انہوں نے اکتوبر 1977ء میں اتحاد کے

لیڈروں کو یقین دہانی کرائی کہ 1978 کے وسط میں انتخابات کرا دیئے جائیں گے۔ جس سے وہ مطمئن ہوگئے۔ لیکن نومبر میں انہوں نے طلبہ اور پیشہ ورتنظیموں کے الیکشن پر پابندیاں عائد کردیں۔ ان اقدامات سے ان کے مستقبل کے عزائم کی جھلک نظر آتی تھی۔ مگر بعض خوش فہم لیڈر اس صورتحال اور آئندہ کے عزائم سے بے خبر جنرل ضیاء الحق کے ہمنوا بنے ہوئے تھے۔ نومبر ہی میں جب سپریم کورٹ نے جنرل ضیاء کی حکومت کو ''نظریہ ضرورت'' کے تحت قانونی تسلیم کیا تو مارشل لاء حکومت کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ سمجھدار لوگ تاریخ سے سبق سیکھتے ہیں۔ لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے اکثر سیاستدانوں، جنرلوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ سب سے پہلے اس ملک کے ساتھ زیادتی اس وقت کی گئی جب غلام محمد نے غیر آئینی طریقہ سے اقتدار پر قبضہ کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ون یونٹ کا قیام بھی پنجاب کے جاگیرداروں کی خواہش پر عمل میں آیا۔ اور پھر تمیزالدین کیس کا فیصلہ بھی عدالت نے ''نظریہ ضرورت'' کے تحت حق بجانب قرار دیا۔ اسی طریقہ سے جنرل ضیاء الحق کی غیر جمہوری حکومت نے پاکستان کے سیاسی کلچر ہی کو بدل کر رکھ دیا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ ہم ابھی تاریخ سے کوئی سبق سیکھنا ہی نہیں چاہتے اور بلاشبہ جنرل ضیاء کی حکومت کے حق میں سپریم کورٹ کا فیصلہ پاکستان کی قانونی اور سیاسی تاریخ کا اہم اور یادگار فیصلہ ہے۔ ملکی تاریخ پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور جنرل ضیاء نے ہمیشہ اس فیصلے کا سہارا لے کر اپنی حکومت کو قانونی کہا۔ جبکہ اس کیس میں حکومت کا موقف یہ رہا تھا کہ وہ جلد از جلد عام انتخابات کا اعلان کردے گی۔ عدالت عظمیٰ نے بھی بہت جلد اس اعلان کی تاکید کی تھی۔ لیکن چونکہ فیصلہ میں کسی واضح تاریخ کا تعین نہیں کیا گیا تھا اس لئے مارشل لاء حکومت اس ''رعایت'' کو کئی سالوں تک استعمال کرتی رہی اور پھر جب انتخابات کرائے تو وہ بھی سیاسی جماعتوں کی شمولیت کے بغیر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''بیگم نصرت بھٹو کیس'' نے مارشل لاء حکام کو بہت سہارا دیا اور یہ ان کے لئے بہت خوش کن فیصلہ تھا۔ اس کی توجیہات، مضمرات اور تشریحات مختلف ہوسکتی ہیں۔ لیکن مارشل لاء حکومت اس فیصلہ کو ہمیشہ اپنے حق میں استعمال کرتی رہی اور اس نے ہمیشہ یہی کہا کہ جوں ہی احتساب کا عمل مکمل ہوجائے گا اس کے 60 دن بعد الیکشن کرا دیئے جائیں گے اور یہ نام نہاد احتساب کئی سالوں تک جاری رہا جس مین صرف ان سیاستدانوں کو زیر عتاب رکھا گیا جو مارشل لاء کے ہمنوا نہ بن سکے۔ مولانا نورانی ایسے راہنماؤں میں سرفہرست تھے۔ جبکہ

پیپلز پارٹی کے وہ لیڈر جو نام نہاد احتساب کی زد میں آئے تھے۔ ضیاء الحق کی حمایت کا فیصلہ کر کے احتسابی عمل سے بری قرار پائے۔ کئی ایسے لوگ جو سیاست میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار دیئے گئے تھے بعد میں جنرل ضیاء کی تشکیل کردہ مجلس شوریٰ میں شامل ہو کر ایوان اقتدار میں نظر آئے۔ اسی پر مولانا نورانی نے کہا تھا کہ احتساب کرنیوالوں کا بھی احتساب کیا جائے گا۔ ان کا ہمیشہ یہ موقف رہا ہے کہ آئین کی خلاف ورزی کرنیوالوں کو قرار واقعی سزا دی جانی چاہئے تاکہ کسی کو آئین شکنی کا حوصلہ نہ ہوسکے۔ آئین شکنی کی سزا (دفعہ ٦) مولانا نورانی کی تجویز پر ہی آئین کا حصہ بنی تھی۔

1978ء کا آغاز اس لئے بھی خوشگوار تھا۔ کہ بھٹو دور کے قائم شدہ حیدرآباد ٹریبونل کے خاتمہ کا اعلان ہوا۔ جس کے نتیجہ میں خان عبدالولی خاں اور ان کے ساتھیوں کو رہائی ملی۔ لیکن عبدالولی خان جیسے جرات مند سیاستدان نے بھی ''انتخاب سے پہلے احتساب'' کے نعرے کی حمایت کی۔ ایک اجتماعی ملاقات میں جنرل ضیاء الحق نے مولانا نورانی کے انتخابات کے انعقاد کے پر زور مطالبہ کے جواب میں کہا تھا کہ بعض سیاستدانوں نے مجھے انتخابات ملتوی کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ مولانا نے اسی وقت کہا کہ آپ ان کے نام بتا دیجئے ! تاکہ معلوم ہوسکے کہ کس کس نے انتخابات کی مخالفت کی ہے۔ لیکن جنرل خاموش رہے۔ اس وقت بعض سیاستدانوں کی نگاہیں نیچی تھیں۔ انہیں سیاستدانوں کی پشت پناہی کی وجہ سے جنرل نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ بلدیاتی انتخابات عام انتخابات سے پہلے ہوں گے۔ حالانکہ جنرل بلدیاتی الیکشن کرانے کے لئے نہیں بلکہ قومی الیکشن کرانے کے لئے مارشل لاء لے کر آئے تھے۔ اس واضح اعلان کے بعد بچے کھچے قومی اتحاد کو ضیاء الحق کے منصوبے سے آگاہی حاصل ہوجانا چاہئے تھی۔ لیکن وہ چور درواز سے ایوان اقتدار میں داخل ہونے کا فیصلہ کر کے مارشل لاء کے دست و بازو بن گئے۔ بیشتر سیاستدانوں کی حمایت سے راستہ مزید ہموار ہونے کے بعد جنرل ضیاء نے صرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدہ پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ صدر پاکستان کی حیثیت سے بھی حلف اٹھالیا۔ اور اس طرح جمہوریت اور 1973ء کے آئین کی آخری نشانی بھی ختم کردی۔ صوبوں میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز کو گورنر بنا دیا گیا۔ اور یوں ہر سطح پر مارشل لاء نے اپنی گرفت مضبوط کرنے کے عمل کو تیز کردیا۔ اب زندگی کے ہر شعبے میں فوج کا عمل دخل بڑھنے لگا۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ایک کابینہ بنا دی۔ جس میں پاکستان قومی اتحاد کی بعض

جماعتوں کے وزراء کو بھی شامل کرلیا گیا۔ ان وزراء کو اختیارات تو نہ ملے البتہ سرکاری گاڑی اور دیگر سہولتیں ضرور میسر آئیں جن کو حلال کرنے کے لئے وہ مارشل لاء کی حمایت حاصل کرنے کے کام پر لگ گئے اس طرح مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی اور پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہوں نے اپنی اپنی پارٹیوں کی صف اول کی قیادت کو جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں وزیر بنوا کر اپنا رہا سہا وقار بھی کھو دیا۔ جبکہ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، تحریک استقلال اور جمعیت علماء پاکستان نے مارشل لاء حکومت کی کابینہ میں شمولیت سے انکار کرکے جمہوریت پسندی کا ثبوت دیا۔

جمعیت علماء پاکستان اصولوں کی بنیاد پر سیاست کرنیوالی جماعت ہے۔ اس نے اقتدار کی خاطر جمہوری اصولوں کو کبھی پامال نہیں کیا اور ہمیشہ اس کا یہ موقف رہا ہے کہ وہ کسی غیر آئینی اور غیر منتخب حکومت میں شامل نہیں ہوگی۔ قومی اتحاد کے عہدیداران نے اپنی ۱۰۔ اکتوبر 1977ء کی قرارداد کے برعکس کہ جس میں کہا گیا تھا: ''کہ اتحاد مارشل لاء حکومت میں وزارتیں قبول نہیں کرے گا''۔ حکومت میں شمولیت کے لئے راستہ ہموار کرنے لگے تو جمعیت ان کوششوں سے لاتعلق ہوگئی اور اس اصولی اختلاف کے باعث جمعیت قومی اتحاد سے علیحدہ ہوگئی۔ اس نے بریفنگ کے نام پر جنرل ضیاء الحق سے ملاقاتیں کرنے سے بھی انکار کردیا۔ جنوری 78ء کے آخر میں مولانا نورانی جمعیت کے دیگر عہدیداران کے ہمراہ شیخوپورہ (پنجاب) کا دورہ کررہے تھے کہ سی ایم ایل اے (C.M.L.A) سیکریٹریٹ سے فون پر مولانا شاہ احمد نورانی سے درخواست کی گئی 4 فروری کو جنرل ضیاء سیاستدانوں کو بریفنگ دے رہے ہیں وہ بھی شرکت کریں۔ مولانا نے بریفنگ کے نام پر بھی ضیاء الحق سے ملاقات کرنے سے انکار کردیا۔ ضیاء الحق نے آوازِ حق کو دبانے کے لئے لاؤڈ اسپیکرز کے استعمال پر پابندی عائد کردی۔ لیکن مولانا نے لاؤڈ سپیکرز کے بغیر بھی مارشل لاء کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی اور مختلف علاقوں میں خطاب کرتے ہوئے عوام کو یہ شعور دیا کہ مارشل لاء قوم کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہم کسی صورت میں مارشل لاء حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اور نہ ہی اس میں شمولیت اختیار کریں گے۔ ہمارا مقصد اقتدار کا حصول نہیں بلکہ ''نظام مصطفٰی'' کا نفاذ ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے مارشل لاء سے اختلاف کی وجہ سے حکمرانوں سے رشتہ

Marfat.com

جوڑنے والے قومی اتحاد کی جماعتیں نظام مصطفیٰ کی اصطلاح پر تنقید کرنے لگیں۔ تاکہ عوام کے ذہنوں کو الجھا کر اپنے کردار کو چھپا سکیں اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے مطالبہ کو متنازعہ بنا دیں۔ حالانکہ یہی جماعتیں مارچ 77ء کے انتخابات سے قبل 5 جولائی تک نظام مصطفیٰ کے نعرہ کی ہمنوائی کرتی رہی تھیں۔ لیکن ہر باشعور شہری اس حقیقت سے باخبر تھا کہ یہ نعرہ جمعیت علماء پاکستان کا منشور ہے۔ مسٹر بھٹو نے بھی مذاکرات کے دوران ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ نظام مصطفیٰ تو مولانا نورانی کا نعرہ ہے۔ لیکن اس وقت تو حزب اختلاف کی جماعتیں اس نعرہ سے لاتعلقی کا اعلان نہ کر سکیں مگر ضیاء الحق کے مارشل لاء نے انہیں یہ حوصلہ بخشا کہ وہ اس نعرہ کو جو دراصل نفاذ اسلام ہی کا پروگرام ہے، عوام کے دلوں سے محو کر دیں۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ کیونکہ جمعیت علماء پاکستان آج بھی نظام مصطفیٰ کے قیام کی داعی ہے۔ اور اس کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا ہے۔ اس لئے کراچی کے ایک اخبار نے اکتوبر 1978ء کے پرچے میں لکھا کہ۔

''نظام مصطفیٰ کی اصطلاح مولانا نورانی اور ان کی جمعیت کا عطیہ ہے۔ اور اس نظام کی جو تعریف مولانا اور ان کی جمعیت نے کی وہی ایک عرصہ تک اور خاص طور پر تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران مستند سمجھی گئی۔ مولانا شروع سے ہی نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ اور آج بھی ان کی سب سے بڑی بلکہ واحد منزل یہی ہے''۔

ہفت روزہ ''محور'' کراچی نے مولانا کی شخصیت اور ان کے اصولوں پر تبصرہ یوں کیا

''سیاسی معاملات'' میں مولانا شاہ احمد نورانی سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ان کے منشور ان کی پالیسی اور طرز فکر پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان پر جمہوریت دشمن قوتوں، غیر آئینی، غیر سیاسی اور غیر نمائندہ حکمرانوں، قوم کے سر پر اپنے آپ کو مسلط کرنے والے متعدد غاصبوں، آمروں، جابروں اور مطلق العنان حکمرانوں کے ساتھ کسی بھی وقت مصالحت، سمجھوتہ، یا اقتدار میں شرکت یا شراکت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے بلکہ مولانا نے ہمیشہ اس قسم کے سمجھوتے، شرکت و شراکت کی ڈٹ کر مخالفت کی ہے اور اس کا جرأت مندانہ مقابلہ کیا ہے''

مولانا نورانی نے اخباری انٹرویو میں تفصیل سے ملکی حالات کا جائزہ لیا اور جداگانہ طرز انتخابات کی تجویز کی حمایت کے متعلق بھی اپنے خیالات بیان کئے۔ مولانا نے فوجی حکومت کی سول کابینہ پر الزام لگایا کہ وہ مختلف قسم کے ہنگامے کھڑے کر کے فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دے کر سیاسی ہیجان پھیلا رہی ہے اور نت نئے آئینی مسائل چھیڑ کر انتخابات کے مزید التواء

کے بہانے تراش رہی ہے۔

اخبار نویس نے سوال کیا کہ کیا خود انہوں نے جداگانہ انتخابات کے سلسلے میں حکومت کے فیصلے کی حمایت کرکے اس وقت غلط طریقے سے آئینی مسائل کھڑے کرنے کی پالیسی کی حوصلہ افزائی نہیں کردی ہے؟ مولانا نے جواب دیا کہ ہاں ہم پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ اس طرح ہم بھی انتخابات کے ممکنہ التواء کی سازش میں شریک ہوگئے ہیں۔ ہم نے آئین کے پینڈورا بکس کو دوبارہ کھولنے کی تائید کردی ہے۔ لیکن یہ اصولوں کا معاملہ ہے۔ ہم نے ہمیشہ جداگانہ انتخابات کی حمایت کی ہے۔ 1973ء کے دستور کی تیاری کے دوران بھی اس مسئلے پر ہم نے بڑی جدوجہد کی۔ مگر ہماری نہیں سنی گئی۔ اب اگر یہ کام جو یقیناً ایک اچھا کام ہے، ہورہا ہے تو ہم اس کی حمایت ضروری سمجھتے ہیں۔

مولانا کے خیال میں اصولوں کے معاملے پر خاموشی غلط ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں مخالف برائے مخالفت پر یقین نہیں رکھتا۔ جہاں تک انتخابات کا سوال ہے تو یہ نیت کا معاملہ ہے۔ اگر حکومت چاہے تو مارشل لاء کی چھڑی کی مدد سے ہنگامی بنیادوں پر تین مہینے کے اندر رائے دہندگان کی نئی فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ جب 1973ء کی مردم شماری چھ مہینے کے اندر مکمل ہوسکتی ہے تو ووٹرز لسٹ کا کام تو اس کے نصف سے بھی کم ہے۔ لیکن نام نہاد سول کابینہ میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں وہ اس وقت تک انتخابات نہیں کرائیں گے جب تک ان کے ذہن پر ہارنے کا اندیشہ سوار ہے۔ 18۔ اکتوبر کے انتخابات بھی انہوں نے اس اندیشے کی وجہ سے ملتوی کرائے تھے اور جس الیکشن کا وعدہ کیا جارہا ہے۔ اس کا بھی خدا ہی حافظ ہے۔ نئی فہرست بنانے کے کام کو طول دیا جائے گا۔ پھر نئی حلقہ بندیوں کے کام میں مہینے لگائے جائیں گے اور اس عرصے میں اقتدار میں شریک سیاسی جماعتیں ہنگامے کھڑے کرکے انتخابات ملتوی کرائیں گی۔ چونکہ یہ جماعتیں کبھی الیکشن نہیں جیت سکتیں۔ اس لئے ان سے انتخابات کرانے کی توقع فضول ہے۔ یہ لوگ اسلام کا نام لے کر چور دروازے سے آئے ہیں۔ خطرہ یہ ہے کہ کہیں خدانخواستہ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ شاید نظام مصطفےٰ اسی کا نام ہے۔ اس کے بعد مولانا نے حضور اکرم ﷺ کی زندگی، خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں قائم ہونے والی جمہوری روایات کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے اپنے اس نقطۂ نظر کا اعادہ کیا کہ جمہوریت اسلام کی روح ہے اور جمہوریت جو صرف انتخابات کے ذریعے ہی عمل میں آسکتی

Marfat.com

ہے۔ الگ کر کے اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش فضول ہوگی۔ یہ اسلام کے ساتھ زیادتی ہوگی اور جنرل ضیاء کی پارٹنر جماعت اسلامی اور مفتی محمود کی جمعیت علماء اسلام کے لوگ یہی کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو انتخابات کے متعلق ان کے وعدوں پر اسی وقت یقین آئے گا۔ جب انتخابات ہوجائیں گے لیکن میرے خیال میں شاید اوپر والوں کی نیت خراب ہے۔ حالات نے مولانا نورانی کا تجزیہ صحیح ثابت کیا۔ مولانا نے اپنی بات چیت میں سول کابینہ کو اقتدار میں شریک کرنے کے عمل کو مارشل لاء کی طوالت کے مترادف قرار دیا۔ انہوں نے واضح طور پر کہا کہ سول کابینہ کے قیام کو خلوص اور نیک نیتی نہیں کہا جاسکتا۔ نام نہاد سیاستدانوں کی شرکت کے بعد حکومت کی کسی بات پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اگر جنرل ضیاء مخلص ہیں تو عمل کے ذریعے اپنے خلوص کا ثبوت دیں اور انتخابات کروا کر اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کریں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی تخلیق بیلٹ بکس کے ذریعے ہوئی تھی۔ یہ نہ تو کوئی فوجی کارروائی تھی اور نہ ہی اس کی تشکیل میں فوج نے کوئی کردار ادا کیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کو معلوم ہونا چاہئے کہ سپریم کورٹ نے انہیں آئین کو پورے طور پر معطل کرنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی نظریہ ضرورت انہیں تیس (30) سال کے دستوری تجربے کے بعد مزید تجربات کر کے قوم کو آزمائشوں میں ڈالنے کی اجازت دیتا ہے۔ نظریہ ضرورت نے سول حکومت کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ وہ لوگ آج حکومت میں ہیں جو کبھی جمہوری طریقہ سے حکومت میں آنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ یہ الیکشن میں جیت کر اپنے افکار وخیالات ہم پر مسلط کرتے تو یہ جائز بات ہوتی۔ لیکن چور دروازے سے غیر آئینی غیر جمہوری اور غیر نمائندہ حکومت بنا کر یہ اپنے افکار وخیالات ہم پر مسلط کر کے امن کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس انٹرویو میں مولانا شاہ احمد نورانی نے جنرل ضیاء الحق سے ہونے والی ایک ملاقات کے حوالے سے بعض شکست خوردہ ذہنیت کے لیڈروں کے طرز عمل اور انتخابات کے التواء کی حمایت سے متعلق ان کی منت سماجت کی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے بتایا کہ!

”13 دسمبر 1977 کو جنرل ضیاء نے قومی اتحاد کے راہنماؤں کو بلایا اور انتخابات کے التواء کے بارے میں بتایا۔ میں نے جنرل صاحب سے پوچھا کہ انتخابات ملتوی کرنے کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے مختلف واقعات کا حوالہ دیا کہ فلاں جگہ پٹڑی اکھاڑی گئی۔ فلاں جگہ کوئی آدمی مر گیا۔

Marfat.com

میں نے کہا ! جنرل صاحب یہ تو خاص وجہ نہیں ہوسکتی۔ ترکی میں دو سو نوے (290) آدمی مرے تھے۔ اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ لیکن الیکشن پھر بھی ہوئے۔ ہندوستان میں بھی الیکشن ہوئے جمہوری عمل کے آغاز میں ایسے واقعات تو رونما ہوتے ہی ہیں۔ اس پر جنرل ضیاء نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ قومی اتحاد کے مقتدر رہنما میرے پاس تشریف لائے تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر خدا کا واسطہ دے کر انتخابات کے التواء کی درخواست کی تھی۔ میاں طفیل محمد دور ایک کونے میں بیٹھے تھے اور مفتی محمود دوسری طرف منہ پھیرے ہوئے تھے۔ میں نے جنرل ضیاء سے کہا آپ نے کیا فرمایا، میں سن نہیں سکا۔ اس پر بلند آواز میں جنرل نے کہا قومی اتحاد کے مقتدر رہنما میرے پاس تشریف لائے تھے اور انہوں نے ہاتھ جوڑ کر خدا کا واسطہ دے کر انتخابات ملتوی کرانے کے لئے کہا تھا۔ میں نے ان راہنماؤں کی طرف دیکھا وہ خاموش بیٹھے رہے"۔

اس انٹرویو میں مولانا نورانی نے اسلام کے جمہوری مذہب ہونے پر روشنی ڈال کر جنرل ضیاء کے مارشل لاء اور تمام اقدامات کو غیر اسلامی قرار دے کر عوام کی راہنمائی کی۔ جنرل ضیاء کے نعرہ اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ "اسلام" اور ضیاء الحق کی حکومت کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں۔ اسلامی نظام کا ضیاء الحق کے نظام سے کوئی تعلق نہیں۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ جنرل ضیاء اسلام کا نام لے کر عوام کو اسلام سے دور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں تاکہ جو منزل تحریک نظام مصطفٰے کے باعث قریب آ گئی ہے، ہمیشہ کے لئے پھر نظروں سے اوجھل ہوجائے۔ مولانا نورانی نظام مصطفٰے کے نفاذ کے لئے حکومت پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے۔ انہوں نے عوام کی طاقت کو پھر سے منظم کرنے اور حکومت کے نفاذ اسلام سے اخلاص کا بھی عملی مظاہرہ دیکھنے کے لئے جماعت اہل سنت کی جانب سے سنی کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا امیر جماعت اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کی سربراہی میں کل پاکستان سنی کانفرنس کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ جوں جوں پاکستان سنی کانفرنس کی تیاریاں بڑھنے لگیں ویسے ویسے حکومتی حلقوں میں تشویش کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے اور اس کانفرنس کی مخالفت میں بچے کھچے قومی اتحاد کے وزراء بھی پیش پیش تھے۔ اب مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کی جماعت جمعیت علماء پاکستان تنہا نفاذ اسلام کی جدوجہد کرنے لگی۔ وہی وقت پھر آ گیا۔ جہاں سے مولانا نے 1970ء میں اپنے سیاسی سفر کا آغاز

کیا تھا کہ نظام مصطفےٰ اور سوشلزم آمنے سامنے تھے۔ لیکن اب سوشلزم کی جگہ ضیاء الحق کا خود ساختہ اسلامائیزیشن کا نعرہ تھا۔ جس کا مقصد اسلام کے نام پر بیدار عوام کو گہری نیند سلانا تھا۔

سنی کانفرنس سے قبل حکومتی حلقوں کی طرف سے (جنرل ضیاء الحق سے مذاکرات کرکے) مولانا نورانی کو بار بار دعوت دی گئی کہ وہ جنرل ضیاء الحق سے مذاکرات کرکے اپنے مطالبات سے آگاہ کریں۔ اس سلسلے میں وزیر داخلہ محمود اے ہارون بہت متحرک رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مولانا نورانی کسی طرح جنرل ضیاء سے ملاقات کے لئے آمادہ ہوجائیں جب ان کی طرف سے اصرار بڑھا تو مولانا نورانی جنرل ضیاء سے ملاقات کے لئے تیار ہوگئے۔ تاکہ ان کارروائیوں سے جنرل ضیاء الحق کو آگاہ کیا جائے جو عقائد اہل سنت میں سراسر مداخلت تھیں اور اشتعال پیدا کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔ یہ ملاقات ستمبر کے دوسرے ہفتہ میں ایوان صدر کراچی میں طے پائی۔ جب مولانا طے شدہ وقت پر اپنے وفد کے ہمراہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس وقت جنرل ضیاء الحق پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی سے گفتگو کررہے ہیں۔ جہاں لمحہ لمحہ قیمتی ہو وہاں بے اصولی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر مولانا طیش میں آگئے۔ کیونکہ مولانا نے خود ہمیشہ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا۔ انہوں نے وہاں موجود اسٹاف کو کہا کہ کیا جنرل ضیاء نے ہمیں فارغ سمجھ رکھا ہے، خود ہی منتیں کرکے بلواتے ہیں اور پھر دوسروں کو ملاقات کے لئے بلا لیتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے ملاقات نہیں کریں گے۔ وہ کہہ کر اٹھ کر چل دیئے۔ جنرل ضیاء الحق کو اس صورتحال کی اطلاع دی گئی۔ جنرل ضیاء فوراً باہر آئے اور مولانا نورانی سے معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے، مولانا مجھے بہت افسوس ہے، دراصل میں آپ سے ہی ملاقات کا منتظر تھا۔ ٹائم ٹیبل میں تھوڑے سے ردوبدل کی وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔ مولانا غصے کے عالم میں بولے۔ جنرل صاحب! اگر آپ ایک کمرے کے نظام کو صحیح طریقہ پر نہیں چلا سکتے تو پورے ملک کی حکومت کیسے چلا سکتے ہیں؟ ضیاء الحق نے مولانا کی شخصیت کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح دے کر سیاستدان اقتدار کی بھوک میں مبتلا ہوکر ان کے پاس بھاگ کر آتے تھے، مولانا بھی سیاستدان ہیں اس لئے اسی قبیل سے ہوں گے اور صدر پاکستان سے ملاقات ان کے لئے اعزاز ہوگی، مگر ان کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ کیونکہ مولانا اسلام کے اصولوں پر زندگی گزارنے والے شخص ہیں۔ اس لئے اقتدار پرستی انکا مزاج نہ تھا۔ وہ بڑی مشکل سے مذاکرات کے لئے اندر جانے پر راضی

Marfat.com

ہوئے۔ جنرل ضیاء الحق کے ہمراہ سندھ کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی بھی تھے۔ مذاکرات میں مولانا نے سول کابینہ کی طرف سے عقائد کے معاملات میں مداخلت کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ سب آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے؟

جنرل ضیاء الحق نے وضاحت چاہی۔ مولانا نے محکمہ اوقاف سے جاری شدہ آرڈرز کی فوٹو اسٹیٹ نقول دیتے ہوئے دریافت کیا کہ مساجد میں صلوٰۃ وسلام پر پابندی کے احکامات کیا آپ کی طرف سے ہیں؟ ان احکامات کو دیکھ کر جنرل نے لاعلمی ظاہر کی اور وضاحت کی کہ میرا اس سلسلے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یقین دلایا کہ وہ اس کے متعلق انکوائری کرائیں گے۔ نہ صرف احکامات منسوخ ہوں گے بلکہ متعلقہ محکمہ کے ذمہ دار افراد سے پوچھا جائے گا۔ اس طرح کے دوسرے معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن ملاقات کے آغاز میں جو بدمزگی پیدا ہوگئی تھی اس کی وجہ سے ملاقات خوشگوار ماحول میں نہ ہو سکی۔

انتہائی مشکلات کے باوجود سنی کانفرنس پاکستان 17,16 اکتوبر 1978ء کو منعقد ہوئی۔ امیر جماعت اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ نے استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"وہ متحد ہو کر اسلامی دستور کی نفاذ کے لئے اپنی آواز بلند کریں۔ دستور اسلام کی عمارت کی بنیاد ہے اور جب بنیاد ہی نہ ہوگی تو عمارت کیسے تعمیر ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ اس مملکت خداداد میں جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا اسلامی دستور نافذ کیا جائے۔ کیونکہ یہ دستور ہی مسلمانوں کی عظمت اور امتیاز کا علامتی نشان ہے اور جو اس کی آواز پر لبیک کہتا ہے وہ اس دنیا کا خوش نصیب انسان ہے"۔ مولانا عبدالستار خان نیازی نے کہا کہ یہ کانفرنس اس مقصد کے لئے منعقد ہو رہی ہے کہ سواد اعظم اہل سنت وجماعت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا موقف، نظریۂ حیات اور مقصد پاکستان کے اندر خالصۃً نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ انگریز کی آمد کے بعد یہاں پر انگریز کی تربیت سے اور بعض خود ایسے فرقے پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے مقام مصطفےٰ کو کم کرنے کے لئے نظام مصطفےٰ کو ملتوی کرنے کے لئے مسلسل نوے سال جدوجہد جاری رکھی۔ لیکن اللہ کے فضل وکرم سے اہل سنت وجماعت نے ملت کی ہر مصیبت کے وقت مدد کی اور رہنمائی کا فرض انجام دیا۔ ہم نظام مصطفےٰ کی آڑ میں اقتدار حاصل کرنے کو مذموم فعل سمجھتے ہیں ہم نے وزارتوں کی خاطر دین اسلام سے کبھی دھوکا نہیں کیا۔

Marfat.com

اگرچہ وزارتیں ہمارے قدموں میں پڑی ہوئی تھیں۔ ہم نے اقتدار کو ٹھکرا دیا۔ دین فروشی نہیں کی۔ اسلام پسندوں کی اسلام کو دھیرے دھیرے نافذ کرنے کی منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ جب ہمارے پاس اسلامی فقہ موجود ہے تو ہمیں باہر سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ۔سنی کانفرنس کی آخری نشست سے مولانا شاہ احمد نورانی خطاب کرنے آئے تو لاکھوں کا مجمع کھڑے ہو کر نعروں سے ان کا استقبال کرنے لگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم حضور پر نور ﷺ کے محبت بھرے مشن کو لے کر چل رہے ہیں۔ اولیاء اللہ کا مشن محبت کا مشن ہے یہ پیغام محبت ہے۔ اور جو اولیاء اللہ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ وہ فرقہ نہیں ہیں۔ فرقہ وہ ہیں جو اللہ والوں سے کٹ گئے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ محبت رسول اللہ ﷺ کا فروغ ہماری سیاست ہے اور یہ سیاست ہمارے دین کا ایک حصہ ہے۔ ہم پر ہر وقت سیاست کا بھوت سوار نہیں ہے۔ اگر سیاست کا بھوت سوار ہوتا تو یہاں نہ ہوتے ، اقتدار میں ہوتے۔ کملی والے آقا کی محبت ہمیں نظام مصطفیٰ کی محبت میں سرگرداں کیے ہوئے ہے ہم ان کے دیوانے ہیں ان کے مستانے ہیں اور ان کے نظام کے پروانے ہیں۔ جہاں یہ نظام ہوگا۔ جہاں وہ لوگ ہوں گے جو اس نظام کو چاہنے والے ہیں تو وہاں ہم ہوں گے اور جہاں ایسے لوگ نہیں ہوں گے وہاں ہم بھی نہیں ہوں گے۔ سیاست ہمارا مذہب نہیں ، سیاست ہمارے دین کا ایک حصہ ہے ،ہمیں سیاسی میدان میں بات کرنا ہوگی تو کریں گے۔ لیکن وہ الگ مرحلہ ہے۔ سنی کانفرنس مقام مصطفیٰ کانفرنس ہے۔ آج اس اجتماع کا مقصد حضور پر نور ﷺ کے مقام اور عظمت ،شرف وحرمت اور ان کی عزت و تعظیم کا تحفظ کرنا ہے'' مولانا نورانی نے اپنے پرسوز اور حب مصطفیٰ میں ڈوبے ہوئے اثر انگیز خطاب میں سنی کانفرنس کے پیغام سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

لوگ کہتے ہیں سنی کانفرنس کا پیغام کیا ہے؟

دہر میں اسم محمد سے اجالا کرنا

ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد و مشن دہر میں اسم محمد سے اجالا کرنا ہے۔ اور جو اسے فرقہ وارانہ کہتے ہیں۔ انہیں اپنا راستہ مبارک ہمیں اپنا راستہ مبارک، آج سنی کانفرنس سے مقام مصطفے کے تحفظ کا یہ پیغام لے کر جائیں کہ ہم وطن عزیز پاکستان میں جب تک زندہ رہیں گے اپنی جان سے زیادہ مال سے زیادہ اپنی اولاد سے زیادہ کملی والے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کا تحفظ کریں گے۔

Marfat.com

سنی کانفرنس کا آپ کے لئے یہی پیغام ہے۔ کہ آپ کو اب زندگی رسول اللہ کے پاکیزہ مقام کے لئے گزارنی ہے۔ آج جب آپ ملتان کی سنی کانفرنس سے جائیں تو آپ میں ایسی تبدیلی ہونا چاہئے کہ دیکھنے والے کہیں کہ یہ کون جارہے ہیں۔ آپ کی گفتار سے آپ کی رفتار سے اندازہ لگا کر کہنے والا خود بخود کہہ سکے کہ یہ محمد مصطفے ﷺ کے دیوانے جارہے ہیں۔ غلامان مصطفے جارہے ہیں۔

یہ کہا جارہا ہے کہ سنی کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ علماء اہل سنت ،عوام اہل سنت اپنی طاقت کے مظاہرے سے حکومت پر دباؤ ڈال کر اقتدار اور وزارتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد آپ سب کے سامنے ہے۔ اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا خان بریلوی کے بقول:۔

میں گدا ہوں اپنے کریم کا

زندگی لالچ کے لئے نہیں ہے۔ وزارتوں کا جوڑ توڑ جو لوگ کرتے ہیں۔ وہ کرتے رہیں۔ ہمارا جوڑ توڑ تو صرف نبی کریم ﷺ سے رشتہ جوڑنے کیلئے ہے۔ وہ توڑتے رہتے ہیں، ہم جوڑتے رہتے ہیں۔ ان کو توڑ کر رکھنا مبارک ،ہمیں جوڑنا مبارک ،ہم نے سنی کانفرنس میں آکر دونوں جہانوں کے تاجدر آقائے نامدار حضور اکرم ﷺ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ سنی کانفرنس میں شرکت کی بعد کیا آپ نے محسوس کیا کہ آپ کا رشتہ مدینے والے آقا سے جڑ گیا ہے یا نہیں؟ اس پر لاکھوں کے مجمع نے یک زبان ہو کر کہا ......جڑ گیا ، جڑ گیا ......مولانا نے جواباً کہا! اگر جڑ گیا تو ہمیشہ جڑا رہے ،مبارک ہے ،میری دعا ہے کہ آپ ایسا عظیم سفر ہمیشہ کرتے رہیں اور ایسا سفر نہ کریں جو دین پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ہے ،آپ یہاں سے جاکر اپنے مال ومتاع اپنے اہل وعیال اور سب سے زیادہ اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کیجئے۔ تاکہ مقام مصطفےٰ کا تحفظ ہوسکے۔ اپنے گھر اپنے محلہ اور اپنی بستی میں نظام مصطفےٰ نافذ کردیجئے۔ اس سرزمین پاکستان کو رسول ﷺ کے نظام سے آراستہ کرنے کا عہد کیجئے ان شاء اللہ پاکستان کی سرزمین پر نظام مصطفے نافذ ہو کر رہے گا"۔

مولانا نورانی نے اپنے خطاب کے آخر میں کانفرنس کے شرکاء سے تین عہد لیے جس میں سب سے اہم وعدہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی اور حرام سے بچنے کا عہد تھا۔ عوام نے ہاتھ اٹھا کر یہ عہد نبھانے کا اعلان کیا۔ اس کی ساتھ ہی تاریخ ساز سنی کانفرنس کا اختتام ہوا۔

Marfat.com

مولانا نورانی نے اس کانفرنس میں ایک دفعہ پھر اس بات کا اعلان کیا کہ ہماری منزل وزارتیں نہیں بلکہ نظام مصطفٰے کا نفاذ ہے۔ اور جس کی جدوجہد تاحیات جاری رکھیں گے۔ حکومت خواہ کسی کی بھی ہو۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنی کانفرنس کے انعقاد سے قبل سول کابینہ کے بعض وزراء نے اس کے انعقاد کے سلسلے میں روڑے اٹکانے کی بھرپور کوشش کی۔ اور یہ کہا گیا کہ یہ کانفرنس امن و امان کی صورتحال کے لئے خطرہ بن جائے گی کانفرنس کے انعقاد سے چند روز قبل مذہبی امور کے وفاقی وزیر افتخار احمد انصاری (پی ڈی پی) ملتان آئے تو ان کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ میں یہ بات شدت سے کہی گئی کہ سنی کانفرنس منعقد نہ ہونے دی جائے۔ جس پر وزیر موصوف نے ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا۔ اسی طرح کی کوششیں مختلف حلقوں کی طرف سے مسلسل کی جارہی تھیں۔ جس کے نتیجے میں کانفرنس کے انعقاد سے ایک دو روز پہلے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کو اس کے انعقاد کی اجازت منسوخ ہونے کے حکم سے آگاہ کیا گیا۔ لیکن ملک کی لاکھوں عوام کی دلچسپی ہر رکاوٹ عبور کرنے پر تیار تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے مارشل لاء حکام سے خود رابطہ کرکے منسوخی کی وجہ سے پیدا ہونیوالی سنگین صورتحال سے آگاہ کیا۔ اور کہا کہ رکاوٹوں کی صورت میں تمام تر نتائج کی ذمے داری انتظامیہ پر ہوگی۔ ہم کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتے۔ کانفرنس منعقد ہو کر رہے گی۔ حکومت کے تمام منصوبے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ سول کابینہ کی ہر قسم کی رکاوٹ کے باوجود سنی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں شریک لاکھوں عوام نے قائدین اہل سنت پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ کامیاب سنی کانفرنس نے سول کابینہ میں بے چینی پیدا کردی۔ کیونکہ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عوام آج بھی نظام مصطفٰے ﷺ چاہتے ہیں اور ان کا تعلق اسلام کو چھوڑ کر اسلام آباد بیٹھنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس لئے بعض حلقے یہ منفی پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ یہ کانفرنس مذہبی رنگ کی وجہ سے کامیاب ہوئی، عقیدے کے نام پر لوگ جمع ہوئے، جمعیت علماء پاکستان سیاسی سطح پر اس طرح کی کانفرنس منعقد نہیں کرسکتی۔ اس لئے کانفرنس کے فوراً بعد مولانا حامد علی خان رحمتہ اللہ علیہ کی رہائش گاہ پر جمعیت کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ عنقریب جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے راولپنڈی میں میلاد مصطفٰے ﷺ کانفرنس منعقد کی جائے گی۔ عوام میں مولانا شاہ احمد نورانی کی پالیسیوں کو پذیرائی ملی۔ جس سے سول کابینہ کی عوامی حمایت کی قلعی کھل گئی۔ اس لئے انہوں نے اقتدار کے بل بوتے پر فرقہ وارانہ تصادم کا پروگرام بنایا۔ اہل

Marfat.com

سنت کی مساجد پر مسلح قبضے، دل آزار تقاریر کے ذریعے اشتعال دلانے اور تصادم کرانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مارشل لاء کے حکمرانوں نے جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اہل سنت کے سیاسی اور مذہبی پروگراموں کو درہم برہم کرنے کے لئے دو وزیروں پر مشتمل ایک خفیہ کمیٹی تشکیل دی تا کہ مولانا نورانی کی قیادت میں تحریک نظام مصطفٰے کے قافلے کو روکا جاسکے جو ہر قدم پر مارشل لاء کو چیلنج کررہا تھا۔ پہلے مرحلہ میں مساجد پر قبضہ کرنے کی مہم شروع کی گئی۔ اور پھر کوٹ ادو سے جلسوں کو درہم برہم کرنے کی مہم کا آغاز کیا گیا۔ وہاں مولانا نورانی کو جلسہ عام سے خطاب نہ کرنے دیا گیا ان کی تقریر سے قبل ہی غنڈہ گردی اور ہلڑ بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شامیانوں کے رسے اور بجلی کے تار کاٹ دیئے گئے۔ زبردست پتھراؤ کر کے بجلی کی ٹیوبیں توڑ دی گئیں اور منصوبہ کے تحت جلسہ گاہ کے مختلف کونوں میں کھڑے ہوئے شر پسندوں نے غلیظ زبان میں نعرہ بازی شروع کردی۔ اس خطرناک صورتحال میں بھی جمعیت کے کارکنان اپنے قائد کے حکم پر پرامن رہے جبکہ جلسہ گاہ کے چاروں اطراف موجود پولیس کی بھاری نفری تماشائی بنی رہی جس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی تھی۔ کہ یہ سب کچھ مقامی انتظامی کی پشت پناہی سے ہورہا ہے۔ جمعیت کے قائدین اور کارکنان کے صبر آزما حوصلہ کی وجہ سے تصادم کا یہ منصوبہ ناکام ہوگیا۔

حکومت کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات کے باوجود مولانا نورانی نے اپنے عوامی رابطے کے پروگرام جاری رکھے اور مارچ میں جمعیت علماء پاکستان کے تحت منعقد ہونے والی ''میلاد مصطفٰے کانفرنس'' تک اپنا تنظیمی دورہ مکمل کیا۔

انہی دنوں پاکستان ٹیلی ویژن ملک کے ممتاز سیاستدانوں کے انٹرویوز پر مبنی پروگرام پیش کررہا تھا۔ جب مولانا نورانی کا انٹرویو دکھایا گیا تو ان کی جرأت اور اسلام سے لگن کی وجہ سے ملک کے کروڑوں عوام نے ذوق وشوق سے دیکھا۔ صحافیوں کے پینل سے ہونے والی بات چیت میں مولانا نے ملکی حالات اور بین الاقوامی سیاست پر استدلال کے ساتھ اپنا موقف پیش کیا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ اکثر بیرون ممالک کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ تو کیا وہ پاکستان کی خارجہ پالیسی سے مطمئن ہیں۔ مولانا نے تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ!

''جہاں تک فارن پالیسی کا تعلق ہے، اس سلسلے میں بعض ممالک کی یہ لابی ہے (خاص طور پر رشین لابی) کہ پاکستان کو بالکل الگ تھلگ رکھا جائے۔ ہر معاہدے کو ختم کردیا

Marfat.com

جائے۔ ہر معاہدے سے لاتعلق کردیا جائے اور دوسری جانب خود رشیا وارسا پیکٹ کے ذریعے مختلف ممالک کو سمیٹ رہا ہے اور مختلف ممالک سے معاہدے کررہا ہے لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہماری طرف سے دفاعی معاہدے کس سے کئے جائیں کس سے نہ کئے جائیں؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ رشین بلاک ہو یا امریکن بلاک دونوں بلاکس کے پیچھے یہودی کام کررہے ہیں۔ ہمیں ان سے بالکل علیحدہ رہنا چاہئے اور اپنا ایک علیحدہ بلاک بنانا چاہئے۔ ہمارے سامنے اس کی نظیر ہے۔ حضور انور سید عالم ﷺ کے عہد اقدس میں دو بلاک تھے۔ ایک قیصر روم کا بلاک تھا۔ اور دوسرا کسریٰ کا بلاک تھا۔ یعنی ایرانین ایمپائیر اور رومن ایمپائیر یہ دو بلاک تھے۔ ان دو بلاکس میں تیسرا بلاک عالم اسلام ابھر کر آیا اور حضور پر نور اور خلفاء راشدین نے اتنا مضبوط عالم اسلام کا بلاک بنایا کہ ہر بلاک خود بخود ختم ہوتا چلا گیا۔ میں سمجھتا ہوں آج وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہم عالم اسلام کا ایک مضبوط ترین بلاک بنائیں اور یہی ''سپر پاور'' بنے۔ اس وقت دنیا دو سپر پاورز میں تقسیم ہے اور یہ دونوں سمجھتے ہیں کہ ان کی سب پر اجارہ داری ہے۔ اس کو توڑنا ہوگا اور اس کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مولانا نے تجویز پیش کی کہ اخراجات کم کرنے کے لئے ایسے اقدامات کرنے چاہیں کہ اس کے اثرات نظر آئیں۔ پرتعیش گاڑیوں کو ممنوع قرار دے دیا جائے اور سامان تعیش کی دیگر اشیاء پر پابندی لگادی جائے۔ نیز ملکی وسائل پر زیادہ انحصار کیا جائے۔ انہوں نے معیشت کے مسائل کے حل کے لئے اپنی تجاویز کے آخر میں کہا: ''پرتعیش زندگی کو ختم کرنا پڑے گا۔ سادہ زندگی کی عادت ڈالنا ہوگی اور قوم کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانا ہوگا''۔

اقتصادیات ایک پیچیدہ مضمون ہے۔ اور اس پر تفصیلی گفتگو اس کتاب میں ممکن نہیں کہ ہماری اقتصادی پالیسی کو کس ڈھانچے میں ڈھالا جائے۔ اسٹیٹ کنٹرول ہو یا مارکیٹ اکانومی کے اصولوں کو اپنایا جائے۔ لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے جن خدشات کی نشاندہی ضیاء الحق کے دور میں کی تھی جس راستے کو اپنانے کا ذکر کیا تھا۔ آج کا پاکستان اسی راستے پر چل کر اپنے اقتصادی بحران کا حل ڈھونڈ سکتا ہے۔ ٹیکس وصول کرنے کا مقصد حکمرانوں کی عیاشی کا سامان پیدا کرنا نہیں بلکہ ٹیکس امیروں سے اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ غریبوں پر بامعنی طریقے پر خرچ کیا جاسکے۔ اسلام میں دولت کے ارتکاز کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہاں سیٹھ عثمان کی بجائے، عثمان غنی دکھائی دیتے ہیں، یہ ایک انقلابی سوچ ہے

Marfat.com

جس کا اظہار صرف عمل کے ذریعے ممکن ہے کہ اس کے اندر کتنی قوت ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی اس کی ایک واضح مثال ہیں۔ صدر کے چھوٹے سے فلیٹ میں رہنے والا یہ مسلمان جنہیں نہ صرف پاکستانی بلکہ بیرونی دنیا کے مسلمان بھی عقیدت و محبت سے دیکھتے ہیں۔ وہ شاید دولت مند مولانا شاہ احمد نورانی کو اس طرح نہ دیکھتے۔ کیونکہ دولت سے محبت ایک مسلمان لیڈر نہیں کرسکتا۔ لیکن بدقسمتی سے آج پاکستان میں ہمارے لیڈروں پر نت نئے الزامات لگ رہے ہیں۔ یہ زیادتی نہیں کہ ہم جمہوریت کے نام پر الیکشن کے دوران کروڑوں روپے ضائع کردیتے ہیں اور اس کا حساب کتاب لینے والا کوئی نہیں۔ برطانیہ جیسے جمہوری روایات کے حامل ملک میں بھی الیکشن میں پیسہ خرچ کرنے کی ایک حد مقرر ہے جس سے زیادہ خرچ کرنے والا رکنیت سے محروم ہوجاتا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نہ جمہوریت کو سمجھ سکے اور نہ اسلام کو!

جب مولانا نورانی سے صوبائی حکومتوں میں سول کابینہ کی تجویز کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ بعض لوگوں کو نامزدگی کا چسکا پڑ گیا ہے۔ اس لئے سینیٹ سے لے کر میونسپلٹیز تک نامزدگی کی بنیاد پر کام چلانا چاہتے ہیں مگر یہ ناکام ہوں گے۔ اور اپنی بات منوا نہ سکیں گے۔

انہی دنوں سیاسی حلقوں میں متناسب نمائندگی پر بحث ہورہی تھی تو مولانا سے بھی سوال کیا گیا کہ کیا اس طرح مثبت نتائج نکلیں گے؟ اس کے متعلق مولانا نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''مثبت نتائج کی توقع آجکل بہت کی جارہی ہے۔ لیکن اس کی تشریح آج تک نہیں کی گئی کہ مثبت سے مطلب کیا ہے۔ حالانکہ الیکشن سے پہلے مثبت نتائج کی توقع رکھنا عبث ہے۔ مثبت نتائج تو الیکشن کے بعد ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ کہ مثبت نتائج کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ ٹوتھرڈ کی میجارٹی کسی کو مل جائے۔ تو ظاہر ہے دنیا کے کسی ملک میں بھی یہ گارنٹی الیکشن سے پہلے تو دی نہیں جاسکتی۔ متناسب نمائندگی یقیناً ایک بہترین حل ہے۔ لیکن اب اس کے اختیار کرنے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر الیکشن میں تاخیر ہو جائے اور ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اب انتخابات میں کافی تاخیر ہوچکی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تاخیر قوم کے لئے ناقابل برداشت بنتی جارہی ہے گو کہ اس سلسلے میں حکومت بھی کچھ ذمے دار ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ہمارے بعض سیاست دان ذمے دار ہیں۔ میرے نزدیک انتخابات کے التواء کی ذمے داری ان نام نہاد سیاستدانوں پر بھی ہے۔ جو باہر آکر تو جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور

شکست کے خوف سے اندر جا کر کہتے ہیں کہ انتخابات ملتوی کئے جائیں۔ ایک اہم سوال جو مولانا نورانی سے کیا گیا۔ وہ صوبائی خودمختاری کے متعلق تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ صوبائی خودمختاری کا مسئلہ 1973ء کے آئین میں بہتر طریقے سے حل کیا گیا ہے اور میں نے اس پر بغیر کسی مبالغے کے بارہا لوگوں کو چیلنج کیا ہے کہ دنیا بھر کے کانسٹی ٹیوشن لے آیئے۔ ان سب کے مقابلے میں پاکستان کے کانسٹی ٹیوشن میں جتنی صوبائی خودمختاری دی گئی ہے کہیں اور نہیں۔ پڑوسی ملک (بھارت) ہی کو لے لیجئے۔ ہمارے ساتھ آزاد ہوا۔ اس سے بہتر ہمارا کانسٹی ٹیوشن ہے۔ اور بھارت سے زیادہ ہم نے صوبوں کو خودمختاری دی ہے۔ لیکن بات صرف اتنی سی ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوا۔ انتظامی اقدامات جو ہونے چاہئے تھے وہ نہیں کئے گئے۔ اس لئے دستور میں کوئی خامی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صوبائی خودمختاری کا مسئلہ الگ ہے۔ بعض لوگ اس ضمن میں مرکز کے اختیارات کی بھی بات کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ دونوں چیزیں الگ ہیں۔ آپ صوبائی خودمختاری کی بات کرتے ہیں تو آپ یہ کہیں کہ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن مرکز کو صرف دفاع، مواصلات، امور خارجہ اور کرنسی دے دی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مرکز یتیم خانہ بن جائے۔ دفاع کے سلسلے میں بھی وہ صوبوں کا محتاج ہو۔ چندہ مانگتا پھرے اور کیمونی کیشن (مواصلات) کے سلسلے میں بھی چندہ مانگتا پھرے جائے گا۔ اس کو ٹیکس لگانے کا جب اختیار نہیں ہوگا۔ تو مرکز یتیم خانہ ہی رہ جائیگا۔ ایسے لوگ مرکز پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے پاکستان کا قیام صوبوں کا مرہون منت ہے۔ بلکہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں قائداعظمؒ کی قابل فخر قیادت میں حاصل کیا گیا ہے۔ یہ برصغیر کے مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد تھی صوبے اس کو وجود میں نہیں لائے۔ جیسے دنیا کی بہت سے فیڈریشنز ہیں یا ...... یونائیٹڈ اسٹیٹس کی فیڈریشن ہے۔ جہاں ریاستیں جارج واشنگٹن کے زمانے میں اس کو وجود میں لائیں۔ پاکستان میں فیڈریشن بااختیار ہونی چاہئے تاکہ صوبوں کی مدد بھی کرسکے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ باپ جتنا خوشحال ہوگا اتنا ہی اپنے کنبے کی صحیح طریقے سے پرورش کرسکے گا''۔ اس ٹی وی انٹرویو میں مولانا نورانی سے آخری سوال ''قومی اتحاد'' میں واپسی کے امکان کے بارے میں پوچھا گیا۔ مولانا نے اپنے جواب میں یاد دلایا کہ جب ہم قومی اتحاد کو چھوڑ کر الگ ہوئے تو قومی اتحاد کے اس وقت کے صدر نے کہا کہ قومی اتحاد اور مضبوط ہوگیا۔ جمعیت علماء پاکستان کے جانے سے

Marfat.com

تو وہ بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔ دوبارہ شامل کرنے کی بات تو یوں ہے کہ!

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے انٹرویو میں جس طرح کھل کر سوالات کے جوابات دیئے اس سے یہ بات ہر شخص پر واضح ہو گئی کہ مولانا نورانی اور ان کی جماعت مخالفت برائے مخالفت کی قائل نہیں۔ وہ اصولوں کی بنیاد پر جمہوری انداز میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اختلافات کو اس مقام تک نہیں لے جاتے جہاں پہنچ کی ملکی مفادات کو نقصان پہنچے۔ وہ حالات کی درستگی کے لئے مسلسل جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں اور مخالف کی درست بات کی تعریف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ پاکستانی ٹیلی ویژن نے جتنے راہنماؤں کے انٹرویوز کئے مولانا نورانی کا انٹرویو ان سب سے منفرد تھا۔ کیونکہ یہ اپنے اندر مقصدیت لئے ہوئے تھا۔

سنی کانفرنس کے بعد عوام اہل سنت نظریے کی بنیاد پر تیزی سے منظم ہو رہے تھے۔ بیداری کی اس لہر کو مزید تیز اور منظم کرنے کے لئے جمعیت علماء پاکستان نے چند ماہ بعد ہی 26/25 مارچ 1979ء کو مصطفےٰ آباد (راولپنڈی) میں میلاد مصطفےٰ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ واحد جماعت تھی جو ضیاء کی سازشوں کو بے نقاب کر رہی تھی۔ کیونکہ ہر قدم پر ان کا نفاذ اسلام کا مطالبہ اور جنرل ضیاء کی پسپائی جھوٹ اور سچ کے فرق کو ظاہر کرتا تھا۔ میلاد مصطفےٰ کانفرنس کا جوش و جذبہ دیکھتے ہوئے عالمی نشریاتی اداروں کے نمائندگان اور سینئر صحافی راولپنڈی پہنچ گئے تاکہ اپنی آنکھوں سے نفاذ اسلام کی تحریک کو دیکھ سکیں۔ یہ کانفرنس بھی حکمرانوں کے لئے پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔ کیونکہ اس کانفرنس کی وجہ سے حکمرانوں پر نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا مطالبہ مزید بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف عوام انتخابات کے لئے بے قرار ہو رہے تھے۔ اس موقع پر لاکھوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ حضور ﷺ کی قیادت میں نظام مصطفےٰ کا یہ قافلہ چل رہا ہے۔ لوگ سوچ رہے ہیں کہ یہ پہلے مقام مصطفےٰ کی بات کرتے تھے۔ اب انہوں نے میلاد مصطفےٰ کی بات شروع کر دی ہے مقام مصطفےٰ سے چلتے چلتے نظام مصطفےٰ تک پہنچے، میلاد مصطفےٰ اگر ہے تو نظام مصطفےٰ بھی ہے، اور مقام مصطفےٰ بھی۔ اپنی تقریر کے آخر میں مولانا نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کی پالیسی کی وضاحت کی اور کارکنان کو اتحاد اور جہد مسلسل کی تلقین کرتے ہوئے کہا: ''آپ نے جس اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہم اس پر پورے اتریں گے اگر آپ سے کوئی یہ کہتا ہے کہ جمعیت علماء پاکستان بک گئی

Marfat.com

ہے یا بک جائے گی۔ تو آپ یہ سن لیں کہ ہمیں اب بکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا سودا بار بار نہیں ہوتا ہم بارگاہ مصطفٰے میں بک چکے ہیں۔ ہمارا خریدار کوئی نہیں رہا۔ بارگارہ مصطفٰے میں جو ایک بار بک چکا اس کی کوئی بولی نہیں لگا سکتا۔ قائدین اہل سنت نظام مصطفٰے کے گدا ہیں۔ انہیں کسی اور جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ آپ کی فتح و نصرت کے شادیانے بجیں گے۔ وقت آرہا ہے کہ نظام مصطفٰے کی جو منزل آپ نے متعین کی ہے۔ وہ منزل آپ کو مل کر رہے گی۔ اس سرزمین پر کالی کملی والے کا نظام نافذ ہو کر رہے گا''۔

ان کانفرنسوں نے عوام میں نظام کی تبدیلی کی خواہش کو اور بڑھادیا۔ عوام کی اکثریت یہ چاہتی تھی کہ جلد اسلام کا فلاحی نظام نافذ ہوجائے، جمعیت علماء پاکستان کی جدوجہد اور نظام مصطفٰے کے نفاذ کا مطالبہ حکمرانوں کے اندر کی کھوٹ کو آشکار کر رہا تھا۔ جو محض اسلام کا نام استعمال کرکے اپنے اقتدار کو طول دے رہے تھے۔ نظام مصطفٰے کے مطالبہ کو مزید قوت دینے اور اسلامی عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے ورلڈ اسلامک مشن بھی میدان میں آ گئی۔ مشن نے برطانیہ میں نظام مصطفٰے کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ 15 جولائی کو برطانیہ کے شہر برمنگھم میں ہونیوالی کانفرنس بھی اپنی مثال آپ تھی جس میں یورپ بھر سے مسلمان شریک ہوئے۔ کانفرنس کے دو سیشن ہوئے پہلے سیشن کی صدارت مفتی اعظم قبرص ڈاکٹر رفعت مصطفے نے کی جبکہ لنکا یونیورسٹی کے پروفیسر اور ممتاز انگریز نو مسلم ڈاکٹر یعقوب ذکی مہمان خصوصی تھے۔ اس طرح دوسرے سیشن کی صدارت مولانا شاہ احمد نورانی نے کی۔ ان کے ہمراہ مہمانان خصوصی ترکی کے ممتاز اسکالر محمد یوجل اور ترک پارلیمنٹ کے رکن صالح روجان تھے۔ جمعیت علماء پاکستان اور سینر کے چیف آرگنائزر شاہ محمد جیلانی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اور جمعیت علماء پاکستان خواتین کی سربراہ ڈاکٹر فریدہ احمد نے نظام مصطفٰے میں خواتین کے کردار پر روشنی ڈالی۔ جمعیت یو کے کے سرپرست غلام السیدین نے کانفرنس کا اعلامیہ پیش کرتے ہوئے میلاد مصطفٰے کانفرنس کے فیصلوں کی توثیق کی مولانا شاہ احمد نورانی نے کانفرنس کا مقصد واضح کرتے ہوئے بتایا کہ جس پیغام کے لئے ہم پاکستان میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ اسے ہم عالم اسلام میں روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ اس لئے یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کو نظام مصطفٰے کی برکات اور اس کے معاشرتی، سیاسی، سماجی اور معاشی پہلوؤں سے آگاہ کرنے کے لئے نظام مصطفٰے کانفرنس منعقد کی گئی ہے جمعیت علماء پاکستان نظام مصطفٰے کے نفاذ تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گی اور نظام

مصطفیٰ کے پیغام کو عام کرنے کے لئے مزید کانفرنسز اور اجتماعات بھی منعقد کیے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حقیقت بڑی خوش آئند ہے کہ پاکستان کے عوام میں نظام مصطفیٰ کے ساتھ والہانہ وابستگی پائی جاتی ہے اور اگر پاکستان میں نظام مصطفیٰ نافذ ہوگیا تو عالم اسلام پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ مسلم دنیا کو پاکستان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اور ان کی نظریں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے پاکستان پر لگی ہوئی ہیں۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک کو ہم کامیابی سے ہمکنار کر کے دم لیں گے۔ مولانا نورانی نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ اگرچہ کمیونزم اور دیگر لادینی افکار ہمارے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ لیکن پاکستان کے سات کروڑ عوام عشق مصطفیٰ سے سرشار ہو کر دشمنوں کی ان سازشوں کو ہمیشہ کے لئے ناکام بنا دیں گے اور پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے بعد تمام غیر اسلامی نظریات کا قلع قمع ہوجائیگا۔ اور نظام مصطفیٰ سے ہی قوم خوشحال اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔ اپنے خطاب میں مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کے سیاسی حالات پر بھی روشنی ڈالی اور انتخابات کو نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے اہم قرار دیا مولانا نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ہم جمہوری طریقے سے اس نظام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہمارا بھرپور مطالبہ ہے کہ ملک کو جمہوریت کی راہ پر گامزن کیا جائے۔ جو لوگ عام انتخابات کے التواء کے لئے سازشیں کر رہے ہیں انہیں بے نقاب کیا جائے اور 17 نومبر کے انتخابات کسی صورت میں ملتوی نہیں کرنے چاہئیں۔

ان سرگرمیوں میں ایک طرف تو مولانا نورانی مارشل لاء حکمرانوں کو انتخابات کرانے پر اندرون و بیرون ملک مجبور کر رہے تھے۔ دوسرے جنرل ضیاء کے نفاذ اسلام کے نعرے کی حقیقت سے پردہ اٹھا رہے تھے۔ مولانا نے نظام مصطفیٰ کی نفاذ کی جس تحریک کا آغاز 1970ء کے الیکشن سے قبل کیا تھا وہ اب انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ عوام اہل سنت کا خاموش سمندر بحر تلاطم کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ جس کی طاقتور لہریں فوجی حکمرانوں کے اقتدار کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جاسکتی تھیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی یہی بات اقتدار پرستوں کو ناگوار گزرتی تھی اس لئے وہ اس تحریک سے چھٹکارا پانے کے لئے مستقل منصوبے بناتے رہتے تھے۔

Marfat.com

باب 12.

فوجی آمریت کا استحکام اور عوامی سیاست کا قتل

بھٹو حکومت کے خاتمہ کے بعد پاکستان کی سیاست دوبارہ ایک ملٹری ڈکٹیٹر کے ہاتھ میں منتقل ہو جاتی ہے اور پھر سیاسی سکوت طاری رہتا ہے۔ اس سکوت کو توڑنے کا سلسلہ دوبارہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب بھٹو کو پھانسی دیدی جاتی ہے۔ جمہوری ذہن رکھنے والے سیاست دان بھٹو کی پھانسی کے واقعہ کے بعد سکتہ سے گزرتے ہیں اور پھر نئی سیاسی صف بندی کا آغاز اس یقین کے ساتھ ہوتا ہے کہ ضیاء الحق ایک ڈکٹیٹر ہے اور وہ الیکشن کے نام پر اپنے اقتدار کو طول دینے کے چکر میں ہے۔ ضیاء الحق کے خلاف پہلی مختلف جماعتوں کی اپوزیشن ایم۔ آر۔ ڈی (MRD) کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ ایم آر ڈی کی تشکیل سے قبل اور بعد میں ایم آر ڈی سے باہر جن لوگوں نے ضیاء الحق کی مخالفت کا سلسلہ جاری رکھا ان میں مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت بڑی واضح نظر آتی ہے۔ وہ ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز ابتداء ہی سے ایک خاص انداز سے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضیاء الحق نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے اسلام کا نام استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام تو 73ء کے آئین میں تسلیم کر لیا گیا ہے اور مولانا شاہ احمد نورانی نے 77ء میں نظام مصطفیٰ کے نام پر پوری قوم کو متحد کر دیا تھا۔ اب اس کے نفاذ کا وقت ہے۔ اس لئے ضیاء الحق نے اسلام کی رٹ لگا کر پاکستان کے بیدار مسلمانوں کو تھپک تھپک کر سلانا شروع کر دیا۔ ڈکٹیٹر شپ کے خلاف طویل سیاسی جدوجہد کی کہانی کو یہاں مختصر انداز میں قلم بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان رکاوٹوں کا بھی تفصیلی جائزہ لیا جائے گا جو حکومت کی جانب سے کھڑی کی گئیں۔ جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور جنرل ضیاء الحق کا دور اس ضد کی انتہا ہے۔ جو پاکستان کے سیاسی کلچر کو مکمل طور پر توڑ پھوڑ کا شکار کر دیتی

Marfat.com

ہے۔ لیکن سیاست کے میدان میں مولانا شاہ احمد نورانی کی شکل میں ایسے لوگ موجود ہیں جو امید کی کرن جلائے رکھتے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی ملک کے اندر مختلف علاقوں کا دورہ جاری رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ انہیں بے شمار رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

23 مارچ کے اپنے اعلان کے مطابق جنرل ضیاء الحق یوں تو بار بار 17 نومبر کے انتخابات کے بارے میں یقین دہانیاں کراتے رہے اور انہوں نے اپنی سول کابینہ سے بھی کہہ دیا کہ وہ اگر انتخابات میں حصہ لینا چاہتے ہیں تو مستعفی ہو جائیں۔ قبل ازیں جنرل ضیاء الحق نے کمال ہوشیاری سے قومی اتحاد کے سیاست دانوں پر مشتمل سول کابینہ سے ایک سیاست دان ذوالفقار علی بھٹو کی موت کی توثیق کروا لی اور پھر الیکشن کے نام پر نہایت فنکاری سے انہیں فارغ کر دیا۔ لیکن ضیاء الحق کے عزائم کچھ اور تھے۔ جنرل ضیاء الحق نے کچھ عرصہ بعد عام انتخابات سے زیادہ بلدیاتی انتخابات کے انعقاد میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ ملک کے باشعور سیاسی حلقے اور ممتاز سیاسی لیڈروں نے بلدیاتی انتخابات کو بے وقت اور عام انتخابات کے التواء کی سازش قرار دیا۔ لیکن جنرل ضیاء الحق کے نزدیک یہ وسوسے اور اندیشے تھے۔ انہوں نے بار بار یقین دلایا کہ عام انتخابات اپنے پروگرام کے مطابق ضرور منعقد ہوں گے۔ لیکن وہ بلدیاتی انتخابات کے پروگرام کو کسی طرح بھی ملتوی کرنے پر تیار نہ تھے اور ستمبر کے آخر میں یہ انتخابات کرا دیے گئے۔ بلدیاتی نظام کی اس بحالی کو جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے اہم کارنامے کے طور پر پیش کیا گیا جمعیت علماء پاکستان نے ان انتخابات میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ مولانا نورانی نے اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عام انتخابات کا انعقاد اولین حیثیت رکھتا ہے۔ بلدیاتی انتخابات کو ملتوی کیا جا سکتا تھا۔ منتخب حکومت کی نگرانی میں یہ انتخابات ہو سکتے تھے لیکن جنرل ضیاء طویل المیعاد منصوبہ بندی کا آغاز کر چکے تھے وہ ہر شہر اور ہر گاؤں میں نچلی سطح کی قیادت کا ایک گروہ پیدا کرنا چاہتے تھے جو مارشل لاء کی طوالت میں ان کا ممد و معاون ثابت ہو سکے۔ عام انتخابات کی تیاریوں کی وجہ سے سیاسی جماعتوں نے بلدیاتی انتخابات کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ اور نہ ہی سیاسی فعال کارکنوں نے ان انتخابات میں حصہ لیا۔ اس لئے بلدیاتی انتخابات کے نتیجہ میں جنرل ضیاء کو ایسے افراد میسر آ گئے جو مارشل لاء کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتے تھے اور اس طرح بالواسطہ طور پر وہ مارشل لاء کے حامی بن گئے۔ یہیں سے عوامی سیاست کے خاتمے کا منظم آغاز ہو گیا۔ جنرل ضیاء نے کئی مواقعوں پر بلدیاتی نمائندوں کو اپنی سیاسی پارٹی کہا اور حقیقت بھی یہی

Marfat.com

ہے کہ جنرل کے دوروں کے موقع پر بلدیاتی اداروں کے سربراہ اور نمائندے ہی پیش پیش ہوتے تھے اور محدود عوامی اجتماعات میں ان ہی کو اولیت دی جاتی تھی اور ان کی حمایت کو عوامی حمایت کے مترادف قرار دیا جاتا تھا۔ اب جنرل ضیاء الحق کو ہر جگہ استقبال کرنے والی ٹیم مل گئی تھی۔ اس لئے وہ عام انتخابات سے فرار کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ مختلف تجاویز پیش کر کے سیاستدانوں کو ان میں الجھانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ انہیں دنوں انہوں نے متناسب نمائندگی کے اصول کی بہت زیادہ وکالت شروع کر دی اور اسے بہت مفید کہا۔ جمعیت علماء پاکستان اگرچہ متناسب طرز انتخابات کی حامی ہے لیکن وہ عام انتخابات کے التواء کی قیمت پر یہ تجویز قبول کرنے پر تیار نہ تھی۔ کیونکہ انتخابات کی مجوزہ تاریخ قریب تھی ۔ اور اس مرحلہ میں متناسب نمائندگی کے بارے میں سیاسی جماعتوں سے رائے لینا انتخابات کے التواء کا ایک اور بہانہ تلاش کرنا تھا۔ لہذا جب جمعیت علماء پاکستان سے حکومت نے با ضابطہ رائے مانگی تو مولانا شاہ احمد نورانی نے اعلیٰ سطحی مشاورت کے بعد اپنے مکتوب میں جنرل ضیاء الحق پر واضح کر دیا کہ موجودہ صورت حال میں یہ تجویز ناقابل قبول ہے اور یوں بھی جنرل ضیاء الحق کی متناسب طرز انتخابات کی تجویز مبہم تھی۔ یہ دنیا کے مروجہ طریقہ متناسب نمائندگی کے مطابق نہیں تھی اور عام انتخابات کے شیڈول کے اعلان کی بجائے ایک نئی تجویز کو پیش کرنے سے الیکشن کے التواء کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے خط میں جنرل ضیاء الحق سے عام انتخابات کے متعلق بے یقینی اور شکوک وشبہات کی فضا کے خاتمہ کیلئے نظام انتخابات میں تبدیلی کی بجائے الیکشن شیڈول کا مطالبہ کیا اور دو ٹوک لفظوں میں کہا کہ اس مرحلہ پر نئی تجویز سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ انتخابات کو ملتوی کرنے کا بہانہ تلاش کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ پارٹی فہرست سسٹم کے مقابلے میں متناسب طرز نمائندگی کا نظام بہتر ہے۔ لیکن اس کیلئے انتخابات کے التواء کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح مولانا شاہ احمد نورانی کھل کر فوجی ڈکٹیٹر کے سامنے آ گئے تھے۔

جنرل ضیاء الحق نے 79ء کے انتخابات میں سیاسی جماعتوں کیلئے رجسٹریشن کی شرط عائد کر دی تھی اور ان سے حسابات یعنی آمدنی وخرچ کے گوشوارے بھی طلب کئے گئے تھے۔ جمعیت علماء پاکستان نے جنرل کونسل کے فیصلے کے مطابق رجسٹریشن کرا لی تھی اور اپنے گوشوارے بھی پیش کر دیے تھے۔ اس طرح پیپلز پارٹی کے علاوہ ملک کی تمام قابل ذکر سیاسی پارٹیاں

رجسٹریشن پر آمادہ ہوگئی تھیں اور آمد و خرچ کے گوشوارے بھی پیش کر رہی تھیں۔ مارشل لاء کے ان اقدامات سے سیاسی عمل کی بحالی کی توقع کی جا رہی تھی۔ اس لئے سیاسی جماعتیں اپنے امیدواروں کے حق میں مہم چلانے کیلئے منصوبہ بندی کر رہی تھیں کہ اکتوبر کے وسط میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے غیر معینہ مدت کیلئے عام انتخابات کے التواء کا اعلان کرتے ہوئے تمام سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دیدیا۔ ان کے دفاتر کو سربمہر کر کے ریکارڈ کو قبضہ میں لے لیا گیا۔ ان کے اکاؤنٹس منجمد کر دیے گئے اور سیاسی سرگرمیاں نہ صرف غیر قانونی بنا دی گئیں بلکہ اس کی خلاف ورزی پر سخت تادیبی کارروائیوں کے متعلق نئے ضابطوں اور قوانین کا اعلان کر دیا گیا۔ اخبارات پر کڑی سنسر شپ عائد کر دی گئی اور سیاست دانوں کے بیانات شائع کرنے سے مکمل طور پر منع کر دیا گیا۔ اظہار خیال کے ہر ذریعے پر پابندی لگا دی گئی اس وجہ سے سیاسی محاذ پر خاموشی چھا گئی۔ سیاست دانوں کا عوام سے رابطہ کالے قوانین کی طاقت سے منقطع کر دیا گیا۔ نظر بندیوں اور جبری صوبہ بدریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ملک کی خفیہ ایجنسیاں سیاست دانوں کے تعاقب میں سرگرم عمل ہوگئیں۔ ملک میں جب فکری حبس کا دور شروع ہوا تو مولانا نورانی نے تبلیغی مشن کا سلسلہ وہیں سے شروع کر دیا جہاں سے سیاسی مصروفیات کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا۔ انہوں نے غیر ملکی تبلیغی دورے شروع کر دیئے نئے ضابطوں کے اجراء کے بعد ایک سال تک تو سیاسی محاذ پر سکوت طاری رہا۔ مارشل لاء نے سیاسی جماعتوں اور عوام کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی لیکن قائدین اور سیاسی کارکنان کے حوصلے بلند رہے۔ کارکنان نے اس دوران جس طرح اذیتیں برداشت کیں وہ پاکستان میں جمہوری عمل کی بحالی کی جدوجہد کا ایک روشن باب ہے۔

1981ء کی ابتداء میں حکومت کے خلاف عوامی ردعمل روز بہ روز تقویت پا رہا تھا۔ ملک کی بعض چھوٹی اور بڑی جماعتوں نے ایک متفقہ لائحہ عمل کا اعلان کر دیا۔ اور اسے تحریک بحالی جمہوریت (Movement for Restoration of Democracy) ایم آر ڈی (MRD) کا نام دیا گیا۔ اس میں پی پی پی، تحریک استقلال، پی ڈی پی، این ڈی پی، جے یو آئی، مسلم لیگ خیر الدین گروپ اور مسلم کانفرنس نمایاں تھیں۔ جمعیت علماء پاکستان پر ایک عرصہ سے مختلف حلقوں کی جانب سے اس تحریک میں کردار ادا کرنے کیلئے دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ ان کوششوں میں نوابزادہ نصر اللہ خان پیش پیش تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران

Marfat.com

انہوں نے مولانا عبدالستار خان نیازی کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا اور اپنے طور پر انہیں نئے مجوزہ اتحاد میں شمولیت پر آمادہ کرتے رہے۔ کراچی میں مولانا نورانی سے بھی رابطہ قائم کیا گیا۔ مولانا نورانی کے ساتھ رابطہ کرنے میں پیپلز پارٹی سرفہرست تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جہاں تک ملک میں بحالی جمہوریت کا تعلق ہے۔ جمعیت کی پالیسی واضح اور غیر مبہم ہے کہ ملک میں جمہوریت کی حکمرانی ہو۔ لیکن کسی ایسے اتحاد میں شرکت نہیں کی جاسکتی جس میں بائیں بازو کی انتہا پسند جماعتیں ہوں۔ اور ان کا منبع پیپلز پارٹی ہو۔ مولانا نورانی زیرک سیاستدان۔ ہیں وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ MRD کے ذریعے جمہوریت کی بحالی کا سلسلہ تو تیز ہو جائے گا لیکن اس کا فائدہ پیپلز پارٹی کو ہوگا۔ اور ان پارٹیوں کو آگے لانا ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ مولانا نورانی اتحاد اور متفقہ لائحہ عمل کے حامی تو تھے لیکن ان کے نزدیک محبّ وطن عناصر کا اتحاد ہی وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اور پر امن سیاسی جدوجہد حالات کا تقاضا تھی۔ لیکن ملک میں ایسے گروہ موجود تھے جو تشدد اور لاقانونیت کے راستہ پر چلنے کے خواہاں تھے۔ کچھ جماعتوں نے طلبہ کے اندر تحریک پیدا کی جس کے نتیجہ میں صوبہ سرحد کے تعلیمی اداروں میں گڑ بڑ رہی اور جس کی وجہ سے حکومت کو پشاور، مردان، چارسدہ، نوشہرہ کے تمام تعلیمی ادارے بند کرنا پڑے۔ بعض عناصر کی طرف سے فوج کے اندر گروپ بندی کی کوشش کی گئی اس سے پہلے کہ یہ کوشش کامیاب ہوتی راز افشاں ہو گئے اور میجر جنرل (ر) تجمل حسین کو 14 سال قید با مشقت کی سزا دے دی گئی۔ میجر ریاض اور لیفٹیننٹ نوید تجمل کو دس دس سال قید سخت کی سزا سنائی گئی۔ غرض ایسے حالات نمودار ہو چکے تھے کہ حکومت کو احساس ہو چکا تھا کہ اب کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے ورنہ اس سے پہلے کے حالات سے یوں لگتا تھا کہ اسلام آباد میں حکمران لمبی تان کر سو رہے ہیں۔ 1981ء میں حکومت اس امر سے آگاہ ہو چکی تھی کہ وہ روز بہ روز غیر مقبول ہوتی جا رہی ہے اور درون خانہ کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ اس لئے حکومت نے زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنے کیلئے ایک نامزد مشاورتی ادارہ کے اپنے سابقہ خیال پر غور کرنا شروع کر دیا۔ جنرل ضیاء مسلسل بیان دینے لگے کہ وہ جلد ہی اپنی مشاورتی کونسل بنانے والے ہیں۔ 15 فروری کو ملتان میں اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق نے بہت جلد وفاقی کابینہ میں ردوبدل اور وفاقی کونسل کی تشکیل کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔ 25 فروری کو لاہور میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ مارچ میں وفاقی کونسل قائم ہو جائے گی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا

Marfat.com

کہ حکومت اپنے ہم نواؤں کو اکٹھا کرنے میں بہت جلدی میں تھی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا کیونکہ تمام قابل ذکر سیاسی رہنماؤں نے اس میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ مگر شرمندگی سے بچنے کیلئے یہ ڈھونگ رچایا گیا کہ مجوزہ وفاقی کونسل کے ارکان کی نامزدگی کیلئے ان کا حسب ونسب اور خاندانی شرافت کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ یہ کام مقامی پولیس حکام کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ حکومت کی خفیہ ایجنسی اور انتظامیہ کے اہلکار اقتدار پرست لوگوں کے حسب ونسب کے جائزہ میں لگ گئے۔

ابھی صدر ضیاء وفاقی کونسل کیلئے انتظامیہ کے نامزد کردہ افراد یا دوسرے لفظوں میں خوشامدی ٹولہ کی فہرستوں کے جائزہ میں مصروف تھے کہ مارچ کی ابتداء میں ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا کہ جس نے حالات کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا۔ رائے عامہ طلسماتی طور پر حکومت کے حق میں ہو گئی۔ یہ واقعہ پی آئی اے کے ایک بوئنگ طیارہ کا اغواء تھا جسے 2 مارچ کو کراچی سے پشاور پرواز کے دوران اغواء کر لیا گیا۔ طیارہ کے اس اغواء نے قدرتی طور پر فضا MRD کے خلاف ہموار کر دی۔ کیونکہ حکومت کے کنٹرول میں الیکٹرونک میڈیا مسلسل یہ پروپیگنڈہ کر رہا تھا کہ طیارہ اغواء کرنے والے پیپلز پارٹی کی ایک ذیلی تنظیم الذوالفقار کے کارکن ہیں۔ جبکہ اندرون ملک بیگم نصرت بھٹو کہہ رہی تھیں کہ طیارہ اغواء کرنے والوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہی پیپلز پارٹی کا ''الذوالفقار'' سے کوئی تعلق ہے۔ لیکن طیارہ اغواء کرنے والوں نے دمشق پہنچ کر پیپلز پارٹی کے گرفتار شدہ رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ اور ایک فہرست بھی پیش کر دی اس صورت حال کے پیش نظر حکومت عوام کے اندر کسی حد تک یہ یقین پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ طیارہ کے اغواء میں پیپلز پارٹی کا ہاتھ ضرور ہے۔ عوام کی اکثریت نے اس واقعہ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور تمام قومی رہنماؤں حتیٰ کہ MRD کے بعض رہنماؤں نے بھی اس بات کو ناپسند کیا۔ پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے 55 نظر بندوں کو رہا کر کے PIA کی خصوصی پرواز کے ذریعے دمشق روانہ کر دیا گیا۔ جبکہ اخباری اطلاعات کے مطابق ان میں سے بعض افراد نہ جانے پر مصر تھے۔

طیارہ کے اغواء کے بعد MRD پر جو اثرات مرتب ہوئے ان میں سرفہرست اس اتحاد سے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا اخراج تھا۔ مسلم کانفرنس کے سردار عبدالقیوم خان نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران اس اتحاد سے اس وجہ سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا کہ

Marfat.com

یہ ایک وطن دشمن اتحاد ہے۔ جس کے عزائم تخریب کارانہ ہیں۔ اور طیارے کے اغواء میں MRD ملوث ہے۔ سردار قیوم کی اس پریس کانفرنس کی ریڈیو، ٹی وی اور سرکاری اخبارات میں زبردست تشہیر کی گئی۔ MRD کو ناکام بنانے کیلئے حکومت کے پاس بہترین موقع ہاتھ آ گیا۔ اس طرح MRD اپنے قیام کے آغاز سے ہی زبردست بحران کا شکار ہوگئی اور غالباً یہ پاکستان کا واحد سیاسی اتحاد تھا جو اپنے آغاز پر ہی بے عملی کا شکار ہو گیا۔ یہ دھچکا اتنا شدید تھا کہ MRD ایک عرصہ تک سنبھل نہ سکی۔ یوں ایک طویل مدت تک وہ کاغذی بیانات کا سہارا لینے اور ڈرائنگ روم کی سیاست اپنانے پر مجبور ہو گئی۔ اس لئے دیگر جماعتوں کا اس سے اتحاد کا اعلان کرنا خود کو بے عمل بنانا تھا۔

جمعیت علماء پاکستان نے اپنی انفرادی حیثیت میں جمہوری عمل کی بحالی کیلئے اپنی مہم جاری رکھی اور اس سلسلہ میں MRD سے باہر کی جماعت مسلم لیگ (پگاڑا گروپ) نے بھی جمہوری دور کی بحالی کی خاطر جدوجہد میں جمعیت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

مارچ کے آخری ہفتہ میں جمعیت کی مرکزی عاملہ کا اجلاس ہوا اس اجلاس نے جو اہم فیصلے کئے وہ یہ تھے کہ نظریہ پاکستان کی حامی جماعتوں کو موجودہ صورت حال کا متحد ہو کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ پی پی پی اور بائیں بازو کے انتہا پسندوں کے پاس انتقام کے سوا کوئی مثبت پروگرام نہیں۔ حکومت نازک صورت حال کا احساس کرے اور ایسے انتظامات کرے کہ انتخابات کیلئے فضا ہموار ہو سکے اور ملک دشمن عناصر کے خلاف موثر اقدامات میں تاخیر نہ کی جائے۔ کیونکہ پاکستان دشمن طاقتیں پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ جمعیت کا یہ اجلاس مولانا نورانی کے بیرون ملک دورے کی وجہ سے نائب صدر پیر برکات احمد کی صدارت میں منعقد ہوا۔

مارشل لاء حکومت ہر صورت میں عوامی سیاست کو ختم کرنا چاہتی تھی اور اس سلسلہ میں مسلسل اقدامات کر رہی تھی لیکن جمعیت علماء پاکستان نے اپنے مخصوص انداز میں جمہوریت کی بحالی کیلئے جدوجہد کو جاری رکھا۔

جمعیت اور مسلم لیگ کے باہمی اتحاد کی اس پیش رفت کی خبر منظر عام پر آنے کے بعد جماعت اسلامی نے بھی اس متوقع اتحاد میں شمولیت کی کوشش شروع کر دی۔ چوہدری رحمت الٰہی، مولانا فتح محمد اور چوہدری محمود احمد نے پیر پگاڑا سے ملاقات کی جبکہ مولانا گلزار احمد مظاہری نے مولانا عبدالستار خان نیازی سے گفتگو کی اور اس اتحاد میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی۔ مگر

Marfat.com

جمعیت اس اتحاد کو شروع سے ہی وسیع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پی این اے کا حشر اور اس میں جماعت اسلامی کا کردار سامنے تھا۔ اس لئے محتاط رویہ اختیار کیا گیا اور صرف ہم خیال جماعتوں سے اتحاد کا اصول اپنایا گیا۔

طیارے کے اغواء کے واقعہ نے وقتی طور پر کھیل چونکہ حکومت کے حق میں کر دیا تھا اس لئے جنرل ضیاء نے موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور ملک کے اہم ترین ادارے عدلیہ کو پابند کر کے عبوری آئین پیش کر دیا اور تمام ججوں کو اس آئین کے تحت حلف اٹھانے پر مجبور کیا گیا جس جج نے فرد واحد کے تیار کردہ اس آمرانہ قانون کی سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے عدلیہ کے منصب جلیلہ سے فارغ کر دیا گیا۔ قابل صد تحسین ہیں وہ ججز جنہوں نے اسلامی روایات کی پاسداری کی، اپنا وقار برقرار رکھا اور پی سی او کو مسترد کر کے آمر مطلق کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ پاکستانی عدلیہ کی تاریخ میں ان زعمائے ملت کے اس عظیم کارنامہ کو فراموش نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ تعداد میں یہ کم تھے مگر عملی طور پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرانے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح یہ بھی باور کرا گئے کہ پاکستانی عدلیہ میں منصب جلیلہ پر فائز ہونے والے یہ حضرات آئین و دستور کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور مہذب دنیا کی مسلمہ جمہوری روایات کا فہم و ادراک بھی رکھتے ہیں۔

طیارے کے اغواء کے واقعہ سے جنرل ضیاء الحق کو عوامی سیاست اور عوام پسند سیاست دانوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ انہوں نے برطانوی صحافیوں کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اب مارشل لاء کو مارشل لاء کی طرح چلایا جائے گا۔ کیونکہ جمہوری خطوط پر کام کرنے سے طیارے کے اغواء جیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ دنیا بھر میں طیارے کے اغواء ہونے کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں مگر کبھی بھی ایسا کوئی واقعہ جمہوریت کا راستہ روکنے کا سبب نہیں بنا۔ چونکہ جنرل ضیاء کی نیت درست نہ تھی اس لئے انہوں نے ''امپیکٹ انٹرنیشنل'' کے نمائندہ کے بحالی جمہوریت سے متعلق سوال کے جواب میں کہا کہ سیاسی جماعتوں کی ضرورت نہیں۔ اور میں انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر کرانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ اس تجویز کو قوم کے سامنے رکھوں گا اور ریفرنڈم کراؤں گا اور یہی ضیاء کی نیت کا اظہار تھا جو گزشتہ کئی سالوں سے مختلف شکلوں میں سامنے آ رہا تھا۔ نوشہرہ میں کہا کہ مناسب وقت پر انتخابات کرائے جائیں گے تاہم ہر جگہ یہ یقین دہانی کراتے رہے کہ 1973ء کے آئین کو

منسوخ نہیں کیا گیا اور نہ ہی عدلیہ کے کام میں رکاوٹ پیدا کی گئی لیکن جنرل ضیاء کے اقدامات ان کے اس جھوٹ کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

جمعیت علماء پاکستان اور پاکستان مسلم لیگ پگاڑا گروپ کے باہمی اتحاد کے سلسلہ میں جو پیش رفت ایک عرصہ سے جاری تھی۔ 29 مارچ کے اعلامیہ سے بار آور ہوئی۔ یہ اتحاد چند بنیادی اصولوں پر مبنی تھا۔ یا اسے چند ملکی معاملات میں یکساں سوچ اور فکری ہم آہنگی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس اتحاد کو ''تحریک تحفظ پاکستان'' کا نام دیا گیا۔ اس کے مشترکہ اعلامیہ میں اس بات کا ذکر کیا گیا کہ پاکستان اس وقت تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ اسے اندرونی اور بیرونی خطرات کا سامنا ہے۔ تین صفحات پر مشتمل اس اعلان میں کہا گیا کہ ملک کے اندر پاکستان دشمن غیر ملکی طاقتوں کی پشت پناہی سے ایک منظم گروہ تشدد اور دہشت گردی پر عمل پیرا ہے اور ملک کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ وہ شروع سے ہی منفی سیاست پر یقین رکھتا ہے۔ اس گروہ نے ملک میں جلاؤ گھیراؤ کی سیاست کا آغاز کیا اور برسر اقتدار آ کر اس نے ملک میں تاریخ کی بدترین فسطائی حکومت قائم کی۔ انہوں نے تشدد اور خون خرابہ سے خانہ جنگی کی ایسی صورت حال پیدا کی کہ عوام اس پارٹی کی حکومت کے مظالم اور کارستانیوں کو ابھی تک فراموش نہیں کر سکے۔ اقتدار سے محرومی کے بعد یہ گروہ تشدد اور دہشت گردی کی پالیسی پر گامزن ہے۔ ایسے میں محبّ وطن طاقتوں کے اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔ جن بنیادوں پر یہ اتحاد عمل میں لایا گیا اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ ملک میں نظام مصطفیٰ کو اس کی صحیح روح کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ اور جمہوری عمل کو بحال کیا جائے تاکہ عوام میں اتحاد پیدا ہو اور اندرونی و بیرونی سازشوں کا سدباب کیا جاسکے۔ اور ملک کی سالمیت کا تحفظ ممکن ہو۔ جمعیت اور لیگ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ اس لئے جمعیت اور لیگ معاملات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے خدا کو شاہد اور گواہ بنا کر مشترکہ طور پر تحریک تحفظ پاکستان چلانے کا اعلان کرتی ہیں اور عہد کرتی ہیں کہ تحریک میں دونوں جماعتیں بھرپور یک جہتی کے ساتھ ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ملک کی سالمیت اور استحکام کے تحفظ کیلئے ہر ممکن قربانی دیں گے۔

30 مارچ کو باضابطہ طور پر اتحاد کے سمجھوتے پر دستخط کر دیے گئے۔ مولانا نیازی ملتان سے واپس آئے جبکہ پیر پگاڑا کراچی سے لاہور پہنچے۔ دستخط کرنے سے قبل تمام تفصیلات

Marfat.com

جمعیت کے نائب صدر پیر سید برکات احمد کی رہائش گاہ پر طے ہوئیں۔ جمعیت کی طرف سے مذاکرات میں پیر برکات احمد، مولانا عبدالستار خان نیازی، شاہ محمد جیلانی اور ملک اکبر ساقی شریک ہوئے۔ جبکہ لیگ کی طرف سے پیر پگاڑا کے ہمراہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، سردار عبدالقیوم، ایس ایم ظفر، سید احمد سعید کرمانی، چوہدری ظہور الٰہی، رانا خدا داد خان، سلیم حسین قادری، پیر محمد اشرف، چوہدری رحمت اللہ اور رانا محمد اشرف نے حصہ لیا۔ اس موقع پر پیر پگاڑا، ایس ایم ظفر، سید برکات احمد اور مولانا نیازی نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پانچ نکاتی پروگرام کے حصول کیلئے مشترکہ جدوجہد کا فیصلہ کیا۔ پانچ نکات یہ تھے۔

۱۔ سیاسی سرگرمیوں کی بحالی۔

۲۔ سنسرشپ کا خاتمہ۔

۳۔ تشدد، دہشت گردی اور لا دینی نظریات کے خلاف رائے عامہ کی بیداری۔

۴۔ جمہوریت کی بحالی اور ملک میں عام انتخابات کا انعقاد۔

۵۔ عوام کی خوشحالی اور معاشی ناہمواری کو ختم کرنے جرم و گناہ سے پاک معاشرہ کے قیام کیلئے اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کیلئے مشترکہ جدوجہد کرنا۔

جب تک مسلم لیگ ان اصولوں پر عمل پیرا رہی یہ فکری اتحاد قائم رہا۔ لیکن جونہی لیگ نے اقتدار پرستانہ پالیسی اختیار کی جمعیت نے کھلے لفظوں میں اس کے موقف کی مخالفت کی اور یوں یہ فکری ہم آہنگی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اور یہ اتحاد زیادہ فعال ثابت نہ ہو سکا کیونکہ جمعیت حکمرانوں سے راہ و رسم بڑھانے کی بجائے نظام مصطفیٰ کا نفاذ چاہتی تھی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے ان دنوں ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ یہ شوشہ اسلامی نظام حکومت کے ڈھانچہ کی تشکیل تھی۔ نعرہ یہ لگایا گیا کہ اسلامی نظام حکومت کا ڈھانچہ تشکیل دیا جا رہا ہے اور یہ کام وزارتی کمیٹی کرے گی۔ مجلس شوریٰ اس کی منظوری دے گی اور پھر اسے رائے عامہ کیلئے مشتہر کیا جائے گا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس نظام کی منظوری دینے والی مجلس شوریٰ کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس طرح اسلامی نظام کے نفاذ کا پروپیگنڈہ سالہا سال جاری رہا۔ جوں جوں شوریٰ کے قیام کی بات کی ویسے ویسے ہی خوشامدی حلقے اپنے آپ کو خدمت کیلئے پیش کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ لاہور کے بعض مذہبی رہنماؤں نے باقاعدہ اخبار میں بیان چھپوایا کہ انہیں شوریٰ میں شامل کیا جائے جس کے ''صلہ'' میں ان میں سے چار افراد کو شوریٰ کیلئے نامزد کر دیا گیا۔ انہیں

Marfat.com

دنوں جمعیت کے اندر بعض عناصر تنظیمی ڈسپلن کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ وہ جمعیت کے اندر گروپنگ پیدا کر کے حکومت کے ساتھ مفاہمت کیلئے راہ ہموار کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ اس گروہ کی قیادت جمعیت کے سیکریٹری اطلاعات ظہور الحسن بھوپالی کر رہے تھے۔ ان کے رابطوں کی اطلاعات تو مختلف ذرائع سے جمعیت کی قیادت کو پہنچ رہی تھیں۔ لیکن انہیں یقین نہیں آ رہا تھا مگر جب 24 مارچ کو لاہور میں منعقدہ اجلاس کے بعد بھوپالی اسلام آباد چلے گئے اور وہاں حکومت کے بعض نمائندگان سے مذاکرات کیے تو جمعیت کی قیادت کا شک یقین میں بدل گیا۔ لہذا جمعیت کے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے مولانا نیازی نے بھوپالی کی رکنیت معطل کر دی۔ انہوں نے صحافیوں کو بتایا کہ جمعیت کے دستور کے مطابق دو ماہ کے اندر اندر پارٹی کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوگا جس میں مسٹر بھوپالی کو وضاحت پیش کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔

جمعیت علماء پاکستان حکمرانوں کے خلاف مسلسل رائے عامہ منظم کر رہی تھی اور اقتدار کے بازار میں بکنے پر تیار نہ تھی۔ اس لئے حکومت نے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرنے شروع کر دیئے۔ ان دنوں مولانا شاہ احمد نورانی تبلیغی دورے پر بیرون ملک گئے ہوئے تھے کہ سرکاری ایجنسیوں نے مولانا کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جمعیت اور مولانا کے خلاف افواہیں پھیلانا شروع کر دیں تاکہ مولانا اور جمعیت کی عوام میں مقبولیت کو گھٹایا جا سکے۔ نیوز ایجنسی پی پی آئی نے 25 مئی کو کراچی سے اخبارات کو مولانا نورانی کی جمعیت سے علیحدگی کی خبر جاری کر دی۔ اس خبر میں کہا گیا کہ مولانا نے یہ اقدام پارٹی میں اختلافات کی وجہ سے اٹھایا ہے۔ یہ بات مولانا نیازی نے فون پر کراچی میں جمعیت کے ایک عہدیدار کو بتائی۔ اگرچہ مولانا کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا جا رہا ہے لیکن انہوں نے پارٹی عہدیداروں کی درخواست کو مسترد کر دیا ہے۔ یہ خبر کچھ اس انداز سے پیش کی گئی کہ جھوٹ پر سچ کا گمان ہونے لگا۔ اس خبر سے کارکنان کے اندر بد دلی اور بے چینی کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ مولانا نیازی نے پریس کانفرنس میں پی پی آئی کے حوالے سے ان سے منسوب کردہ خبر کو من گھڑت اور بے بنیاد قرار دیا اور اسے غلط بیانی اور سیاسی کردار کشی کی بدترین مثال گردانا۔ لیکن پھر بھی حکومتی ذرائع نے اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کیلئے موشگافیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ پی پی آئی نے ڈھٹائی سے دعویٰ کیا کہ اس انکشاف کا ثبوت ایک ٹیپ کی صورت میں موجود ہے۔ اگلے ہی دن مولانا نیازی نے

اخبارات کو اپنا وضاحتی بیان جاری کیا جس سے تمام تر صورت حال عیاں ہوگئی۔ انہوں نے ٹیپ سکینڈل کی حقیقت بتاتے ہوئے کہا کہ ایک ماہ قبل میں نے مولانا نورانی کو یہاں کے حالات کے مطابق واپس آنے کیلئے کہا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ وہ ابھی تبلیغی مشن کے سلسلہ میں بیرون وطن ہی قیام کریں گے اور اگر جماعت کے ضروری معاملات نمٹانے اور تنظیمی کام چلانے میں میری عدم موجودگی سے کوئی مشکل درپیش ہے تو جماعت کو چاہئے کہ وہ کوئی اور صدر منتخب کرلے۔ جس کے بعد قائم مقام صدر منتخب کرلیا گیا اور طے کیا گیا کہ پیر سید برکات احمد، مولانا شاہ احمد نورانی کی غیر موجودگی میں بطور صدر اپنی ذمہ داریاں نبھائیں گے۔ مولانا نیازی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ اس خط وکتابت کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی ہو اور اس کا مطلب یہ لے لیا گیا ہو کہ مولانا نے استعفاء دے دیا ہے۔ اگر کسی نے غلط سیاق وسباق اور فنکاری سے ایسی گفتگو ٹیپ کی ہے تو یہ صحافت کے اصولوں اور ضابطہ اخلاق کے خلاف ہے۔ مولانا نورانی کو جب حکومت کے اس منفی پروپیگنڈہ کی تفصیلات بتائی گئیں تو انہوں نے آسٹریلیا سے ہی اپنا دورہ مختصر کیا اور وطن واپس پہنچ گئے اور انہوں نے جمعیت کی صدارت سے مستعفی ہونے کی خبروں کی تردید کی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ جمعیت کے منشور کے مطابق سیاسی پالیسیاں وضع کیں۔ انہوں نے پیپلز پارٹی کی سوشلزم نافذ کرنے کی خواہش کو عوامی طاقت سے روکا تو ضیاء الحق کے اسلامائزیشن کے مصنوعی منصوبے کا بھی پردہ چاک کر دیا اور ضیاء الحق کے سخت مخالفانہ حکومتی حربوں کے باوجود اپنی نظریاتی ساکھ کو خراب نہ ہونے دیا۔ انہوں نے 30 جون کو لاہور میں اخبارنویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ:۔

''میری جماعت کسی ایسے اتحاد میں شامل نہیں ہوگی جس میں پیپلز پارٹی شریک ہو۔ البتہ ہم خیال دائیں بازو کی محبّ وطن سیاسی پارٹیوں سے اشتراک عمل کے ضرور خواہش مند ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ محبّ وطن جماعتوں پر سے پابندی ختم کی جائے اور انہیں سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جائے تاکہ یہ جماعتیں زیر زمین تخریب کاری کرنے والے عناصر کا مقابلہ کرسکیں۔ اگر محبّ وطن عناصر کو کام کرنے کا موقعہ نہ دیا گیا تو بائیں بازو کی زیر زمین جماعتیں کسی نہ کسی وقت حکومت کیلئے مسئلہ پیدا کرسکتی ہیں۔ اخبارات پر سنسر شپ عائد ہے۔ یک طرفہ طور پر وزراء کے بیانات شائع ہورہے ہیں اور ہم پر

جو الزامات عائد کئے جا رہے ہیں ان کے جوابات میں ہمیں کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں اس کا تمام تر فائدہ تخریب پسند عناصر کو ہو رہا ہے۔ ہم جمعیت کی کونسل میں اس کے سدباب کیلئے لائحہ عمل طے کریں گے۔"

یکم جولائی کو جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی کونسل کا اجلاس مولانا نورانی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے اختتام پر مولانا نورانی نے صحافیوں کو بتایا کہ کونسل نے مطالبہ کیا ہے کہ انتخابات کی راہ ہموار کرنے کیلئے محبّ وطن جماعتوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے تشدد اور دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے سنسر شپ ختم کی جائے اہم قومی مسائل پر غور کیلئے محبّ وطن جماعتوں کی کانفرنس طلب کی جائے۔ اجلاس نے ظہور الحسن بھوپالی، سندھ کے وزراء دوست محمد فیضی اور سید احد یوسف کو جمعیت سے نکالنے کے فیصلہ کی توثیق کر کے ان کی بنیادی رکنیت ختم کر دی۔ کیونکہ وہ مارشل لاء کی حکومت میں شراکت (صوبائی وزیر بننے) کے بعد جمعیت میں نہیں رہ سکتے تھے۔ اس طرح چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ضیاء الحق کے جمعیت کے کردار پر حملہ کو مولانا نورانی نے ناکام بنا دیا تھا۔ قبل ازیں مولانا نورانی سے جب MRD میں شامل بعض جماعتوں سے رابطہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ MRD میں شامل ہم خیال سیاسی جماعتوں کو وسیع تر اتحاد میں شامل کرنے کیلئے رابطہ قائم کیا جائے گا۔ ہمارے تحریک استقلال کے ساتھ تعلقات اچھے ہیں۔ جب ان کے رہنما رہا ہوں گے تو بات چیت ہوگی۔ جیسا کہ ہم نے نواب زادہ نصر اللہ خان پر بھی واضح کر دیا تھا کہ ہمارا فیصلہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے ساتھ اتحاد میں شامل نہیں ہوں گے۔ پیپلز پارٹی کل کی ظالم ہے آج کی مظلوم نہیں ہو سکتی۔

مولانا شاہ احمد نورانی سیاسی جماعتوں کی اتحاد کے ہمیشہ قائل رہے ہیں۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر کہا کہ سیاسی جماعتوں کا باہمی اتحاد ہونا چاہئے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے اس لئے ہم نے مسلم لیگ سے اتحاد کیا ہے۔ اس اتحاد میں وسعت ہونی چاہئے لیکن ہم نظریہ پاکستان اور قائد اعظمؒ کی مخالف جماعتوں کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتے۔ ایک موقع پر ایک اخباری نمائندہ نے پوچھا کہ کہیں حکومت کا حامی اتحاد تو قائم نہیں ہو رہا؟ تو مولانا نے برملا کہا کہ جمعیت نے واضح طور پر حکومت میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سے انحراف نہیں ہوگا۔ انہوں نے یاد دلایا کہ جمعیت نے قومی اتحاد سے علیحدگی کا فیصلہ اس وقت کیا جب اس میں شامل بعض جماعتوں نے وزارتیں قبول کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

Marfat.com

مولانا شاہ احمد نورانی تعمیری سیاست کے علمبردار ہیں۔ اس لئے ان کی دلی خواہش تھی کہ مسلم لیگ ایک بار پھر متحد ہو کر ملکی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرے۔ اس کیلئے انہوں نے حتی المقدور کوشش بھی کی۔ مولانا چاہتے تھے کہ سیاسی جماعتوں کے وسیع تر اتحاد سے قبل مسلم لیگ کے گروپوں کا باہمی اتحاد ہو جائے اور اس سلسلہ میں دونوں گروپوں کے سربراہوں نے تعاون بھی کیا۔ 8 جولائی کو مولانا نورانی سے پیر پگاڑا اور خواجہ خیر الدین نے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ ان مذاکرات کے نتائج بھی حوصلہ افزا تھے۔ خواجہ خیر الدین نے بھی ان مذاکرات کو اطمینان بخش قرار دیا۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ پیر صاحب پگاڑا اور ان کے درمیان اتحاد کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب عملدرآمد کیلئے طریقہ کار طے کرنا باقی ہے۔ لیکن نا معلوم بعد میں کون سی چیزیں اس خیر سگالی کے جذبے میں آڑے آ گئیں۔

ابھی طیارے کے اغواء ہونے کے واقعہ کے بعد نئی سیاسی صف بندی ہو ہی رہی تھی کہ ستمبر میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ذہنوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ واقعہ ممتاز مسلم لیگی رہنما چوہدری ظہور الٰہی کا دن دہاڑے قتل تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کا حکم دینے والے لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین، ایم اے رحمان ایڈووکیٹ اور چوہدری ظہور الٰہی ایک ہی کار میں جا رہے تھے کہ ان پر فائرنگ کی گئی چوہدری ظہور الٰہی موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے جبکہ مولوی مشتاق حسین شدید زخمی ہوئے لیکن بچ گئے۔ اس واقعہ نے مولانا شاہ احمد نورانی کے خدشات کی تصدیق کر دی اور فوجی حکمرانوں کو پیغام دیا کہ پاکستانی سیاست کون سا رخ اختیار کر رہی ہے اور زیر زمین خفیہ سرگرمیوں کا رخ کیا ہے۔ لیکن حکومت کانوں میں روئی ٹھونس کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈکٹیٹر کو صرف اپنے اقتدار سے دلچسپی تھی وہ محبِّ وطن سیاست دانوں کی رائے پر عوام کو حقوق دینے پر تیار نہ تھے ملک کے باشعور صحافتی حلقے بھی اس صورت حال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ روزنامہ نوائے وقت نے 13 اکتوبر کو ''قوم کو اعتماد میں لیجئے'' کے عنوان سے اپنے اداریہ میں لکھا۔

''کالعدم جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے نوائے وقت کے ساتھ انٹرویو میں تخریب وتشدد کی سیاست کی مذمت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ تخریب وتشدد کی سیاست کو ختم کرنے کیلئے عوام کو اعتماد میں لیا جائے۔ نیز ملک وقوم کے عظیم تر مفاد میں ملک کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات سے لوگوں کو باخبر رکھا جائے۔ مولانا نورانی کی

Marfat.com

یہ باتیں بڑی بنیادی اور اصولی ہیں اور ہر محبّ وطن اور سنجیدہ فرد اپنی جگہ ایسے ہی خیالات اور احساسات رکھتا ہے۔ سیاست میں تخریب وتشدد ایک ایسا منفی اور مجرمانہ رجحان ہے جس کی کسی حال میں بھی تائید وحمایت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ایسی سیاست بہمیت کی مظہر تو قرار دی جاسکتی ہے اس کا شرف انسانی سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ ہم نے ان کالموں میں ہمیشہ صحت مند اور انسانی وقار کی امین سیاست کی وکالت کی ہے۔ کیونکہ ملک وقوم کی سلامتی اور یک جہتی ایسے ہی انداز کی سیاست سے محفوظ رہ سکتی ہے جو لوگ تخریب وتشدد کی سیاست پر یقین رکھتے ہیں وہ ملک وقوم کے بہی خواہ نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ وہ بالواسطہ اس بات کا ثبوت بہم پہنچا رہے ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں کو جان و مال اور قومی مفادات کے تحفظ کو ایک مقدس فریضہ تصور نہیں کرتے بلکہ ان کی طرف سے آنکھیں بند رکھتے ہیں''۔

یہ بھی اپنی جگہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ ملک میں تخریب وتشدد کی سیاست جنم لینے لگے تو اس کا موثر انسداد اس ملک کے لوگوں کے تعاون سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور یہ تعاون اس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ قومی معاملات کے ضمن میں نہ صرف انہیں اعتماد میں لیا جائے بلکہ شریک بھی کیا جائے ظاہر ہے کہ جب عام لوگ قومی معاملات سے دور رکھے جائیں گے تو ان کا واسطہ اور دلچسپی ختم ہوتی جائے گی اور وہ کسی قدر بے حس بھی ہو جائیں گے۔ اس لئے انہیں اندرونی اور بیرونی خطرات سے آگاہ رکھنا، قومی امور میں شریک اور ذمہ دار بنانا بنیادی قومی تقاضا بن جاتا ہے کیونکہ بنیادی حقوق اور ذمہ داری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ تقاضا کسی منظم انداز میں یعنی معروف جمہوری اداروں کے وسیلے سے ہی بہ حسن وخوبی پورا ہوسکتا ہے۔ جب محبّ وطن جماعتیں یا حلقے ملک میں جمہوری اداروں کی بحالی یا قیام اور استحکام کی بات کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر یہی قومی تقاضے ہوتے ہیں۔ الغرض جب ملک میں سیاسی اداروں کی بحالی کی بات کی جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ قومی مفادات اور ملک کی سلامتی کے تحفظ کے عمل میں ساری قوم کو شریک کیا جائے۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ہاں ایسے عناصر بھی موجود رہے ہیں جو سیاست کے ذریعے اجنبی افکار ورجحانات کو فروغ دینے پر کمر بستہ رہے اور جنہوں نے قومی مفادات کے تحفظ کے ضمن میں خلوص کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ وہ کسی اخلاقی قدر کی پاسداری بھی نہ کر سکے۔ لیکن ایسے عناصر کا یہ ناپسندیدہ عمل ان کی بجائے افراد وقوم کو سیاسی حقوق سے محروم رکھنے کا جواز نہیں بنایا جا سکتا۔ ایسے عناصر کا

Marfat.com

محاسبہ ضرور ہونا چاہئے لیکن قوم کے جمہوری حقوق کی قیمت پر نہیں بلکہ ایسے عناصر کے موثر توڑ کا واحد طریقہ صرف جمہوری اداروں اور عمل کی جلد از جلد بحالی ہے قوم کو اعتماد میں لینے کیلئے اسے ملک کی سلامتی اور بقاء کے تحفظ میں ذمہ دار بنانے کیلئے جمہوری عمل کی بحالی از بس ضروری ہے۔ اس طرح اس بنیادی ضرورت کے ضمن میں ہی قومی پریس پر ایسی قدغن لگانا بھی دانشمندی اور حقیقت پسندی نہیں جو لوگوں میں قومی شعور کی بیداری اور ان کے قومی نقطہ نظر سے تربیت کی راہ میں مانع ہو۔ قومی اخبارات ملک میں منفی سیاسی رجحانات کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں وہ ایسے عناصر کی نہ صرف نشاندہی کرتے رہے ہیں بلکہ ان کے فکر و عمل کا رد کرنے میں بھی کوشاں رہے ہیں۔ ان پر سنسر کی پابندی جہاں حکومت اور پریس کے مابین بے اعتمادی پیدا کرنے کا موجب بنی ہے وہاں قومی اخبارات قومی کردار کے استحکام میں اپنا حصہ ادا کرنے سے بھی کسی حد تک قاصر ہو گئے ہیں اور یہ کوئی صحت مند معمول نہیں ہے۔ حکومت کو ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ان بنیادی امور پر حقیقت پسندانہ انداز میں غور و خوض کرنا چاہئے۔ ملک کسی شخص یا سیاسی گروہ کی میراث نہیں ہوتا اس کے مالک و وارث افراد و قوم ہوتے ہیں۔ نہ صرف ان کی حیثیت کو تسلیم کیا جانا چاہئے بلکہ اس حیثیت کو فوقیت دی جانی چاہئے کیونکہ ملک و قوم کی سلامتی اور یکجہتی و فلاح کا یہ بدیہی تقاضا ہے''۔

قومی پریس نے مولانا شاہ احمد نورانی کی جمہوری اور تعمیری سوچ کی تائید میں رائے عامہ کو منظم کرنے کی جب بھی کوشش کی تو حکومت کی طرف سے یہی الزام لگایا گیا کہ کون سا لائحہ عمل اپنایا جائے اور کس طریقہ کار کو اختیار کیا جائے کیونکہ سیاست دان باہم متفق نہیں ہیں۔ حکومت کے اس پروپیگنڈہ کو ناکام بنانے کیلئے 1981ء کے اوائل میں جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے باضابطہ طور پر سیاست دانوں کی گول میز کانفرنس کی تجویز پیش کر دی گئی تھی تاکہ سیاسی لیڈر ایک مشترکہ موقف کے ذریعے حکومت کو بحالی جمہوریت پر آمادہ کر سکیں اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ کون سے عناصر اس عمل کی راہ میں حائل ہیں۔ کیونکہ اس سے قبل بھی ایک میٹنگ میں جنرل ضیاء مولانا سے کہہ چکے تھے کہ سیاست دانوں نے ہی ہاتھ جوڑ کر انتخابات ملتوی کرنے کیلئے کہا ہے لیکن گول میز کانفرنس کی تجویز کو حکومت نے سنجیدگی سے نہ لیا اور جماعت اسلامی نے بھی اسے غیر ضروری قرار دے دیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ عوامی سیاست کی ہے اور وہ ہمیشہ عوامی رابطہ کے قائل

Marfat.com

رہے ہیں حالات کیسے بھی ہوں ان کا عوام سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم رہا۔ اس سلسلہ میں انہیں مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے اسے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور تمام خطرات کی پروا نہ کرتے ہوئے عوامی رابطہ مہم ہمیشہ جاری رکھی۔ اکتوبر کے وسط میں انہوں نے پنجاب کے بعض علاقوں کا دورہ کیا۔ دورہ کے اختتام پر لاہور میں اخبارنویسوں سے خطاب میں کہا کہ:۔

''ملک میں تشدد اور تخریب کی سیاست کے خلاف رائے عامہ کو بیدار اور منظم کرنے کیلئے محبِ وطن سیاسی جماعتوں کو سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جائے۔ جن سیاسی جماعتوں کی الیکشن کمیشن نے رجسٹریشن کی تھی اور جنہیں دستوری طور پر ملک میں کام کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ کم از کم ان سیاسی جماعتوں کو سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جائے تاکہ وہ تشدد کی سیاست کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرسکیں''۔

تحریک استقلال سے جمعیت کے تعلقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا تحریک استقلال سے ہمارے تعلقات اچھے ہیں۔ دوری کے باوجود ہم قریب ہیں۔ اگرچہ تعلقات قابل رشک نہیں، بہر حال ہیں۔

مولانا نورانی نے گول میز کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

''ملک کو درپیش مسائل کے حل کیلئے گول میز کانفرنس ضروری ہے جس میں تحریک نظام مصطفےٰ میں شامل سیاسی جماعتوں کے قائدین کو مدعو کیا جائے اگر حکومت ملک کے مسائل حل کرنے میں مخلص ہے اور عوام کو اعتماد میں لینا چاہتی ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سیاسی رہنماؤں کی گول میز کانفرنس بلائی جائے سنسر شپ ختم کی جائے اور سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیاں اٹھالی جائیں''۔

مولانا شاہ احمد نورانی اپنے دوروں کے ساتھ ساتھ اخبارات کے ذریعے عوام میں بیداری کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے تھے وہ مختلف انداز میں حکومت پر دباؤ بڑھاتے رہے۔ ضیاء الحق بھی مولانا نورانی کے سیاسی داؤ پیچ کو سمجھتے ہوئے مسلسل بیانات سے پریشر ختم کرنے کیلئے نت نئے حربے اختیار کرتے۔ مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دیتے تاکہ سیاست دان اکٹھے نہ ہوسکیں۔ لیکن مولانا نورانی گول میز کانفرنس سمیت ایسی جمہوری تجاویز تسلسل کے ساتھ پیش کرتے رہے کہ رائے عامہ ان کی حمایت کرتی وہ بنیادی حقوق کی بحالی کا مطالبہ ہر جگہ پر کرتے جس کا جواب ضیاء الحق کے پاس نہ تھا۔ اور وہ ڈھٹائی سے مارشل لاء کو برقرار رکھنے کی بات

Marfat.com

کرتے۔ جنرل ضیاء الحق نے ''فار ایسٹرن اکنامک ریویو'' سے اپنے انٹرویو میں کہا:۔

''مارشل لاء کا خاتمہ دور کی بات نہیں مگر اس کی فوری توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔ سیاسی پارٹیوں کو اس بات کا شعور ہونا چاہئے کہ ملک کیلئے کون سی بات بہتر ہے۔ موجودہ حالات میں پر امن سیاسی سرگرمیاں ممکن نہیں۔ پاکستانی سیاستدانوں اور عوام کے خیالات میں بڑا تضاد ہے۔ میری موجودہ پوزیشن عوام کی مکمل حمایت کی آئینہ دار ہے''۔

اس طرح ضیاء الحق نے مولانا کے مطالبات کا یہ جواب دے کر مارشل لاء کو عوامی رنگ دینے کیلئے مجلس شوریٰ کی تشکیل کیلئے امیدواروں کی فہرستوں کا کام ہنگامی بنیادوں پر شروع کرا دیا۔ تاکہ مولانا نورانی کی گول میز کانفرنس کی تجویز عملاً ختم کر سکیں اور عام لوگوں کو یہ تاثر دے سکیں کہ مجلس شوریٰ بنانے کے بعد گول میز کانفرنس کی ضرورت نہیں ہے۔ نامزد شوریٰ کے اراکین بھی عوام کے نمائندے ہیں مگر مولانا نورانی سمیت با شعور سیاست دان ضیاء الحق کی چالبازیوں کو سمجھتے تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اکتوبر میں پنجاب کے دورے کا دوسرا مرحلہ شروع کیا۔ جہاں انہوں نے مختلف شہروں میں استقبالیہ تقاریب، ارباب صحافت سے ملاقات اور کارکنان سے خطابات کئے اور کہا کہ:۔

''مختلف ممالک کے دورے کے بعد میں جب وطن واپس آیا تو میرا خیال تھا کہ ملکی حالات بدل چکے ہوں گے۔ لیکن یہاں حالات جوں کے توں ہیں اور جمود ہے۔ بدقسمتی سے جہاں جمود ہو وہاں تشدد جیسی مذموم روایات جنم لیتی ہیں۔ ان کو روکنے کیلئے ضروری ہے کہ رائے عامہ کو منظم کیا جائے اور بات کہنے پر کوئی پابندی نہ ہو کیونکہ سچی باتیں کہنے سے ہی غلط لوگوں کو شکست ہوتی ہے''۔

مولانا شاہ احمد نورانی سچائی کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جو کہ مارشل لاء کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ مارشل لاء تو کالا قانون ہوتا ہے جس میں جائز و ناجائز میں تمیز کی بجائے پسند و ناپسند معیار بنتے ہیں اور ضیاء الحق خود نوے دن کے نام پر جھوٹ کی بنیاد پر اپنے اقتدار کو طول دے رہے تھے۔ اس لئے وہ سیاست دانوں کو عوام سے دور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ اپنے دورے کے اختتام پر مولانا شاہ احمد نورانی نے پھر اپنے مطالبہ کو دہراتے ہوئے گول میز کانفرنس کی شدید ضرورت کی بات کی تاکہ اس کے ذریعے ملک میں جاری کش مکش اور بد اعتمادی کی فضا ختم ہو سکے۔ کچھ دنوں بعد جنرل ضیاء سے مولانا کی تجویز

Marfat.com

کے بارے میں سوال کیا گیا تو وہ پھٹ پڑے اور کہنے لگے۔

''موجودہ حالات میں انتخابات نہیں کرائے جا سکتے۔ انتخابات کے مسئلہ پر گول میز کانفرنس بھی نہیں ہو سکتی۔ سیاسی جماعتیں حکومت سے تعاون کرنا چاہیں تو ان کیلئے دروازے کھلے ہیں۔ میں اس ملک کے اقتدار کا ٹھیکیدار نہیں لیکن ہم ملک کی سلامتی کے فریضہ کو گندی گٹھڑی کی طرح نہیں پھینکیں گے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسا مناسب طریقہ کار اختیار کیا جائے جس سے حکومت سیاست دانوں کے حوالے کی جا سکے۔ میرے پاس ان کیلئے (سیاست دانوں کیلئے) کوئی خوشخبری نہیں کسی خبر کا نہ ہونا ہی اچھی خبر ہے''۔

اس طرح جنرل ضیاء مولانا شاہ احمد نورانی کی کوششوں کو ناکام بناتے رہے مگر مولانا نے بھی ضیاء الحق کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کا سلسلہ جاری رکھا اور پنجاب کے تیسرے مرحلہ کے دورے میں بحالی جمہوریت کی خاطر مارشل لاء کے خلاف اشتراک عمل کیلئے مختلف سیاسی جماعتوں کو دعوت دیتے ہوئے کہا:۔

''جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد کیلئے اشتراک عمل کی خاطر جمعیت کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں ہمارا اور مسلم لیگ کا موقف واضح ہے کہ مجلس شوریٰ انتخابات کا متبادل نہیں ہے۔ یہ صرف ڈھونگ رچایا جا رہا ہے اس کیلئے کچھ خوشامدی اور مجاور قسم کے لوگ مجلس شوریٰ میں آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انتخابات نہ کروا کر مشرقی پاکستان جیسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملک میں انتخابات کیلئے فضا سازگار نہیں ہے وہ پڑوسی ممالک ایران اور بنگلہ دیش کا جائزہ لیں کہ وہاں سنگین حالات کے باوجود انتخابات ہوئے ہیں مگر افسوس ہے کہ یہاں طرح طرح کی آزمائشیں کی جا رہی ہیں نظام مصطفےٰ میں انتخابات کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام سب سے بڑا جمہوریت کا داعی ہے۔ اور اسلام نے ہی اس کی بنیاد رکھی ہے''۔

اس طرح مولانا شاہ احمد نورانی نے عالمانہ شان سے ضیاء الحق کے خود ساختہ اسلامائزیشن کے غبارے سے اسی طرح ہوا نکال دی جیسے بھٹو کے سوشلزم کے نعرے سے نکالی تھی۔ ابھی مولانا شاہ احمد نورانی کا دورہ جاری تھا کہ حکومت پنجاب کے حکم پر 25 نومبر 1981ء کو چونیاں سے انہیں گرفتار کر کے کراچی روانہ کر دیا گیا۔ ان پر اسلام کے جمہوری مذہب ہونے کی سچائی بیان کرنے کی پاداش میں تین ماہ کیلئے صوبہ پنجاب میں داخلے کی پابندی لگا دی گئی تاکہ مولانا اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکیں اور مارشل لاء کی طرف سے عائد

Marfat.com

سیاسی سرگرمیوں کیلئے دوسروں کو بھی نہ اکسائیں۔

30 نومبر کو وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کانفرنس سے خطاب کیلئے مولانا شاہ احمد نورانی گئے۔ یہاں انہوں نے شہریوں کے ایک استقبالیہ میں بھی شریک ہونا تھا۔ وہ جونہی اسلام آباد ایئرپورٹ پر اترے تو مجسٹریٹ اور پولیس کے افسران نے انہیں کہا کہ آپ اسلام آباد نہیں جاسکتے مولانا نے جواب دیا کہ یہ وفاقی علاقہ ہے یہاں صوبہ پنجاب میں داخلے پر پابندی کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن جب ایک فرد کی زبان قانون کا درجہ اختیار کر جائے تو آئین اور قانون کی کتابیں الماریوں کی زینت بن جاتی ہیں اور قانون پر عمل درآمد ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے مولانا نورانی کو کئی گھنٹے اسلام آباد ایئرپورٹ پر بٹھانے کے بعد دوسرے جہاز سے کراچی راونہ کر دیا گیا جبکہ استقبال کیلئے آنے والے پریشانی کے عالم میں واپس چلے گئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی جانب سے لاہور ہائی کورٹ میں حکومت پنجاب کے پابندی کے فیصلہ کو 5 دسمبر 1981ء کو چیلنج کر دیا گیا۔ عدالت عالیہ نے سماعت کے بعد 17 فروری کو حکومت پنجاب کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔ پابندی کے دوران مولانا شاہ احمد نورانی نے سندھ اور بالخصوص کراچی میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ انہوں نے مارشل لاء کی پابندیوں کے باوجود کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کیا اور کہا:۔

”ملک اندرونی و بیرونی خطرات میں گھرا ہوا ہے ان حالات میں حکومت کو گول میز کانفرنس کی تجویز کا خیر مقدم کرنا چاہئے ملک کے مسائل زیادہ سنگین ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا واحد حل منصفانہ، آزادانہ انتخابات میں مضمر ہے۔ پاکستان عوام کے ووٹوں سے ہی قائم ہوا تھا۔ نامزد افراد پر مشتمل پارلیمنٹ مطلوبہ مقاصد پورے نہیں کرسکتی۔ پارلیمنٹ 1973ء کے آئین کے مطابق ہونی چاہئے۔ یہ آئین منتخب نمائندوں نے تیار کیا تھا اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرنی چاہئے۔ وکلاء کے سوالات کے جواب میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ نہ تو ہم وزارتوں کی پیش کش کو قبول کریں گے اور نہ ہی غیر جمہوری ادارے یا تحریک کا ساتھ دیں گے۔ ہماری جماعت کے جو لوگ ایسا طرز عمل اختیار کریں گے ان کے خلاف فوری طور پر کارروائی کی جائے گی۔ اس بنیاد پر احد یوسف، دوست محمد فیضی اور ظہور الحسن بھوپالی کے خلاف کارروائی شروع کر دی گئی ہے“۔

Marfat.com

یہ دور سیاسی جماعتوں کیلئے مشکل ترین دور تھا۔ اس دور میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق سیاسی جماعتوں میں توڑ پھوڑ کر کے پاکستان میں جمہوریت کے کمزور پودے پر قاتلانہ حملہ کر رہے تھے جبکہ مولانا نورانی سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کے دفاع میں لگے ہوئے تھے۔ تا کہ پاکستان کا استحکام برقرار رہے۔

جنرل ضیاء نے 25 دسمبر کو جمعیت علماء پاکستان اور دیگر حزب اختلاف کی سیاسی جماعتوں کے دباؤ سے بچنے کیلئے مجلس شوریٰ کا اعلان کر دیا۔ یہ ایک منظم خوشامدی ٹولہ تھا جنہیں سرکاری مراعات کے نام پر خریدا گیا تھا۔ اس نامزد شوریٰ کو ملک کے تمام قابل ذکر سیاست دان حلقوں نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اسے قوم کے خزانے پر بوجھ قرار دیا۔ حتیٰ کہ مارشل لاء کی بی ٹیم جماعت اسلامی کے معروف رہنما پروفیسر غفور احمد نے بھی کہا کہ مجلس شوریٰ کا قیام ملک کو درپیش مسائل کا حل نہیں ہے۔

''مولانا نورانی نے نوتشکیل شدہ مجلس شوریٰ کو عوام کی بجائے حکومت کی ''مشاورتی کونسل'' قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے ایک سوال نامہ موصول ہوا ہے۔ جس میں صدر کے اختیارات اور حکومت کی تشکیل سے متعلق دوسرے امور کے بارے میں رائے طلب کی گئی ہے لیکن میں اس کا جواب نہیں دوں گا کیونکہ اہم امور پر صرف پارلیمنٹ میں ہی بحث ہو سکتی ہے اور طرز حکومت جیسے معاملات 1973ء کے آئین میں طے ہو چکے ہیں۔ جسے منتخب پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا''۔

مجلس شوریٰ میں یوں تو خوشامدی لوگوں کو شامل کیا گیا تھا جن کا ماضی ہر دور میں برسر اقتدار طبقہ کی کاسہ لیسی کرنا تھا۔ لیکن ایسے لوگوں کی بھی معقول تعداد تھی جو گزشتہ دور میں پیپلز پارٹی کے ساتھ رہے تھے۔ جن سیاسی پارٹیوں کے لوگ اس نامزد ادارے میں شامل ہوئے ان پارٹیوں نے ایسے افراد کو اپنی پارٹیوں سے خارج کر دیا۔ جمعیت علماء پاکستان نے اپنی دو ٹوک پالیسی کا اعلان شوریٰ کے قیام سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ اس کے قیام کے بعد مسلم لیگ (پگاڑا گروپ) کے جنرل سیکریٹری ایس ایم ظفر اور تحریک استقلال کے نائب صدر میاں محمود علی قصوری نے کہا کہ ہم ان افراد کو پارٹی سے نکال دیں گے جو شوریٰ میں نامزد ہوئے ہیں جبکہ جماعت اسلامی کے چوہدری رحمت علی نے واضح طور پر اعلان کیا کہ ان کی جماعت کے جو

Marfat.com

ارکان مجلس شوریٰ میں شریک ہوئے ہیں وہ جماعت میں اپنی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھیں گے کیونکہ ان کا انتخاب پیشہ وارانہ نمائندگی کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

مولانا نورانی کی تحریص و ترغیب سے پاک اسلامی جمہوری سیاست ضیاء الحق کے اقتدار کیلئے چیلنج بنی ہوئی تھی وہ ملک کے اندر تو جدوجہد کر ہی رہے تھے۔ بیرون ملک بھی ضیاء الحق کی سازشوں کا پردہ چاک کرتے رہے۔ دسمبر میں مولانا شاہ احمد نورانی کو دبئی میں رہنے والے پاکستانیوں کی طرف سے خطاب کی دعوت دی گئی۔ لیکن دبئی ایئر پورٹ پر اترتے ہی وہاں کی انتظامیہ نے انہیں ملک میں داخل نہ ہونے کے سرکاری حکم سے آگاہ کیا۔ اس طرح مولانا خطاب کے بغیر ہی وطن واپس آ گئے۔ اس واقعہ کے ایک روز بعد ہی مارشل لاء کا ایک نیا ضابطہ جاری کر دیا گیا جس کے تحت حکومت کسی بھی شخص کو وجہ بتائے بغیر بیرون ملک جانے سے روکنے کی مجاز تھی اور مفاد عامہ کے پیش نظر حکومت کیلئے وجہ بتانا ضروری نہ تھا۔ حکومت کے اقدام کے خلاف پندرہ دن کے اندر اندر نظر ثانی کی اپیل کا حق دیا گیا تھا۔ نظر ثانی کی اپیل پر حکومت کا فیصلہ حتمی قرار دیا گیا۔ جسے کسی بھی عدالت یا اتھارٹی کے رو بہ رو چیلنج کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ یہ سال 1982ء کے آغاز میں مارشل لاء حکومت کی طرف سے نیا تحفہ تھا۔

Marfat.com

باب 13

مولانا نورانی کی سیاسی صف بندی اور آمر وقت کی فسطائیت

مولانا شاہ احمد نورانی مارشل لاء حکمرانوں کی سیاسی جماعتوں میں توڑ پھوڑ اور ہر سطح پر بندشوں کے باوجود اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے سیاسی جماعتوں کو کالعدم اور سیاستدانوں کے باہمی رابطوں میں رکاوٹ ڈالنے کی حکومتی کوشش بھی انہیں جمہوری راستہ سے نہ ہٹا سکی...... مولانا نورانی کی سرگرمیاں ان دنوں کراچی تک محدود تھیں یہاں بھی انہوں نے سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر مشترکہ موقف اختیار کرنے کی دعوت دی اس سلسلہ میں ان کا ماضی میں سیاسی جماعتوں سے مستقل رابطہ بہت معاون ثابت ہو رہا تھا وہ مسلسل سیاسی جماعتوں کے سربراہوں سے ملاقاتیں کر رہے تھے ایک اخبار نویس نے ملاقاتوں کا سبب پوچھا تو مولانا نے جواب دیا کہ نظریہ پاکستان کی حامی محبّ وطن سیاسی جماعتوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور ان کوششوں کا ٹھوس نتیجہ برآمد ہوگا۔

۷ جنوری کو مولانا نورانی نے پیر صاحب پگاڑا سے تفصیلی ملاقات کی تاکہ ان کی جانب سے بلائی گئی گول میز کانفرنس پر پیر پگاڑا سے مشاورت کی جاسکے اس ملاقات میں یہ طے کیا گیا کہ کس کس کو مدعو کیا جائے اور مولانا نورانی بذات خود سیاستدانوں سے رابطہ قائم کریں گے اسی دن این ڈی پی کے مرکزی سیکریٹری اطلاعات عابد زبیری نے مولانا سے ملاقات کر کے گول میز کانفرنس کے متعلق جمعیت کے نقطہ نظر کی حمایت کی، اس سے اگلے روز میر غوث بخش بزنجو آئے۔ انہوں نے مولانا نورانی سے سیاسی جماعتوں کے مشترکہ موقف پر گفتگو کی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

جمعیت کی خواہش تھی کہ ایم آر ڈی کے اندر اور باہر کی جماعتیں کم سے کم نکات پر متفقہ لائحہ عمل کا اعلان کریں یہ نہ تو انتخابی اتحاد تھا اور نہ ہی ایم آر ڈی کو ختم کرنے کی کوشش

Marfat.com

بلکہ اس کانفرنس کا مقصد محض اتنا تھا ایک مشترکہ موقف اختیار کر کے حکمرانوں کو یہ باور کرا دیا جائے کہ مارشل لاء کے خاتمہ 1973ء کے آئین کی بحالی اور عام انتخابات کے انعقاد کے لئے تمام قابل ذکر سیاسی پارٹیاں یک آواز ہیں اس سے حکومت کے اس تاثر کو بھی زائل کرنا مقصود تھا کہ سیاسی پارٹیاں کسی ایک لائحہ عمل پر متفق نہیں ہیں یہ تاثر عوام میں ایک عرصہ سے پھیلایا جا رہا تھا۔

پروفیسر شاہ فرید الحق نے اس مجوزہ کانفرنس کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ یہ اجتماع کراچی میں ہوگا...... اور ملک کی تمام قابل ذکر سیاسی جماعتیں اس میں شرکت کی خواہشمند ہیں ایک اخبار نویس نے سوال کیا...... کیا اس میں جماعت اسلامی بھی شامل ہوگی؟ شاہ فرید الحق نے اس کے جواب میں کہا کہ جماعت اسلامی کو بھی اس میں شمولیت کے لئے کہا جائیگا...... اور ہماری جماعت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا...... ملک کو درپیش خطرات کے پیش نظر ضروری ہے کہ ہم سب اپنے اختلافات کو بھلا کر متحد ہو جائیں اس لئے ہماری کوشش ہے کہ کم سے کم نکات پر سب لوگ متفق ہو جائیں۔

کچھ دنوں بعد جنرل ضیاء نے اپنی نامزد مجلس شوریٰ کا افتتاح کیا تو یہ اعلان بھی کیا کہ میں نہ تو جمہوریت کا مخالف ہوں اور نہ ہی انتخابات کا مجلس شوریٰ پارلیمنٹ یا قومی اسمبلی کا بدل نہیں ہے...... عوام بیدار ہیں انہیں سیاسی حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا ہماری خواہش ہے کہ حکومت مستحق ہاتھوں میں پہنچ جائے۔

یہ اعلان صرف سیاسی حلقوں کو مطمئن اور خوش کرنے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ ان کے درمیان بڑھتی ہوئی قربت کو روکا جا سکے۔ اس کا سیاستدانوں کو ادراک بھی تھا اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو فوری طور پر منتقل کرنے کے حکومت کے عزائم بھی نہ تھے چند دنوں بعد ہی شوریٰ میں کئے گئے اعلان کا بھرم وزیر داخلہ محمود ہارون نے یہ کہہ کر کھول دیا کہ موجودہ حالات میں انتخابات ایک اور مارشل لاء کا باعث بنیں گے۔ تخریبی عناصر انتخابات کو پر امن نہیں ہونے دیں گے۔ نیز اس وقت انتخابات کرائے گئے تو مخلوط اور کمزور حکومت بنے گی۔

این ڈی پی کے سربراہ سردار شیر باز مزاری کراچی سے باہر تھے انہوں نے کراچی آتے ہی کہا کہ ایم آر ڈی جمہوریت کی خاطر کسی بھی پارٹی یا پارٹیوں کے گروپ سے تعاون کے لئے تیار ہے اس وسیع اتحاد کے ضمن میں تحریک استقلال نے میاں محمود علی قصور، مشیر احمد پیش امام

اورنفیس صدیقی پر مشتمل مجلس عمل کا باقاعدہ اعلان کردیا۔ گویا تمام سیاسی جماعتیں مشترکہ طور پر لائحہ عمل طے کرنے پر متفق تھیں اور سیاست دانوں کی کانفرنس کی تجویز کی تمام نے عملی طور پر تائید کردی سیاست دانوں کے درمیان سازگار ماحول کو دیکھتے ہوئے حکومت سندھ نے مولانا نورانی، سردار شیر باز مزاری، پروفیسر شاہ فریدالحق، عابدزبیری، مخدوم خلیق الزماں، پیار علی الانہ اور نفیس صدیقی کو نوٹس جاری کردیے جس میں انہیں ہر طرح کی سیاسی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہونے کی تنبیہ کی گئی اور خلاف روزی کی صورت میں مارشل لاء کے ضابطہ نمبر 48 کے تحت تادیبی کارروائی کی دھمکی دی گئی...... نیشنل پارٹی کے سربراہ میر غوث بخش بزنجو کو سندھ سے چلے جانے کا حکم دے دیا گیا...... وہ مولانا نورانی سے دوبارہ مذاکرات کرنے والے تھے...... لیکن انہیں مذاکرات کرنے کی مہلت بھی نہ دی گئی...... اور سندھ چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا...... بلکہ صوبہ سندھ کی حدود میں داخل ہونے پر بھی پابندی لگا دی گئی حکومت نے باقاعدہ طور پر اخبارات کو بھی سختی سے منع کردیا کہ وہ سیاستدانوں کی خبریں شائع نہ کریں اور جماعت اسلامی کے سوا سندھ میں تمام غیر سندھی سیاسی لیڈروں کے داخلے پر پابندی عائد کردی گئی...... مارشل لاء حکام کی طرف سے یکے بعد دیگرے یہ سارے اقدامات بوکھلاہٹ کا نتیجہ تھے حکومت نہیں چاہتی تھی کہ سیاسی راہنما کسی طرح مل بیٹھیں اور کوئی مشترکہ موقف اختیار کریں ...... تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کو مستثنیٰ قرار دینا اندرون خانہ مفاہمت کی غمازی کرتا تھا اور جماعت اسلامی ہی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کے مل بیٹھنے کے پروگرام کی راہ میں روڑے اٹکانے میں حکومت کا ہاتھ بٹا رہی تھی اس لئے مولانا نورانی کو واضح اعلان کرنا پڑا کہ وسیع تر اتحاد میں جماعت اسلامی کو شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ جماعت اتحاد کی کوششوں کو سبوتاژ کررہی ہے لیکن اس سلسلہ میں تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۲۶ جنوری کو مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل ایس ایم ظفر نے مولانا نورانی سے ملاقات کی جس میں اس امر پر غور کیا گیا کہ سیاسی جماعتوں کی کانفرنس اور اتحاد کے لئے کیا کیا اقدامات کئے جائیں...... اسی رات مولانا شاہ احمد نورانی نے پروفیسر شاہ فرید الحق کے ہمراہ پیر پگاڑا سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی مولانا نے انہیں دنوں کراچی میں مشیر احمد پیش امام اور کوثر نیازی سے بھی تبادلہ خیال کیا۔

جنرل ضیاء نے جب دیکھا کہ مولانا نورانی کی سیاست دانوں کو اکٹھا کرنے کی کوششیں

Marfat.com

رنگ لا رہی ہیں تو انہوں نے جنوری 82ء کے آخر میں بیرون ممالک کے دورہ سے واپسی پر پریس کانفرنس میں کہا کہ محبّ وطن جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت دینے پر غور ہو رہا ہے اور ہمیں سیاسی رہنماؤں کی ملاقاتوں پر کوئی اعتراض نہیں مجلس شوریٰ کے چیئرمین خواجہ محمد صفدر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عام انتخابات چندماہ کے اندر ہوجائیں گے اس قسم کے سیاسی بیانات جنرل ضیاء کی حکومت کا معمول تھے جبکہ اقدامات اسکی نفی کرتے۔ اس کے بعد سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں پر پابندیاں مزید بڑھ گئیں ان کی نقل وحرکت پر پابندی لگا دی گئی طرح طرح سے ان کو تنگ کیا گیا اور حکومت ہر اس کوشش کو ناکام بنانے پر تل گئی جس کا مقصد سیاسی جماعتوں کو متحد کرنا تھا حکومت کے اس رویہ پر مولانا نورانی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں متحد نہیں ہوتیں لیکن اب جبکہ سیاسی جماعتیں مشترکہ موقف اختیار کرنے کی غرض سے متحد ہونے کی کوشش کر رہی ہیں تو انہیں روک دیا گیا ہے لیکن اس سے کم از کم عوام کو یہ معلوم ہوگیا کہ حکومت نہیں چاہتی کہ سیاست دان متحد ہوں حالانکہ سیاستدان ملک کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہے تھے بلکہ دراصل نوکرشاہی ملک اور عوام کے خلاف سازشیں کر رہی ہے صوبائی منافرت، علاقائی عصبیت اور پاکستان سے نفرت کو فروغ دیا جارہا ہے اور صوبہ بدری کے احکامات کے نتیجے میں قومیتوں کے نعروں کی سرپرستی کی جارہی ہے جہاں تک جمعیت علماء پاکستان کا تعلق ہے ہم کسی پابندی کی پرواہ نہیں کریں گے مولانا کے ردعمل کے فوراً بعد مذہبی جلسوں پر بھی پابندی لگا دی گئی...... مولانا نے سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس پابندی کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ڈیڑھ سو سالہ انگریزی دور اور پاکستانی دور میں ان پابندیوں کی نظیر نہیں ملتی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے سیاست دانوں سے گفت وشنید کا سلسلہ جاری رکھا 7 فروری کو ایم آر ڈی کے ترجمان کی حیثیت سے مسلم لیگ کے لیڈر خواجہ خیرالدین، مولانا سے ملاقات کرنے آئے...... چند روز پیشتر ایم آر ڈی والوں نے مولانا سے مزید مذاکرات نہ کرنے کا اعلان کیا تھا...... خواجہ خیرالدین نے اس بیان پر معذرت بھی کی اس ملاقات میں مولانا نورانی نے اپنے چھ نکاتی ''پیکج ڈیل'' کی وضاحت کی...... مولانا کا فارمولا یہ تھا کہ خالصتاً غیر فوجی نمائندوں پر مشتمل ایک نگران حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے......اور نگران حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں۔

Marfat.com

ا۔ مارشل لاء کا کوئی نیا ضابطہ نافذ نہ کیا جائے۔

۲۔سرسری سماعت کی تمام فوجی عدالتیں توڑ دی جائیں۔

۳۔عبوری آئین کا حکم ختم کردیا جائے۔

۴۔عدلیہ کے اختیارات بحال کئے جائیں۔

۵۔سنسرشپ کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔

۶۔ سیاسی جماعتوں سے مکمل طور پر پابندیاں اٹھالی جائیں اور سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جائے۔

مولانا نورانی نے اپنے فارمولے پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ نگران حکومت الیکشن کمیشن سے رائے دہندگان کی فہرست تیار کرنے کے لئے کہے جبکہ سیاسی جماعتیں صرف اس شرط پر اقتدار میں شریک ہوں کہ معینہ مدت کے اندر عوام کے نمائندوں کو منتقل کردیا جائے گا۔ نگران حکومت کے لئے قومی سطح کی آٹھ یا نو جماعتیں مدعو کی جائیں۔ جنہوں نے 1970ء یا 1977ء میں پارلیمنٹ میں قوم کی نمائندگی کی۔

یہ منصوبہ بعد میں جمعیت علماء پاکستان اور مسلم لیگ کی طرف سے باضابطہ طور پر حکومت تک پہنچا دیا گیا، جنرل ضیاء کی حکومت اپنے فیصلے کس طرح بدلتی تھی اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 8 فروری کو وزیر اطلاعات ونشریات راجہ ظفرالحق نے بیان دیا کہ عام انتخابات اب چند مہینوں کی بات ہے۔ جبکہ 10 فروری کو جنرل ضیاء کی کابینہ نے فیصلہ کیا کہ سیاسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی جاسکتی...... کابینہ کے اس فیصلہ کو مولانا نورانی نے مایوس کن قرار دیا اور کہا کہ اس سے زیر زمین سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہوگی حکومت کو چاہئے کہ وہ موجودہ بحران پر قابو پانے کے لئے مثبت اقدامات کرے اور اس میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے اگر صحیح اقدامات نہ کئے گئے تو ملک کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کی سالمیت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ سیاسی سرگرمیاں اس لئے ضروری ہیں کہ سیاسی قائدین ملکی مفادات کے تحت ہی سیاسی معاملات پر غور کرتے ہیں اس سے قبل کہ ملکی سالمیت شدید خطرات کا شکار ہوجائے صحیح سمت میں قدم اٹھانا ہوگا۔ کیونکہ اب تخریب کار اپنی سرگرمیاں تیز کردیں گے اور قانون کی پابندی کرنے والی محب وطن سیاسی جماعتیں ان کے سامنے بے بس ہوں گی ظاہر ہے کہ خوشامدی افراد پابندی کا ہی مشورہ دے سکتے ہیں تاکہ ان کی نوکریاں برقرار رہیں۔

Marfat.com

مولانا شاہ احمد نورانی سیاستدانوں کی طرف جس مشترکہ لائحہ عمل کا اعلان کرنا چاہتے تھے اس سلسلہ میں ورکنگ پیپر کی تیاری کا کام انہوں نے پروفیسر شاہ فریدالحق کو تفویض کیا۔ یہ ورکنگ پیپر مولانا نورانی کے چھ نکات ایم آر ڈی کے چار نکات اور سردار شیر باز مزاری کے آٹھ نکات کی بنیاد پر تیار کیا گیا تھا۔ ورکنگ پیپر کی تائید تمام قابل ذکر سیاسی رہنماؤں نے کی اس پیپر میں سرفہرست سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ رکھا گیا دیگر نکات میں اخبارات سے سنسر شپ کا مکمل خاتمہ، عارضی دستوری فرمان کی تنسیخ، فوجی عدالتوں کا خاتمہ، عدلیہ کے تمام اختیارات کی بحالی، مجلس شوریٰ- کا خاتمہ اور سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کو شامل کیا گیا۔

چونکہ مولانا شاہ احمد نورانی سیاسی محاذ پر نمایاں سرگرم عمل تھے اس لئے عبوری حکومت کے لئے مولانا نورانی کے وزیر اعظم بننے کی افواہ پھیل گئی۔ یہ افواہ پھیلتے ہی مولانا سے فون پر رابطے شروع ہوگئے۔ حتی کہ اخبارات کے نمائندگان نے بھی تصدیق یا تردید کے لئے پوچھنا شروع کردیا نوائے وقت کے نمائندہ نے جب رابطہ قائم کیا تو مولانا اس وقت سویڈن کے ایک صحافی کو انٹرویو دے رہے تھے مولانا سے وزیر اعظم بننے کی افواہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ صبح سے کئی صحافی پہلے بھی فون کرکے دریافت کرچکے ہیں وجہ کیا ہے؟ نمائندہ نے بتایا کہ یہ خبر شہر میں گرم ہے۔ مولانا نے جواب دیا ''یہ بڑی بری خبر ہے'' دراصل یہ افواہ ایک مخصوص گروہ کی طرف سے مولانا کی سیاسی اتحاد کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لئے پھیلائی گئی تھی۔

ایک طرف جنرل ضیاء منظم طریقے سے اپنے خوشامدی حلقے سے یہ کہلوا رہے تھے کہ 1973ء کے آئین اور اس کے تحت اسمبلی کی کوئی حیثیت نہیں مثلا خواجہ صفدر نے ایک جلسہ عام میں کہا کہ...... مارشل لاء کی مجلس شوریٰ بھٹو دور کی قومی اسمبلی سے بہتر ہے سندھ کے سینئر وزیر میر رسول بخش تالپور نے کہا کہ 1973ء کا آئین اور اس کے تحت اسمبلی بنانے والے مفاد پرست اور غاصب تھے آئین ختم کرکے انہیں سیاست سے نکال دینا چاہئے ظہور الحسن بھوپالی نے بیان دیا کہ ملک کو انتخابات کی نہیں مضبوط حکومت کی ضرورت ہے شوریٰ کے ایک اور رکن قاضی فضل اللہ نے کہا کہ آج بھی حالات 1971ء جیسے ہیں انتخابات کے لئے فضاء سازگار نہیں دوسری طرف جنرل ضیاء نے خود اپنی زبان سے سیاستدانوں کی کردارکشی شروع کردی اور اپنی برتری کا اظہار کیا جانے لگا...... انہوں نے کہا کہ حکومت نے ساڑھے چار برس کے دوران کوئی

غلطی نہیں کی...... عام انتخابات کے لئے ابھی مناسب وقت نہیں آیا...... سیاستدانوں کے بیانات سے یوں لگتا ہے جیسے انتخابات کل ہونے والے ہیں البتہ سیاست میں شائستگی پیدا ہونے پر سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دے دی جائے گی سیاستدان خود کو دوسروں سے زیادہ اہم یا عقلمند نہ سمجھیں......

جبکہ قومی پریس مولانا نورانی کی ان کوششوں کو خراج تحسین پیش کر رہا تھا جن کے ذریعے وہ قوم کو بحرانی کیفیت سے نکالنے کی تگ و دو کر رہے تھے ہفت روزہ اخبار جہاں (15 تا 21 فروری 82ء) میں اسلام آباد کی ڈائری میں "ایک سمجھوتہ جو سب کے لئے ضروری ہے" کے عنوان سے ممتاز صحافی حبیب الرحمٰن نے لکھا "5 جولائی 77ء کو جو اقدامات کئے گئے ان کی توثیق سپریم کورٹ نے اس شرط کے ساتھ کی تھی کہ 73ء کے آئین کے تحت ہی آزادانہ منصفانہ انتخابات جلد از جلد کرائے جائیں گے اور عبوری مدت میں اسی مقصد پر ساری توجہ مرکوز کی جائے گی یہ شرط عائد کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے اعلان کیا تھا کہ 73ء کا آئین ہی ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہے...... مولانا شاہ احمد نورانی نے ارباب اختیار اور سیاستدانوں کے غور و فکر کے لئے موجودہ تعطل کا جو حل 6 فروری 82ء کو تجویز فرمایا ہے اس میں بھی 73ء کے آئین کو قومی یکجہتی کا مظہر قرار دیا گیا ہے حکومت اور ارباب سیاست کے درمیان مفاہمت کے عمل کو آگے بڑھانے کے لئے صدر مملکت اگر مولانا شاہ احمد نورانی کے پیش کردہ فارمولا کو مذاکرات کی بنیاد بنانے پر اپنی رضامندی کا اظہار فرما سکیں تو یقیناً مفاہمت کے امکانات اور زیادہ روشن ہو جائیں گے لیکن حکومت کی طرف سے کسی مثبت ردعمل کا مظاہرہ نہ کیا گیا"۔

2 مارچ 82ء کو مولانا شاہ احمد نورانی کی قیام گاہ پر ملک کی تمام معروف سیاسی پارٹیوں کے لیڈر جمع تھے...... مولانا نے انہیں دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا تھا...... تاکہ پرامن انتقال اقتدار کا طریقہ کار طے کر سکیں ملک کی چار بڑی سیاسی جماعتوں کے جن رہنماؤں نے مولانا نورانی سے مذاکرات کئے ان میں مسلم لیگ کے سربراہ پیر پگاڑا، پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما غلام مصطفٰے جتوئی، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ سردار شیر باز خان مزاری اور تحریک استقلال کے سیکریٹری جنرل مشیر احمد پیش امام شامل تھے...... کھانے کے دسترخوان پر اخباری نمائندگان کو بھی دعوت دی گئی تھی اور انہیں بتایا گیا کہ ہم خوشگوار ماحول میں ملے ہیں یہ خوشگوار لمحات آپ کے سامنے موجود ہیں...... ان میں انشاء اللہ مزید پیش رفت کی توقع ہے ابھی بہت

سے رہنماؤں کو اپنی جماعتوں سے اور بعض کو اپنے سربراہوں سے مشورے کی مزید ضرورت ہے اس لیے بات چیت جاری رہے گی...... تاہم تمام پارٹیاں 1973ء کے آئین کے تحت انتخابات کرانے کے لئے ایک نکتہ پر متفق ہوگئی ہیں ہماری کوشش ہے کہ ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں آگے چل کر مشروط طور پر جمہوریت کی بحالی کے لئے بات کی جاسکے اس موقع پر سردار شیر باز مزاری نے کہا۔ "ہمیں اپنے میزبان مولانا شاہ احمد نورانی پر اعتماد ہے۔ ان کی جمہوریت سے محبت پر یقین ہے اس لئے ہم یہاں آئے ہیں ہمارے دل میں کوئی شکوک وشبہات نہیں ہیں ہمیں پورا اعتماد ہے ہم انہیں برسوں سے جانتے ہیں مختلف آزمائشوں سے ہم اکٹھے گزرے ہیں"۔

اس ضیافت میں پروفیسر شاہ فرید الحق، مولانا محمد حسن حقانی، محمد احمد صدیقی، پاکستان جمہوری پارٹی کے ایک سرکردہ لیڈر محمد ارشد چوہدری اور مسلم لیگ کے محمد خان جونیجو (بعد میں وزیر اعظم) اور پیر صبغت اللہ بھی موجود تھے۔

8 مارچ کو پیپلز پارٹی کے رہنما عبدالحفیظ پیرزادہ نے مولانا نورانی سے طویل ملاقات کی اور سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا ان مذاکرات کے بعد ورکنگ پیپر کے محرک پروفیسر شاہ فرید الحق نے پیپر سے متعلق تمام تر تفصیلات پر مشتمل ڈرافٹ تیار کر کے ایم آر ڈی کے مطالعہ کے لئے دے دیا۔ اس ڈرافٹ میں رکن جماعتوں کے اپنے باقاعدہ انتخابات کے ذریعے قیادت کے تعین کرنے کا ذکر تھا۔ الاؤنس کا ایک سیکریٹریٹ تجویز کیا گیا تھا جو کراچی میں بننا تھا تمام صوبوں کا تفصیلی ڈھانچہ بھی تھا۔ پالیسی ساز مرکزی کمیٹی تجویز کی گئی انہیں دنوں وفاقی وزیر مملکت محمود علی نے سیاستدانوں سے ملاقاتیں شروع کردیں۔ کراچی میں بھی سیاستدانوں سے انہوں نے رابطہ قائم کیا۔ خواجہ صفدر نے کہا کہ حکومت نے محمود علی کو سیاستدانوں سے ملاقاتوں پر مامور کیا ہے۔ جبکہ خود محمود علی نے اس کی تردید کردی۔ نامعلوم خواجہ صفدر نے درون خانہ بات اتنی جلدی میں کیسے فاش کردی؟

11 مارچ کو جمعیت اور لیگ کی مشترکہ کمیٹی نے پروفیسر شاہ فرید الحق کے تیار کردہ ڈیکلریشن پر غور کیا۔ اس کمیٹی کے اجلاس میں مسلم لیگ کی طرف سے پیر پگاڑا اور محمد خان جونیجو جبکہ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر شاہ فرید الحق اور مولانا محمد حسن حقانی نے شرکت کی۔ کئی گھنٹے غور وخوض کے بعد ڈیکلریشن کی منظوری دے دی گئی۔

Marfat.com

دوسرے دن پیر پگاڑا پی ڈی پی کے ارشد چوہدری اور این ڈی پی کے عابد زبیری نے ملاقات کی۔ پیر پگاڑا سے ملاقات میں ان کے ذہنوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ وہ وہاں سے سیدھے ورلڈ اسلامک مشن کے دفتر پہنچے اور مولانا نورانی سے ملاقات کر کے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ مولانا نے انہیں ہر طرح سے مطمئن کیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے جہاں ہر قدم پر جمہوری روایت کی پاسداری کی۔ وہاں اپنی جماعت کے اندر بھی جمہوریت کو فروغ دیا۔ انہوں نے ہمیشہ فیصلے کرتے ہوئے اپنی جماعت کے اراکین شوریٰ و عاملہ کی مشاورت کو ضروری خیال کیا۔ سیاسی رہنماؤں سے مذاکرات کے بعد انہوں نے بذات خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے اپنی جماعت کی جنرل کونسل کا اجلاس 14 مارچ کو طلب کیا تاکہ وہ بننے والے اتحاد کی بابت تمام امور کا جائزہ لے اور یہ بھی فیصلہ کرے کہ کیا جمعیت کوئی ایسا اتحاد قائم کرے جس میں پیپلز پارٹی بھی شامل ہو۔

اس موقع پر اخبار نویس نے سوال کیا کہ حکومت نے آپ کو اپنا اجلاس لاہور میں منعقد کرنے کی اجازت کس طرح دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہے گزشتہ دنوں جماعت اسلامی نے اپنا اجلاس لاہور میں کیا تھا۔ ہم نے سوچا ہم بھی لاہور میں اجلاس کر لیں۔ حکومت نے شرمندگی کی وجہ سے ہمیں اجلاس کرنے دیا۔

جمعیت کے پالیسی ساز اداروں کا مشترکہ اجلاس دو دن جاری رہا اور اس میں زیادہ تر بحث کسی ایسے اتحاد کی تشکیل سے متعلق تھی جس میں پیپلز پارٹی بھی شامل ہو۔ اکثر اراکین کی رائے پیپلز پارٹی کے ساتھ کسی سیاسی اتحاد میں شمولیت سے متعلق بڑی سخت تھی۔ کیونکہ پیپلز پارٹی نے اپنے عہد حکومت میں جمہوریت کا جس طرح مذاق اڑایا تھا اس کا بار بار تذکرہ کیا گیا اور ان وجوہات کی بنا پر مجلس عاملہ و شوریٰ نے کثرت رائے سے پیپلز پارٹی کے ساتھ کسی قسم کے سیاسی اتحاد نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا نورانی نے سیاسی جماعتوں سے وسیع تر مذاکرات میں جزئیات تک طے کرنے کے باوجود اپنی شوریٰ کے فیصلے کو تسلیم کیا اور اخبارات کو یہ خبر جاری کر دی گئی کہ جماعتوں کا اتحاد نہیں ہوگا بلکہ ملکی مسائل پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اجلاس نے جمعیت صوبہ سندھ کے صدر عبدالمصطفیٰ الازہری حافظ محمد تقی اور خلیل احمد چشتی کی رکنیت معطل کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے مارشل لاء کے تحت نامزد ادارے مجلس شوریٰ کی رکنیت قبول کر کے جمعیت کی پالیسی کی خلاف ورزی کی تھی۔ انہیں تیس دن کی مہلت دی گئی کہ

Marfat.com

وہ مارشل لاء حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرلیں۔ اخبارات نے جمعیت کی جمہوریت پسند اصولوں پر مبنی پالیسی کو سراہا۔ سید انور قدوائی نے روزنامہ ''نوائے وقت'' میں یوں تبصرہ کیا۔

''جمعیت علماء پاکستان کے رویہ میں کچھ لچک پیدا ہوئی ہے تاہم ان کا لہجہ تندوتیز ہے۔ جمعیت کی مرکزی مجلس شوریٰ و عاملہ کے دو روزہ اجلاس میں پارٹی کی جنرل کونسل نے پارٹی کے تین اہم ارکان عبدالمصطفےٰ الازہری، حافظ محمد تقی اور خلیل چشتی کو وفاقی کونسل میں شامل ہونے کی وجہ سے پارٹی سے خارج کرنے کا حتمی فیصلہ نہیں کیا بلکہ انہیں سوچ بچار کے لئے تیں دن کی مہلت دی ہے۔ ایک سیاسی مبصر کا کہنا ہے کہ جمعیت کی جانب سے ''سیاسی بصیرت'' کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور اب گیند ان کارکنوں کے کورٹ میں ہے جو پارٹی کے فیصلے کو مسترد کرکے حکومت کی جھولی میں جا بیٹھے ہیں...... اگر جمعیت انہیں پارٹی سے نکال دیتی تو یہ ساری دنیا سر پر اٹھا لیتے اور اس کا رونا روتے کہ وہ کیا کریں...... پارٹی نے انہیں نکال دیا تھا...... اب جمعیت نے سیاسی ترپ مارا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے لاتعلقی کا اعلان نہ کیا ......تو یہ تصور کیا جائے گا کہ ایسے تمام حضرات نے جمعیت سے اپنا تعلق ختم کرلیا ہے...... اس طرح جمعیت کو انہیں پارٹی سے خارج کرنے کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی اور اگر چند ارکان نے اپنی سابقہ پارٹی سے وفاداری کا اظہار کردیا تو یہ ان کا حسن کہلائے گا...... لیکن اس کی توقع کچھ کم ہی ہے جن کو وفاقی کونسل کا رکن بنایا گیا ہے ان کا شجرہ نسب تو شاید غور سے نہیں دیکھا گیا...... لیکن ان کی چھان پھٹک خوب کی گئی ہے...... اس لیے واپسی اب ممکن نہیں ہے''۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے 15 مارچ کو لاہور کے ایک ہوٹل میں استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا کہ حکومت کرنے کا حق عوام کو حاصل ہے اور اس کے حصول کے لئے سابقہ دور حکومت میں عوام نے تحریک چلائی تھی۔ ہم اسلام کا دستور چاہتے ہیں جس میں آزادی تحریر وتقریر اور محاسبہ کرنے کا حق حاصل ہو اور ہم اس دستور کو نافذ کرنے کے لئے ملک بھر میں بھرپور جدوجہد کریں گے۔ آج ملک میں صرف ایک جماعت کی سرپرستی کی جارہی ہے اور اس سے ہاٹ لائن پر رابطہ ہے۔ جو برسراقتدار طبقہ غیر جانبدار نہ ہو اسے حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسلامی نظام میں مارشل لاء کا کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی اسلام کی تاریخ میں ہنگامی حالات نافذ کئے گئے اور نہ ہی انسانی بنیادی حقوق معطل ہوئے۔ یہ کیسا اسلامی

نظام ہے......جس میں اظہار رائے پر پابندی عائد ہے......ہم اس نظام کو نہیں مانتے۔

مارشل لاء حکام مولانا شاہ احمد نورانیؒ کی جمہوری سرگرمیوں کو روکنے کے لئے پنجاب میں بندش یا اور کوئی غیر قانونی اقدام کرتے تو مولانا نورانی کی جانب سے پنجاب ہائیکورٹ میں ڈاکٹر خالد رانجھا ایڈووکیٹ تمام اقدامات کو چیلنج کرتے...... اس وجہ سے جمعیت کے ہر سطح کے عہدیداران ڈاکٹر خالد رانجھا ایڈووکیٹ سے محبت کرتے تھے......

انہیں دنوں جمعیت لاہور کے رکن میاں مسعود نے مولانا نورانی اور ڈاکٹر خالد رانجھا ایڈووکیٹ کے اعزاز میں ایک ہوٹل میں استقبالیہ دیا جس میں اخبار نویسوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس دوران ایک اخبار نویس نے کہا کہ جنرل ضیاء کہتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں نے الیکشن ملتوی کرائے تھے اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ جواباً مولانا نورانی نے کہا کہ جس نے الیکشن ملتوی کرانے کے لئے کہا ہے اسے بے نقاب کیا جائے اور قوم کو اس کے متعلق آگاہ کیا جائے۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ جمہوری عمل کے مخالف کون ہیں؟ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہم نے انتخابات کے التواء کی مخالفت کی تھی اور ہم ہمیشہ انتخابات پر زور دیتے آئے ہیں۔ بقول ان کے الیکشن اس لئے ملتوی کئے گئے تھے کہ حالات ساز گار نہیں تھے لیکن اب تو پانچ سال گزر گئے ہیں کیا اب بھی حالات ساز گار نہیں ہیں؟ اگر ملک میں بحران دور ہوسکتا ہے تو صرف انتخابات کے ذریعے ہی دور ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہم تمام سیاسی جماعتوں سے رابطہ کر رہے ہیں کہ انتقال اقتدار کے کسی فارمولے پر سیاستدانوں کو متفق کیا جاسکے۔

حکومت کے حکم پر لاہور پولیس نے مولانا شاہ احمد نورانی، پیر سید برکات احمد شاہ، پروفیسر شاہ فرید الحق، مولانا عبدالستار خان نیازی، جنرل (ر) کے ایم اظہر خان اور مرکزی مجلس عاملہ کے تمام شرکاء کے خلاف مارشل لاء کے ضوابط 33 اور 48 کے تحت مقدمہ درج کرلیا۔ مارشل لاء کا یہ اقدام حکومت کی جانبداری کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کیونکہ چند روز قبل لاہور ہی میں جماعت اسلامی علانیہ اپنا اجلاس منعقد کرچکی تھی اور اس کے خلاف کوئی ضابطہ حرکت میں نہیں لایا گیا۔

چند دنوں بعد جنرل ضیاء لاہور آئے تو اخباری نمائندوں نے مولانا نورانی کی پریس کانفرنس کے پس منظر میں سیاستدانوں کے باہمی اتحاد اور جمہوریت کی بحالی کے لئے کی جانیوالی کوششوں سے متعلق ان کا ردعمل معلوم کیا تو جنرل ضیاء نے کہا کہ مقصد کے حصول تک مارشل

Marfat.com

لاء برقرار رہے گا، مجھ پر دباؤ ڈالنے کا سوچنے والے غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اگر میں اب الیکشن کرادوں تو 77ء سے بھی بدتر صورتحال پیدا ہوجائے گی۔ میرا ایک مشن ہے۔ جب تک مشن مکمل نہیں ہوجاتا میں اور میرے ساتھی نہیں جائیں گے۔ انہوں نے تلخ لہجے میں اخبارات میں شائع ہونیوالی سیاسی اتحاد کی خبروں پر برہمی ظاہر کی اور اخبار نویسوں کو کہا کہ وہ ایسی ویسی خبریں شائع نہ کریں ورنہ میں تمام اخبارات بند کرسکتا ہوں۔ آپ بھی جلسہ کریں گے تو میں سب کو اندر کردوں گا۔ اس کے جواب میں مولانا نورانی نے کراچی سے بیان دیا کہ نوکرشاہی حکومت کو مسلسل خواب آور گولیاں کھلارہی ہے تاکہ حکومت مسائل کے صحیح ادراک سے محروم رہے اور حالات بد سے بدتر ہوجائیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا حالات کی سنگینی دوچند ہوتی جائے گی اور ایک وقت وہ آئے گا جب مسائل سلجھنے کی بجائے مزید الجھ جائیں گے۔

جب ملک کی تمام قابل ذکر سیاسی پارٹیاں جنرل ضیاء پر انتخابات کا پروگرام دینے کے لئے اصرار کرنے لگیں تو جنرل نے اپنے پرانے شوشے کا اعادہ کیا اور کہا کہ جلد ہی اسلامی سیاسی ڈھانچے کا اعلان کردیا جائے گا۔ طریق انتخاب کے بارے میں ابھی حتمی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ انتخابات کو فی الحال بھول جائیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ ویسے بھی ہم چاہتے ہیں کہ انتخابات کے نتیجہ میں ایسی حکومت قائم ہو جو ملک وقوم کی صحیح خدمت کرسکے۔ ہم کتے کا پلا بھی خریدنا چاہیں تو اس کی نسل دیکھتے ہیں۔ لیکن ان آدمیوں کے شجرہ نسب کی پرواہ نہیں کرتے جنہیں ہماری حکومت چلانی ہے۔

جنرل ضیاء نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ایک نئی بحث چھیڑدی تاکہ سیاستدان اس میں الجھ جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ابھی یہ طے ہونا باقی ہے کہ آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوں گے یا نہیں؟ اور کیا جماعتی نظام اسلامی ہے؟ اس پر مولانا عبدالستار خان نیازی نے گجرات سے پالیسی بیان جاری کیا کہ جنرل ضیاء اگر انتخابات نہیں کروانا چاہتے تو وہ اپنے بارے میں ریفرنڈم کرالیں تاکہ حقیقی صورتحال عوام کے سامنے آسکے۔ کیونکہ سیاسی جماعتوں کی بجائے امیدواروں کو ذاتی طور پر الیکشن میں حصہ لینے کے لئے کہا گیا تو وہ اپنی کامیابی کی خاطر مقامی اختلافات اور تعصبات کو بڑھائیں گے۔ جس غیر جمہوری انداز میں موجودہ حکومت کا ڈھانچہ قائم ہوا ہے اور جس قسم کے عناصر پر مشتمل مجلس شوریٰ قائم ہوئی ہے اور سب سے بڑھ کر اسلام کے اصول مسئولیت اور شورائیت کا جس طرح استحصال کیا گیا ہے ان سب کا نقصان نظریہ

Marfat.com

پاکستان اور نظام اسلام کو پہنچے گا۔ صدر مملکت بے شک اس وقت طاقت کا سرچشمہ ہیں، ان کا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے، عدلیہ، انتظامیہ ان کے سامنے بے بس ہیں، لیکن انہیں کسی طرح یہ حق نہیں پہنچتا کہ چند دیوانی اور فوجداری قوانین میں تبدیلی لا کر اور زکوٰۃ وعشر کی وصولی کو اسلام قرار دے کر ایک مذہبی کھلونا لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیں۔ ان کے اس عاقبت نااندیشانہ اقدام سے جو خطرات ملک کو درپیش ہوں گے ان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو چاہئے کہ سیاسی سرگرمیاں فوری طور پر بحال کریں۔ عدلیہ کے وقار کو بحال کریں اور پریس سے پابندیاں ہٹائیں۔ اپنے مقام اور مرتبہ سے آگے نہ بڑھیں۔ اسلام کی تشریح وتفسیر کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں۔

جنرل ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے پھر ایک اور رخ بدلتے ہوئے 1982ء میں غیر جماعتی بنیاد پر انتخابات کرانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ قومی اخبارات نے اس خفیہ فیصلے کو عوام پر ظاہر کردیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی مئی کے آخر میں ملتان کے دورے پر آئے تو یہاں اخبار نویسوں نے غیر جماعتی انتخابات کے فیصلہ کے متعلق ان کا موقف دریافت کیا۔ جس پر مولانا نورانی نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ بار بار حکومت کے موقف میں تبدیلی قوم کے ذہنوں میں انتشار کا سبب بن رہی ہے۔ حالانکہ قوم سے وعدہ کے مطابق 1977ء کے انتخابات 90 دن بعد ہونے تھے اور وہ بھی جماعتی بنیادوں پر جبکہ جو انتخابات 1979ء میں ملتوی کئے گئے وہ بھی جماعتی بنیادوں پر تھے اب غیر جماعتی فارمولا جماعت اسلامی کے لئے بنایا گیا ہے کیونکہ حکومت کو یقین ہے کہ یہ جماعت کبھی بھی انتخابات میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ جماعت جمہوری عمل کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہے۔ جبکہ بھارت اور روس کے مقابلے کے لئے منتخب جمہوری حکومت کا قیام ناگزیر ہے جو نام نہاد مجلس شوریٰ بنائی گئی وہ سیاسی یتیموں کا ٹولہ ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ہر لمحہ اپنے دلائل اور اعلیٰ سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مارشل لاء کے اقدامات کو غلط قرار دیا۔ انہوں نے ملک بھر میں دوروں کا عمل مشکل حالات کے باوجود جاری رکھا تاکہ جمہوریت کے لئے وردی والے برسراقتدار ٹولہ کو مجبور کیا جائے اور انہیں جمہوریت کش اقدامات سے روکا جائے۔ جون میں مولانا نورانی نے راولپنڈی پریس کلب میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے ضیاء الحق کے اس موقف کو غلط قرار دیا کہ ''جمہوریت اسلام میں نہیں ہے''۔ انہوں نے صاف الفاظ میں کہا کہ جمہوریت اور اسلام دونوں ایک ساتھ چل

Marfat.com

سکتے ہیں۔ لہذا 1973ء کے آئین کے تحت فوری طور پر انتخابات کا انعقاد ہونا چاہئے۔ حکومت یہ سمجھتی ہے کہ مجلس شوری قائم کر کے اس نے اسلام کی خدمت کی ہے۔ لیکن اسلام میں نظر بندی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ائیر مارشل اصغر خان اور نواب زادہ نصراللہ خان کو کس جرم میں نظر بند کیا گیا ہے۔ ان کو فوراً رہا کرنا چاہئے۔ مارشل لاء نے جماعت اسلامی کے سوا کسی سیاسی جماعت کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی اور جماعت اسلامی ہمیشہ مارشل لاء کے دور میں پروان چڑھتی ہے۔

نام نہاد مجلس شوریٰ کے وجود میں آنے کے بعد سیاسی مبصرین یہ توقع کر رہے تھے کہ سالانہ قومی بجٹ شوریٰ میں پیش کیا جائے گا۔ لیکن وزیر خزانہ غلام اسحاق خان نے نہ صرف یہ بجٹ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پیش کیا بلکہ وضاحتاً کہا کہ مجلس شوریٰ ایک نامزد ادارہ ہے اس میں غیر نمائندہ لوگ ہیں اس لئے میں نے ملک کے ساڑھے آٹھ کروڑ عوام کے سامنے بجٹ پیش کیا ہے۔ وزیر خزانہ کے ان ریمارکس سے حکومت کی نظر میں نامزد ادارہ کی وقعت اور اہمیت واضح ہوگئی۔ جبکہ ملک کے سیاسی حلقے اور مدبرین اس کو مکمل طور پر پہلے ہی مسترد کر چکے تھے۔ وزیر خزانہ کے مندرجہ بالا بیان نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ جس پر شوریٰ کے نامزد ارکان نے اس کھلم کھلا بے عزتی پر احتجاج کیا۔ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے کہا کہ وزیر خزانہ نے یہ ریمارکس دے کر ہماری توہین کی ہے۔ جواباً چیئرمین خواجہ صفدر نے کہا ''آپ کی تو عزت افزائی کی گئی ہے''۔ (یعنی ممبر شب دے کر اعزاز بخشا گیا ہے) ان ریمارکس پر ظہور الحسن بھوپالی نے کہا:

''جناب! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس سے پہلے ہم عقلمند نہیں تھے۔ اس سے ہماری توہین ہوئی ہے۔ ہم اپنے کیریئر داؤ پر لگا کر آئے ہیں۔ اپنا مذاق اڑانے اور توہین کروانے یہاں نہیں آئے''۔ چیئرمین نے سختی سے کہا کہ اس سلسلہ کو بند کیا جائے۔ آئندہ میں اس قسم کی مداخلت کی اجازت نہیں دونگا۔ اس طرح نامزد شوریٰ کے ارکان کو ان کی ''اوقات'' پر رکھا گیا۔ کیونکہ وہ اپنی اپنی جماعتوں سے اقتدار کے لالچ میں بے وفائی کر کے آئے تھے۔ مجلس شوریٰ کی حالت اتنی کمزور اور خراب تھی کہ اجلاس میں ''خفیہ ایجنسی'' والے ہال میں آ کر کارروائی نوٹ کرتے تھے تاکہ ارکان مارشل لاء کے خلاف کوئی بات نہ کر سکیں۔ ایک روز کارروائی کے دوران ایک رکن شوریٰ نے چیئرمین کو مخاطب کر کے کہا کہ ہال میں کچھ نئے چہرے نظر آ رہے ہیں۔ ان سے حلف لیں اور اگر غیر متعلقہ ہیں تو انہیں ہال سے باہر بھیجا جائے۔ چیئرمین نے حکم دیا کہ جو

Marfat.com

لوگ ایوان کے رکن نہیں وہ باہر چلے جائیں۔ مگر ایجنسی کے ''کارندوں'' نے اس حکم کی پروانہ کی اور بیٹھے رہے۔ دوسری بار پھر کہا گیا مگر وہ نہ اٹھے۔ آخر تیسری بار چیئرمین نے منت کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ سرکاری ڈیوٹی پر ہیں تو باہر جا کر ڈیوٹی دیں۔ انہیں یہاں بیٹھنے کا حق نہیں پہنچتا۔ ان واقعات نے مولانا شاہ احمد نورانی کے اس بیان کو درست ثابت کر دیا کہ مجلس شوریٰ ''سیاسی یتیموں کا ٹولہ ہے'' کیونکہ اب ان کا نہ تو سابقہ پارٹیوں میں کوئی مقام رہا تھا اور نہ ہی حکومت کی نظر میں کوئی وقار۔ وہ محض مارشل لاء کے ڈھنڈورچی بن گئے تھے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے جمعیت سے مارشل لاء کے ہم خیال دوستوں کو رخصت کر کے ایک دفعہ پھر سیاستدانوں کی گول میز کانفرنس کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں اگست کے شروع میں تحریک استقلال کے سیکریٹری جنرل مشیر احمد پیش امام نے مولانا نورانی سے ملاقات کی اور بعد میں وہ غلام مصطفےٰ جتوئی سے ملے۔ اخبار نویسوں نے مولانا سے ان ملاقاتوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ سیاستدانوں کی کانفرنس کے سلسلہ میں تیاریاں شروع ہیں اور 1970ء کی قومی اسمبلی میں شامل جماعتوں سے بات چیت اور ایجنڈہ طے ہو جائے گا۔

مولانا شاہ احمد نورانی بلوچ راہنماؤں سے مذاکرات کے لئے اگست کے آخری ہفتہ میں کوئٹہ پہنچے تا کہ بلوچستان کے سیاسی زعماء کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دیں۔ یہاں انہوں نے بتایا کہ ان سیاستدانوں کو بھی بطور مبصر شرکت کی دعوت دی جائے گی جو کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں۔ جبکہ ہماری تجویز یہ تھی کہ ان سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو شریک کیا جائے جو 1970ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی میں پہنچی تھیں۔ لیکن دیگر پارٹیوں سے صلاح مشورے کے بعد طے پایا ہے کہ آزاد سیاستدانوں کو بھی بحیثیت مبصر بلایا جائے گا۔ ان آزاد سیاستدانوں میں نواب محمد اکبر خان بگٹی بھی شامل ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کانفرنس میں شرکت کے لئے پیپلز پارٹی، مسلم لیگ کے تمام گروپ، تحریک استقلال، این ڈی پی اور پی این پی سمیت تمام جماعتوں سے رابطہ قائم ہے اور جماعت اسلامی کے علاوہ تمام جماعتوں نے اصولاً شرکت پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ کانفرنس کا ایجنڈا طے کر لیا گیا ہے جو مختصر ہے اور اس میں 73ء کے آئین کے تحت انتخابات کرانے پر زور دیا گیا ہے۔ ہم نے حکومت کو بتا دیا ہے کہ اس سے کسی بھی سطح پر اس وقت تک بات چیت نہیں ہو گی جب تک مذاکرات کا ایجنڈا پیشگی تیار نہ ہو۔ مولانا نورانی کا کوئٹہ کا دورہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ سٹی مجسٹریٹ ایک D.S.P کے ہمراہ مولانا نورانی کے

Marfat.com

ہوٹل میں آئے اور انہیں حکومت بلوچستان کا وہ حکم دکھایا جس کے تحت ان کے بلوچستان میں قیام پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ سرکاری آفیسران نے مولانا سے کہا کہ وہ ان کے ہمراہ قریبی ریسٹ ہاؤس تک چلیں رات قیام کے بعد کل انہیں کراچی بھیج دیا جائے گا۔ لیکن مولانا نے کہا کہ وہ رات ہوٹل میں ہی ٹھہریں گے مگر وہ نہ مانے اور انہیں اپنے ساتھ لے گئے چونکہ مولانا نورانی رات ریسٹ ہاؤس میں نہیں رہنا چاہتے تھے اس لئے انہیں سڑک کے ذریعے جیکب آباد جاکر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ سیاست دانوں سے مذاکرات نہ کرسکیں اور حکومت کی خواہش کے مطابق سیاستدانوں کی گول میز کانفرنس منعقد نہ ہوسکے اس قسم کے بھونڈے اقدامات سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حکومت کے عزائم کیا ہیں۔

کوئٹہ بدری کے بعد واپسی پر مولانا نورانی پیر پگاڑا سے مذاکرات کے لئے ان کے آبائی گاؤں پیر جو گوٹھ گئے۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ پیر پگاڑا کے مشورہ سے یہ طے ہوا ہے کہ کانفرنس ستمبر میں کراچی میں بلائی جائے گی اور سیاستدانوں کی کانفرنس میں 1973ء کے آئین پر دستخط کرنے والی سیاسی پارٹیاں شرکت کریں گی اور یہ کانفرنس طے کرے گی کہ حکومت نوے (90) دن کے اندر اندر انتخابات کرائے۔ ہم غیر جماعتی الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے......البتہ ملک کے موجودہ سربراہ خود انتخاب لڑیں تو ہم بھی الیکشن میں حصہ لیں گے۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے پنجاب میں رہائش پذیر سیاستدانوں سے رابطے کے لئے 10 ستمبر تا 18 ستمبر پروگرام ترتیب دیا گیا۔ ابھی دورے کی تیاریاں کی جارہی تھیں کہ چار ستمبر کو مولانا سے کراچی میں گورنر پنجاب کے ایک حکم کی تعمیل کروائی گئی جس کی رو سے صوبہ پنجاب میں ان کے داخلے پر 90 دن کے لئے پابندی لگادی گئی تھی۔ مولانا نورانی نے اس پابندی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت سیاستدانوں کی کانفرنس سے خوفزدہ ہے۔ اس لئے رکاوٹیں کھڑی کررہی ہے۔ انہوں نے حیدرآباد میں استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیاستدانوں نے ہمیشہ ملک کے استحکام اور سالمیت کے لئے جذبہ حب الوطنی سے کام لیا ہے۔ 1973ء میں ٹوٹے ہوئے ملک کو جوڑنے اور ایک آئین پر مایوس و منتشر قوم کو متحد کرنے کا فریضہ سیاستدانوں نے ہی انجام دیا تھا۔ سیاستدانوں نے 1977ء کی عظیم تحریک غیر نمائندہ اسمبلی توڑ کر از سر نو انتخابات کرانے اور نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے چلائی تھی۔ لیکن یہ دونوں مقاصد ابھی تک حاصل نہیں ہوسکے اور اب مارشل لاء کے ذریعہ اسلام لانے کی بات کی جارہی ہے اسلام مارشل

Marfat.com

لاء کے ذریعے نہیں آیا اور نہ ہی مارشل لاء کے ذریعے اسلام نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اصل میں پاکستان کو ''مسائلستان'' بنادیا گیا ہے۔ ملک میں بدامنی انتشار، چوری اورڈکیتی کی وارداتیں بڑھ رہی ہیں اورایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پولیس عوام کی بجائے صرف بڑے افسروں کی حفاظت پر مامور ہے۔ عوام کی جان ومال کا کوئی تحفظ نہیں۔ لیکن آئی جی، ڈی آئی جی، اورایس پی کے بنگلوں پرپولیس گارڈ موجود ہیں۔ ستمبر میں کراچی بار ایسوسی ایشن کے بیس ممتاز وکلاء نے مولانا نورانی کی جمہوری جدوجہد کوخراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریک نظام مصطفٰے میں شمولیت کا اعلان کیا۔ انہوں نے رضا لائبریری کراچی میں اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مولانا شاہ احمد نورانی کی ولولہ انگیز قیادت میں قدم بہ قدم جدوجہد کریں گے (ان دنوں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی تھی اس لئے جمیعت کا تنظیمی کام تحریک نظام مصطفٰے کے نام سے کیا جارہا تھا) مولانا نورانی نے بحالی جمہوریت کی جدوجہد کے لئے جمیعت کا موقف بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے ہمیشہ جمہوری عمل کی بحالی کے لئے آواز بلند کی ہے اور اقتدار کوٹھکرایا ہے۔ جبکہ آج بھی جمیعت علماء پاکستان پرمختلف طریقوں سے حکومت میں شمولیت کے لئے دباؤ ڈالا جارہا ہے پروفیسر شاہ فریدالحق کو وفاقی وزیر بنانے کی پیش کش کی گئی تھی۔ لیکن ہم نے مسترد کردی۔ اس موقع پر مولانا نے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں وکلاء کی جدوجہد کی بھی تعریف کی اور کہا کہ پاکستان کی بقاء اور جمہوریت کا استحکام، جبرواستبداد کے خاتمہ اور قانون کی بالادستی کے لئے وکلاء کی خدمات ناقابل فراموش ہیں...... اوریہ پاکستان کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے جس کی عظمت کو آئندہ نسلیں بھی ممنونیت کے جذبات کے ساتھ یادرکھیں گی۔

مولانا نورانی کے مزاج میں پائی جانیوالی جمہوریت پسندی سرکاری رکاوٹوں کی وجہ سے مزید شدت اختیار کررہی تھی۔ وہ کسی بھی تقریب میں جاتے توبحالی جمہوریت کی ہی بات کرتے مارشل لاء حکومت جتنے راستے بند کرتی تھی وہ اتنے ہی راستے مزید کھول لیتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی 43 ویں برسی کے موقع پر جمیعت کراچی کے زیراہتمام جلسہ سے صدارتی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظمؒ کوخراج عقیدت پیش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ملک میں انتخابات کرائے جائیں اور اقتدار منتخب نمائندوں کومنتقل کیا جائے۔ آج کا پاکستان وہ پاکستان نہیں رہا جو بابائے قوم چھوڑ گئے تھے۔ قائداعظمؒ کے پاکستان میں قوم کو بنیادی حقوق حاصل تھے۔ آزادی تحریر وتقریر اور ملک چلانے کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق تھا اور

عدلیہ آزاد تھی۔ لیکن آج وہی حقوق جن کے لئے ملک قائم ہوا عوام کو حاصل نہیں۔ ملک میں محب وطن افراد کو قلعوں اور کیمپوں میں اذیت دی جارہی ہے۔ ہماری آنے والی سات پشتوں کو غیر ملکی قرضوں کے عوض گروی رکھ دیا گیا ہے۔ عوام بے روزگاری کا شکار ہیں اور انہیں بدترین مالی بحران کا سامنا ہے۔

ستمبر کے آخر میں مسلم لیگ کے راہنما کنور قطب الدین نے پیر پگاڑا اور دوسرے سیاسی لیڈروں کے اعزاز میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں پروفیسر شاہ فریدالحق اور جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد بھی شریک ہوئے۔ یہاں پیر پگاڑا نے سیاستدانوں کی کانفرنس میں تاخیر کا سبب، مولانا شاہ احمد نورانی کے دوسرے شہروں میں داخلے پر پابندی اور اپنا کراچی میں نہ ہونا بیان کیا۔ اور کہا کہ ایک دو کے سوا تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں سے بات ہوچکی ہے۔ اور انہوں نے شمولیت پر رضامندی بھی ظاہر کردی ہے۔ جب ان سے پوچھا کہ کیا جماعت اسلامی کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی اور کیا مولانا نورانی جماعت کے راہنماؤں سے اس سلسلے میں ملیں گے؟ تو پروفیسر شاہ فریدالحق نے پروفیسر غفور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان سے تو آج بات ہوگئی ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کانفرنس میں ملک کی تمام قابل ذکر جماعتیں شرکت کریں۔ جس میں پروفیسر صاحب کی جماعت اسلامی بھی شامل ہے۔ لیکن درحقیقت جماعت اسلامی اس کانفرنس کے انعقاد میں مخلص نہ تھی اور پھر مولانا نورانی پر ملک کے دوسرے حصوں میں جانے پر پابندی تھی۔ اس لئے یہ کانفرنس جو ستمبر میں ہونا تھی کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کردی گئی۔

تاہم مذاکرات کی سطح پر اس کے انعقاد کی کوششیں تیز تر کردی گئیں۔ کیونکہ ملک کے تمام سیاسی حلقے اس کے فوری انعقاد کے خواہاں تھے۔ پیر پگاڑا نے اس سلسلہ میں مولانا شاہ احمد نورانی، شاہ فریدالحق اور پروفیسر غفور احمد کو اپنے ہاں ڈنر پر مدعو کیا۔ مولانا نورانی تو شریک نہ ہوسکے لیکن پروفیسر شاہ فریدالحق، پروفیسر غفور احمد اور پیر پگاڑا نے مجوزہ کانفرنس کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ دوسرے دن پیر پگاڑا نے مولانا نورانی سے الگ ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد انہوں نے بتایا کہ جب تک سیاسی جماعتیں متحد نہیں ہوتیں اقتدار مارشل لاء سے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ ایک تجزیہ نگار کے مطابق غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ پیر پگاڑا بے حد سنجیدہ تھے۔ آخر یہ مسلسل محنت رنگ لائی اور اکتوبر میں اس کانفرنس کے متعلق تمام تفصیلات طے کرلی گئیں۔ فیصلہ

Marfat.com

کیا گیا کہ تمام قابل ذکر سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو دعوت نامے بھیجیں جائیں گے اور یہ تعداد دو درجن کے قریب تھی۔ سیاسی حلقوں میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ یہ کانفرنس مولانا نورانی اور پیر پگاڑا مشترکہ طور پر طلب کررہے ہیں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ مولانا نورانی اس کے محرک تھے اور یہ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے طلب کی جارہی تھی اور اس سلسلہ میں اخبارات کے ذریعے وضاحت کر دی گئی کہ جمعیت علماء پاکستان ہی یہ فیصلہ کرے گی کہ کس کو کانفرنس میں دعوت دی جائے اور کس کو نہ دی جائے۔ اس مسئلہ پر جمعیت اور مسلم لیگ کے درمیان اختلاف رائے بھی پیدا ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں جمعیت لیگ اتحاد زیادہ فعال نہ رہ سکا تھا اور 1973ء کے آئین کے متعلق پیر پگاڑا کا موقف بھی اس اتحاد کو دیرپا نہ رکھ سکا پیر پگاڑا جماعت اسلامی کو ہر حالت میں کانفرنس میں شریک کرنے پر بضد تھے۔ جبکہ جماعت کا رویہ کانفرنس کے بارے میں معاندانہ تھا۔ حالانکہ خود پیر پگاڑا لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کے استقبالیہ میں کہہ چکے تھے کہ ایسی ہم خیال جماعتوں کو مدعو کیا جائے گا۔ جو اخلاقی اقدار اور قانون کی بالادستی پر یقین رکھتی ہیں۔ جبکہ جماعت کے نزدیک مارشل لاء کی بالادستی ہی مناسب تھی اور جماعت والے اس کانفرنس کو سیاسی ڈھونگ قرار دے رہے تھے۔ قاضی حسین احمد نے کہا کہ گول میز کانفرنس محض پروپیگنڈہ ہے۔ کچھ لوگ اپنے آپ کو نمایاں کرنے اور اہمیت جتانے کے لئے کررہے ہیں۔ اس کے باوجود جماعت اسلامی کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ مولانا نورانی یہ چاہتے تھے کہ کانفرنس سے قبل شرکاء سے اہم امور پر اجمالاً گفتگو کرلی جائے تاکہ کانفرنس میں متفقہ موقف کا اظہار کرنے میں آسانی رہے۔ اس لئے انہوں نے سیاستدانوں سے اپنا رابطہ جاری رکھا۔ اکتوبر کے آخر میں میر غوث بخش بزنجو اور غلام مصطفے جتوئی نے مولانا نورانی سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقاتیں کی۔ ان سے ملاقاتوں میں کانفرنس سے متعلق متعدد امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ غلام مصطفٰی جتوئی سے ملاقات دو گھنٹے جبکہ میر غوث بخش بزنجو سے تین گھنٹے جاری رہی۔ اس لئے وضاحت کے ساتھ تمام معاملات زیر بحث آئے۔ نومبر کے آغاز میں ہی پروفیسر شاہ فرید الحق نے سیاسی راہنماؤں کو ذاتی طور پر جاکر دعوت نامے پہنچانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک خصوصی پیغام رساں کی معرفت دعوت نامہ بیگم نصرت بھٹو کو بھی بھیجا گیا۔ پنجاب کے راہنماؤں کے دعوت نامے جمعیت کی صوبائی تنظیم کے ذریعے تقسیم ہوئے جو کہ جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد پروفیسر غفور احمد، جمعیت علماء اسلام کے مولانا محمد عبداللہ درخواستی کے نام تھے۔

Marfat.com

دعوت نامے کے متن میں مولانا نورانی کی طرف سے یہ الفاظ لکھے گئے تھے:

''ممنون ہوں گا اگر آپ غریب خانہ کو شرف بخشیں اور اپنے معتمد کے ساتھ ماحضر میں شرکت فرمائیں۔ امید ہے مزاج گرامی مع الخیر ہوں گے''۔

دعوت نامے کا یہ متن مارشل لاء کے ضوابط اور مخصوص صورتحال کے پیش نظر مناسب تھا تاکہ مارشل لاء قوانین کی زد میں آئے بغیر سیاستدانوں کا اجتماع ہوجائے لیکن حکومت اور جماعت اسلامی اس کانفرنس کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

میاں طفیل محمد نے اخبارات کو یہ بیان جاری کردیا کہ مولانا نورانی کا دعوت نامہ مبہم ہے اوران کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے انہوں نے شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ 11 نومبر کو گول میز کانفرنس کی تاریخ جوں جوں قریب آرہی تھی حکومتی مشینری اس کانفرنس کو ناکام بنانے کے لئے اسی رفتار سے سرگرم عمل تھی اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس کانفرنس کے انعقاد کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کردی گئیں۔ سب سے پہلے پاکستان نیشنل پارٹی کے سربراہ میر غوث بخش بزنجو کو کراچی بدر کردیا گیا۔ کیونکہ وہ کانفرنس میں شرکت پر آمادگی ظاہر کرچکے تھے۔ اس لئے صوبائی حکومت نے ان کی سرگرمیوں کو مفاد عامہ کے منافی قرار دے دیا اور تین ماہ کے لئے صوبہ سندھ میں ان کے داخلے پر پابندی عائد کردی گئی۔ پولیس کا ایک دستہ انہیں ساتھ لے کر بلوچستان کی سرحد پر چھوڑ آیا۔ اس کے بعد کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والے دیگر سیاستدانوں پر بھی صوبہ سندھ میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی خان عبدالولی خان کے علاوہ نوابزادہ نصراللہ کے نمائندہ ارشد چوہدری کو بھی جو اسلام آباد سے کراچی پہنچنے والے تھے، کو پابندی کا حکم پہنچا دیا گیا۔ ایسا ہی حکم تحریک استقلال کے قائم مقام سربراہ سید منیر شاہ اور پی ڈی پی کے سیکریٹری جنرل رانا ظفراللہ خان کو بھی پہنچا دیا گیا۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے رہنما جنرل (ر) ٹکا خان کراچی پہنچے تو انہیں بھی آمد کے فوراً بعد سندھ سے نکل جانے کا نوٹس دے دیا گیا اوراس طرح یہ گول میز کانفرنس جس کی تیاریاں ایک عرصہ سے جاری تھیں، جس کے انعقاد پر تمام اہم سیاسی پارٹیاں متفق تھیں اور جس میں ملک میں عام انتخابات کے لئے مشترکہ لائحہ عمل طے کیاجانا تھا، مارشل لاء حکومت کی ناروا پابندیوں کی وجہ سے منعقد نہ ہوسکی اور ملک بھر کے سیاستدانوں کے اجتماع کو کالے قوانین کے ذریعے روک دیا گیا۔ جب تمام سیاستدان کراچی سے چلے جانے پر مجبور کردیے گئے تو پھر کانفرنس کا انعقاد بے مقصد ہوگیا اس لیے کانفرنس کے

التواء کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کانفرنس کے التواء میں کچھ سیاسی عناصر کا بھی ہاتھ تھا۔ لیکن بنیادی طور پر یہ حکومتی رکاوٹوں کی وجہ سے منعقد نہ ہوسکی۔ بہرحال اس کا منعقد نہ ہونا سیاسی حلقوں کے لئے ایک المیہ تھا اور جمہوری جدوجہد کرنے والوں کیلئے بہت بڑا دھچکا تھا۔ روزنامہ جنگ نے 12 نومبر کے اداریے میں لکھا:

''جمعیت علماء پاکستان نے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر گول میز کانفرنس کے التواء کا اعلان کردیا ہے۔ یہ کانفرنس گیارہ نومبر کو کراچی میں منعقد ہونے والی تھی جس کے لئے متعدد سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے نام دعوت نامے بھی جاری کردیئے گئے تھے۔ مولانا نورانی اور ان کے ساتھی کئی ماہ سے گول میز کانفرنس کے انعقاد کے لئے زمین ہموار کررہے تھے۔ گذشتہ چند دنوں کے دوران ان کی یہ کوشش انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھیں۔ سیاستدانوں کی ایک خاصی تعداد نے گول میز کانفرنس کی حمایت کی تھی۔ ہم بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہیں گے کہ جمعیت علماء پاکستان کے رہنماؤں اور ان کے ساتھیوں نے جس جذبے اور محنت کے ساتھ گول میز کانفرنس کے انعقاد کے لئے کام کیا اس کے مطابق نتائج رونما نہیں ہوئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس سوال کا تفصیلی جواب تو خود مولانا نورانی ہی دے سکتے ہیں اور انہیں جلد ہی اپنے تجزیے کو سامنے لانا چاہیئے تاکہ وہ تمام لوگ جو گول میز کانفرنس سے دلچسپی رکھتے تھے خود مولانا محترم کی زبان سے ان ناسازگار حالات کا ذکر سن سکیں جو کانفرنس کے التواء کا سبب بنے اور کوئی صحیح رائے قائم کرسکیں۔

ہمارے نزدیک کانفرنس کی ناکامی کا بنیادی سبب کانفرنس کی تاریخ کے اعلان سے پہلے سیاستدانوں کے درمیان بنیادی مسائل پر اتفاق رائے کا پیدا نہ ہونا تھا۔ مولانا نورانی اور ان کے ساتھیوں نے خلوص اور حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ ایک بڑے کام کا آغاز کیا تھا۔ ہم اس کی پوری قدر کرتے ہیں اور ساتھ ہی ہم یہ کہیں گے کہ اس ناکامی سے مایوسی کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ کام صحیح خطوط پر اس تجربے کی روشنی میں بہتر انداز میں دوبارہ شروع کیا جانا چاہیئے''۔

MRD نے 14 اگست سے جمہوریت کی بحالی کے لئے تحریک شروع کرنے کا اعلان کردیا تھا۔ جبکہ جنرل ضیاء نے اگست میں نئے سیاسی ڈھانچے کے اعلان کا وعدہ کررکھا تھا۔ اس صورتحال سے متعلق جب مولانا نورانی کا نقطہ نظر معلوم کیا گیا تو انہوں نے تبصرہ کیا کہ

Marfat.com

ملک کی تمام سیاسی جماعتوں نے متفقہ طور پر جس آئین کو قبول کیا ہے اس میں انتخابات کے طریق کار اقتدار کی منتقلی اور طرز حکومت کے تمام اہم معاملوں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اس لئے مارشل لاء انتظامیہ کو نئے سیاسی ڈھانچے کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔ نیا سیاسی ڈھانچہ درحقیقت آئینی ترامیم کے لئے ہے جس کا مقصد مارشل لاء کو طول دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ آزاد اور غیر جانبدار انتخابات ہی ملک کو موجودہ بحران سے نکال سکتے ہیں۔ کیونکہ سیاسی عمل وطن عزیز کے استحکام اور سلامتی کا ضامن ہے۔ ہم اپنی پارٹی کے اجلاس میں MRD کی تحریک کے اعلان پر غور کریں گے۔ لیکن میں ذاتی طور پر یہ چاہتا ہوں کہ حکومت کو ملک میں کسی ہنگامہ آرائی سے قبل ہی عام انتخابات کے انعقاد کے لئے تاریخ کا اعلان کر دینا چاہئے اور ملک کے بہترین مفاد کی خاطر ضروری ہے کہ غیر یقینی فضا کا خاتمہ کیا جائے۔ کیونکہ سیاسی استحکام کی صورت میں ہی اقتصادی ترقی ہوتی ہے۔

MRD نے 14 اگست سے اپنی جس مہم کا آغاز کیا تھا۔ اس کے لئے اس میں شامل جماعتوں کے لیڈروں نے اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ این ڈی پی کے سربراہ سردار شیر باز مزاری، سیکریٹری جنرل حاجی غلام احمد بلور اور سیکریٹری اطلاعات عابد زبیری نے مولانا شاہ احمد نورانی سے ملاقات کر کے سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ اس ملاقات کے بعد شیر باز مزاری نے کہا کہ ان کے اور مولانا نورانی کے خیالات میں بہت ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور جب بھی جمہوریت کی بحالی کے لئے کوئی تحریک چلی تو مولانا اس سے الگ تھلگ نہیں ہوں گے۔ وہ اس کی حمایت کریں گے۔ سردار مزاری نے کہا کہ جو جماعتیں MRD میں شامل نہیں وہ بے شک اس میں شامل نہ ہوں۔ لیکن جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد کی تائید و حمایت کر کے اپنا کردار ادا کریں اور مولانا نورانی فی الواقع یہ کردار ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے حیدرآباد میں پکا قلعہ کے جلسہ عام میں کہا کہ اگر حاکم منتخب نہ ہو تو اس کا حکم ماننا شرعاً جائز نہیں ہے اور عوام کو ایسے حکمرانوں کیخلاف آواز بلند کرنی چاہئے۔ جب عوام کی قوت احساس ختم کردی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احتسابی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ آجکل اسلامی نعرہ تو لگایا جا رہا ہے مگر عملاً اسلام ابھی تک اسلام آباد میں بھی نافذ نہیں ہوا ہے۔ پورے ملک میں دن دہاڑے چوریاں، ڈکیتیاں، قتل و غارت گری عام ہے۔ انتظامیہ مفلوج ہوگئی ہے۔ ایسی حالت میں عوام کی امانت کو واپس لوٹانا ہی وقت کا اہم تقاضا ہے۔

ملکی صورتحال پر غور کے لئے بلائے گئے جمعیت علماء پاکستان کے اعلیٰ سطحی اجلاس نے اصولی طور پر MRD کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ جمعیت مارشل لاء کی مخالفت کرنے والی واحد منظّم جماعت تھی۔ جو جنرل ضیاء کے پروگرام کا حقیقی معنوں میں پردہ چاک کر رہی تھی اور اسلامائیزیشن کے نام نہاد نعرہ کی حقیقت پر فتویٰ جاری کر رہی تھی۔ یہ اس دور میں سب سے مشکل کام تھا۔ اجلاس کے بعد مولانا نورانی نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ہر ایسی تحریک میں جس کا مقصد ملک میں جمہوریت کی بحالی اور قانون کی حکمرانی ہوگا ان کی جماعت ہمیشہ صف اول میں ہوگی۔ جمعیت علماء پاکستان ماضی میں بھی جمہوری قوتوں کے ساتھ رہی ہے اور مستقبل میں بھی جمعیت ان کی تائید وحمایت کرے گی۔ گذشتہ چھ سالوں میں موجودہ حکومت نے متعدد بار ہمیں اقتدار میں شرکت اور وزارتوں کی پیش کش کی۔ لیکن ہم نے ہمیشہ ان پیشکشوں کو ٹھکرا دیا۔ کیونکہ ہم جمہوریت اور انتخابات کے عمل پر یقین رکھتے ہیں ہم MRD کی مجوزہ تحریک کے مقاصد سے پورے طور پر اتفاق رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بلدیاتی انتخابات کے انعقاد سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

مارشل لاء انتظامیہ نے جس نئے سیاسی ڈھانچے کا وعدہ کر رکھا تھا اس کی تشکیل کے لئے ظفر احمد انصاری کی سربراہی میں ایک کمیشن تشکیل دیدیا گیا۔ تاکہ اس کی سفارشات کی روشنی میں سیاسی ڈھانچہ تیار کیا جاسکے۔ صاف ظاہر تھا کہ جس کمیشن کا قیام مارشل لاء اور انتظامیہ کی طرف سے نامزدگی سے ہوا تھا وہ اس کی خواہشات کے خلاف سفارشات کیسے تجویز کرتا۔ مولانا نورانی نے اس کے قیام کے متعلق کہا کہ کمیشن مقرر کرنے سے ہمارے شکوک یقین میں بدل گئے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس کمیشن کے ارکان کو فوری طور پر مستعفی ہوجانا چاہئے کیونکہ آئین کی موجودگی میں کسی سیاسی ڈھانچے کی تیاری کرنا آئین کے منافی ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی مارشل لاء انتظامیہ کے ہر اقدام کو ہدف تنقید بنا رہے تھے۔ ان کی یہ تنقید حزب اختلاف کی دیگر جماعتوں کے لئے قوت کا باعث بن رہی تھی۔ کسی بھی مقام پر انہوں نے اصول پسندی کو نظرانداز نہیں کیا۔ انہوں نے تحریک نظام مصطفےٰ کراچی کی جانب سے منعقدہ عید ملن پارٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ منزل تک پہنچنے کی لگن اور جستجو کا جذبہ صادق ہو تو راہ میں آنے والی تکالیف اور مشکلات مزید تقویت کا باعث بنتی ہیں اور اگر منزل نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہو تو مال و دولت اور دنیاوی جاہ و جلال کا لالچ بھی آڑے نہیں آتا۔ کسی وقت شیطان اپنے

Marfat.com

چیلوں کو لے کر اس قافلے سے الگ ہوجاتا ہے مگر اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ سرفراز کرتا ہے۔ ہم نے کبھی اقتدار میں شمولیت کو اہمیت نہیں دی۔ ہم نے 1970ء میں ڈھاکہ کے ملٹری ایکشن کے بعد وزارتوں میں شریک ہونے سے انکار کردیا۔ کیونکہ ہم نہ تو چور دروازے سے اقتدار میں آنے کے خواہشمند تھے اور نہ ہی کسی شرابی کے اقتدار کو طول دینے میں مددگار بننا چاہتے تھے۔ جبکہ اب بھی ہمیں اقتدار میں شامل ہونے کے لئے کہا گیا۔ مگر ہم کسی قیمت پر ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ اس حکومت کا کردار منافقانہ ہے۔ ایک طرف موجودہ حکومت ملک میں نظام مصطفےٰ کی نوید سناتی ہے، دوسری طرف ایک ہندو عورت سے معاہدہ عدم جارحیت کے لئے یقین دہانی کرانے کو تیار ہے۔ تیسری طرف انتخابات کے التواء کی وجہ سے سرحدوں پر پائی جانے والی کشیدگی بتائی جاتی ہے۔

جنرل ضیاء اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام پسند سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے مختلف اسلامی اصطلاحات کا استعمال کررہے تھے تاکہ قوم کو یہ یقین دلاسکیں کہ وہ ملک میں حقیقی نفاذ اسلام کررہے ہیں۔ ان باتوں کا توڑ سیکولر جماعتوں اور سیاستدانوں کے پاس نہ تھا۔ لیکن ان اصطلاحات زدہ اقتدار کو دوام دینے کی پالیسی کو مولانا بے شمار پابندیوں کے باوجود بے نقاب کرتے رہتے۔ تاکہ سچ عوام تک پہنچ سکے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کو کراچی پریس کلب نے خطاب کی دعوت دی۔ کیونکہ اب صرف وکلاء اور پریس کا پلیٹ فارم بچ گئے تھے۔ ورنہ ملک میں آزادی تحریر وتقریر پر مکمل پابندی تھی۔ یہاں بھی مولانا نے مختلف موضوعات پر اپنے سیاسی افکار کا اظہار کیا۔ مولانا نے وضاحت سے اسلام کے شورائی نظام کے متعلق بتایا اور واضح کیا کہ مارشل لاء انتظامیہ مجلس شوریٰ قائم کرکے اسلام کا نام استعمال کررہی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور ڈکٹیٹرشپ ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ اسلام میں ہر فرد کو حکمران کے متعلق خیالات کے اظہار کی آزادی ہے۔ جبکہ مارشل لاء میں ایسا کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ آج بار بار اسلام کا نام لیا جاتا ہے لیکن اسلام اپنے نفاذ کے سلسلے میں مارشل لاء کا محتاج نہیں ہے۔ حکومت انتخابات سے بچنا چاہتی ہے اور سیاست میں فوج کے آئینی کردار کی باتیں کی جارہی ہیں۔ اسلام میں فوج کا کردار صرف یہی ہے کہ وہ دفاعی انتظامات کرے۔ مولانا نے توقع ظاہر کی کہ بالآخر طویل جدوجہد کے بعد ہم انتخابات کروانے میں کامیاب ہوجائیں گے اور مارشل لاء کے نفاذ کے ذمے دار لوگ آئین کے مطابق احتساب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس لئے 73ء کے آئین

Marfat.com

کے آرٹیکل 6 میں وضاحت موجود ہے اور آئین کی خلاف ورزی سے متعلق یہ شق میری اور سردار شوکت حیات کی تجویز پر شامل کی گئی تھی۔

مولانا شاہ احمد نورانی عوامی رابطے کے لئے اگست میں سکھر گئے تو ان سے صحافیوں نے MRD کی حمایت سے متعلق پوچھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ پیپلز پارٹی کے سابقہ دور کی زیادتیوں کی وجہ سے جمعیت علماء پاکستان پیپلز پارٹی سے نفرت نہیں کرسکتی۔ یہ ایک سیاسی جماعت ہے اسلام ہمیں محبت کا درس دیتا ہے۔ اور پھر پی پی میں شریف اور باعزت لوگ بھی شامل ہیں اور اب جبکہ پیپلز پارٹی کے سابقہ دور کی زیادتیوں کی سزا اس کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو کو مل چکی ہے تو اب کوئی جواز نہیں کہ اس کی مخالفت کی جائے۔ ہمارا اور پیپلز پارٹی کا مشترکہ موقف یہ ہے کہ 1973ء کے آئین کے تحت انتخابات کے ذریعے اقتدار عوامی منتخب نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔ اس آئین کی خوبی یہ ہے کہ اسے منتخب اسمبلی نے منظور کیا ہے اور آئین کے نفاذ سے ملکی وحدت اور یکجہتی برقرار رہ سکتی ہے۔ جبکہ موجودہ حکومت ''سندھو دیش'' کا نعرہ لگانے والوں کی سرپرستی کررہی ہے۔ پہلے مارشل لاء نے ''بنگلہ دیش'' کو جنم دیا تھا موجودہ مارشل لاء ''سندھو دیش'' کو جنم دے رہا ہے۔

جنرل ضیاء الحق ایک عرصہ سے جس سیاسی ڈھانچے کا وعدہ کررہے تھے، ۱۲ اگست کو اس کا مجلس شوریٰ کے اجلاس میں اعلان کردیا۔ اس علان میں کہا گیا کہ 1973ء کے آئین میں اس طرح ترامیم کی جائیں گی کہ صدر (ضیاء الحق) کو زیادہ اختیارات دیئے جائیں گے۔ وزیراعظم کا تقرر صدر کرے گا۔ صدر قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرے گا۔ (بعد میں اس کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی) ایک سیکورٹی کونسل کی نوید سنائی گئی جو ہنگامی حالات کا اعلان کرسکے اور اس کے ارکان کو صدر نامزد کرے گا (بعد میں زبردست مخالفت کی وجہ سے اس کونسل کا ارادہ ترک کردیا گیا) 23 مارچ 85ء تک صوبائی اسمبلیوں، قومی اسمبلی اور سینٹ کے انتخابات مکمل ہوجائیں گے۔ بعد میں مارشل لاء اٹھالیا جائے گا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے فوراً اس سیاسی ڈھانچے پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

''قوم صدر ضیاء الحق کے دیے ہوئے سیاسی ڈھانچے کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اور یہ اعلان محض اپنے اقتدار کو طول دینے کا بہانہ ہے۔ یہ اعلان ابہام کا مجموعہ ہے جس میں سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندیاں ختم کرنے کا اعلان بھی نہیں کیا گیا اور آئین کے منافی صدارتی طرز حکومت نافذ

Marfat.com

کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو سیاسی جوڑ توڑ کا منبع ثابت ہوگا''۔

دوسری طرح MRD نے بھی اپنے اعلان کے مطابق 14 اگست سے اپنی تحریک ''بحالی جمہوریت'' شروع کردی۔ اس کے آغاز میں غلام مصطفےٰ جتوئی، مشیر پیش امام اور خواجہ خیرالدین نے مزار قائداعظم پر خطاب کیا اور پھر ریگل چوک میں غلام مصطفےٰ جتوئی اور معراج محمد خان نے ہزاروں کے اجتماع میں اپنی گرفتاریاں پیش کیں۔ بعدازاں MRD کی مرکزی قیادت کو گرفتار کرلیا گیا۔ جبکہ ایئر مارشل اصغر خان اور نوابزادہ نصراللہ خان پہلے ہی سے اپنے اپنے گھروں میں نظربند تھے۔ بعد میں ممتاز بھٹو، بیگم نسیم ولی خان، مشیر پیش امام خواجہ خیرالدین، چوہدری اعتزاز احسن، خورشید محمود قصوری اور راؤ عبدالرشید کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ اگرچہ MRD کی طرف سے گرفتاریوں کی تحریک تقریباً پورے ملک میں چلی لیکن سندھ میں جذباتیت کا عنصر غالب تھا۔ اس تحریک میں کہیں کہیں تشدد کا عنصر بھی شامل ہوگیا تھا۔ املاک کو نقصان پہنچایا گیا اور خون خرابہ بھی ہوا۔ اس قسم کے واقعات زیادہ تر اندرون سندھ میں ہورہے تھے۔ نواب شاہ لاڑکانہ سکھر، میر پور، ماتھیلو، دادو، شکار پور تحریک کے مراکز تھے۔ میر پور ماتھیلو میں ریلوے لائن کاٹ دی گئی نیشنل ہائی وے پر آئل ٹینکروں کو آگ لگا دی گئی۔ دادو میں عدالتی ریکارڈ کو نظرآتش کردیا گیا۔ ابتدائی ہفتہ میں پولیس اہلکاروں سمیت ۱۴ افراد ہلاک ہوئے۔ اس دوران پاکستان دشمن عناصر کو بھی من مانی کرنے کا موقع ملا۔ سندھو دیش کے جلسوں نے جام شورو یونیورسٹی میں پاکستانی پرچم لہرانے پر پابندی لگا رکھی تھی ایک پک اپ وین جس پر پاکستانی پرچم تھا یونیورسٹی میں آئی تو اس کے ڈرائیور کو گولی مار دی گئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ملکی صورتحال پر غور کے لئے جمعیت علماء پاکستان کی جنرل کونسل کا اجلاس لاہور میں 23 اگست کو طلب کیا۔ تاکہ جنرل کونسل کے ارکان بھنور میں پھنسی ہوئی ملک کی کشتی کو نکالنے کے لئے قومی سطح پر کوئی لائحہ عمل مرتب کرسکیں۔ اس دورے میں مولانا نورانی کو لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی دعوت پر وکلاء سے خطاب بھی کرنا تھا۔ مولانا نورانی 23 اگست کی صبح لاہور جانے کیلئے گھر سے نکلے تو ایک مجسٹریٹ اور پولیس حکام نے انہیں حکومت پنجاب کا حکم نامہ پہنچایا جس کے تحت مولانا کے پنجاب میں داخلے پر تین ماہ کے لئے پابندی لگا دی گئی۔ مارشل لاء حکومت مولانا کی مثبت، تعمیری اور قوم کو شعور دینے والی سرگرمیوں سے خوفزدہ تھی۔ اس لئے انہیں ہر صورت میں پابند رکھنا چاہتی تھی ...... حکومتی پابندی کی وجہ

سے جنرل کونسل کے اجلاس کی صدارت پیر سید برکات احمد نے کی۔ اجلاس میں یہ طے ہوا کہ جمعیت علماء پاکستان بھی مارشل لاء قوانین کے خلاف شہری آزادی ، جمہوری حقوق کی بحالی اور نظام مصطفےٰ کے عملی نفاذ کی خاطر جدوجہد جاری رکھے گی۔ یہ فیصلہ بھی دہرایا گیا کہ MRD میں شمولیت اختیار نہ کی جائے گی۔ لیکن MRD کی طرف سے چلائی جانیوالی بحالی جمہوریت تحریک کی حمایت کی جائے گی۔ مگر تحریک کے دوران تخریب کاری کے واقعات کو تشددانہ اقدام قرار دیا گیا۔ اجلاس کے شرکاء نے اس بات پر غم وغصہ کا اظہار کیا کہ حکومت نے سیاسی جماعتوں کے مرکزی دفاتر کو ابھی تک واگزار نہیں کیا اور منجمد فنڈز ابھی تک واپس نہیں کیے گئے۔ اجلاس نے واضح طور پر سیاسی ڈھانچے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ 1973 کے آئین میں سیاسی ڈھانچے کے ذریعے جو ترامیم تجویز کی گئی ہیں ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے جنرل کونسل کے شرکاء نے مطالبہ کیا کہ انتخابات کے پروگرام کو طے کرنے کے لئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سیاسی جماعتوں کی کانفرنس بلائیں۔ تاکہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے بعد جمہوریت کی راہ ہموار ہوسکے۔ اخبارات سے پابندیاں ختم کی جائیں اور صحافیوں کو آزادی سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

ستمبر کے وسط میں مولانا شاہ احمد نورانی اندرون سندھ ہالا گئے۔ جہاں انہوں نے مخدوم محمد زمان طالب المولی سے اڑھائی گھنٹے ملاقات کی۔ مولانا نورانی نے اس ملاقات کو انتہائی مفید اور کامیاب قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم MRD کی تحریک کی حمایت جاری رکھیں گے۔ انہوں نے 28 ستمبر کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو حالات کی سنگینی کا احساس کرنا چاہیئے اور سیاسی جماعتوں سے رابطہ کرنا چاہیئے۔ حکومت کو سب ٹھیک ہے کی رپورٹ مل رہی ہے۔ جبکہ اندرون سندھ حالات تشویشناک ہیں۔ انہیں دنوں حکومت کی طرف سے مولانا نورانی کو مذاکرات کی دعوت دی گئی۔ مولانا نورانی نے اپنے احباب سے مشورہ کے بعد جنرل ضیاء سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ شرط عائد کی کہ مذاکرات سے قبل ایجنڈا طے کیا جانا ضروری ہے۔ حکومت نے اس شرط کو قبول کرلیا۔ مذاکرات کے لئے 10 اکتوبر کی تاریخ مقرر ہوئی ...... اور یہ ایجنڈا طے کیا گیا۔

ا۔ سیاسی جماعتوں کی بحالی

۲۔ عدالتوں کے اختیارات کی بحالی اور فوجی عدالتوں کا خاتمہ

Marfat.com

۳۔ سنسر شپ کا خاتمہ
۴۔ مارشل لاء کا خاتمہ
۵۔ انتخابی شیڈول کا جلد از جلد تعین

مذاکرات کے لئے جمعیت کے وفد کی قیادت مولانا نورانی کر رہے تھے جبکہ پیر سید برکات احمد، مولانا عبدالستار خان نیازی، پروفیسر شاہ فریدالحق، اور ریٹائرڈ جنرل کے ایم اظہر بطور ممبر شامل تھے۔ دوسری طرف حکومت کی جانب سے جنرل ضیاء الحق کی معاونت راجہ ظفرالحق وزیر اطلاعات، علی احمد تالپور، وزیر دفاع اور وزیر داخلہ محمود اے ہارون کر رہے تھے۔ مولانا نورانی اور ان کے رفقاء نے سیاسی جماعتوں کی بحالی کے نقطہ پر سب سے زیادہ زور دیا اور یہی ایجنڈے کا اولین آئیٹم تھا۔ جنرل ضیاء نے ان مذاکرات میں جمعیت کے نکات کو منطق اور وزنی قرار دیا اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ وہ عنقریب جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، اور پاکستان مسلم لیگ سے مذاکرات کریں گے۔ ان کے بعد این ڈی پی اور تحریک استقلال کے رہنماؤں سے بھی ملاقات کی جائے گی، جنرل ضیاء الحق نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ بعد میں ان نکات کی روشنی میں کوئی اعلان کریں گے۔ مذاکرات میں مولانا نورانی کا لہجہ سخت تھا وہ ملک کی عمومی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے ان خطرات سے آگاہ کرتے رہے۔ جو ملک کو درپیش تھے۔ لیکن جنرل ضیاء الحق سے گفتگو کرنے والے جانتے ہیں کہ وہ طیش میں نہیں آتے اور بہت کم اپنے دل کی بات زبان پر لاتے تھے اور شاید ان کی یہی فطرت ان کی کامیابی بنی رہی ...... ایک مرحلہ پر جب طیش میں آ کر مولانا نورانی نے جنرل ضیاء سے کہا کہ آپ انتخابات کا اعلان آخر کیوں نہیں کرتے ؟ تو جنرل ضیاء الحق حسب معمول خاموش رہے اور زیر لب مسکراتے رہے۔ جس پر قریب بیٹھے ہوئے مولانا عبدالستار خان نیازی نے کہا۔ نورانی صاحب ! جنرل صاحب تو کچھ جواب نہیں دیں گے کیونکہ یہ تو ٹھنڈا دوزخ ہیں۔ اس پر محفل میں قہقہہ پڑا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے موقف کا جرات مندانہ اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو چاہئے کہ وہ ٹھوس اور جلد اقدامات کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ خلوص کے ساتھ اقتدار کی منتقلی کی خواہشمند ہے۔ ان اقدامات میں سرفہرست سیاسی جماعتوں پر سے پابندی کا خاتمہ اور سیاسی اسیروں کی رہائی ہونی چاہئے اور غیر جماعتی انتخابات کا پروگرام ترک کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اس سے قومی وحدت اور اتحاد کو نقصان پہنچے گا۔ 73ء کے آئین میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کرنی چاہئے۔

Marfat.com

ان مذاکرات کے بعد جنرل ضیاء نے جنرل سوار خان سمیت دیگر کور کمانڈروں کو بلایا جنہوں نے رات گئے تک مولانا نورانی سے ہونے والے مذاکرات پر تبادلہ خیال کیا۔

جنرل ضیاء الحق نے مولانا شاہ احمد نورانی سے مذاکرات میں سیاسی سرگرمیوں کی بحالی سے متعلق جو امید دلائی تھی اور جس کے اعلان کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہ کر کے وعدہ خلافی کی۔ جس کی وجہ سے مولانا نورانی نے فیصلہ کیا کہ آئندہ جنرل ضیاء الحق سے ملاقات نہیں کی جائے گی۔ جنرل ضیاء کے اس منفی پہلو کے سامنے آنے کے بعد جب مولانا نورانی سے پوچھا گیا کہ کیا حکومت سے دوبارہ مذاکرات کی توقع ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کا کوئی امکان نہیں کیونکہ حکومت اقتدار کی منتقلی میں نہ تو مخلص ہے اور نہ عوام کے آئینی جمہوری اور بنیادی حقوق کی بحالی میں کوئی دلچسپی رکھتی ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت بلاتاخیر عام انتخابات کے نظام الاوقات کا اعلان کرے۔ لیکن صدر سے اس سلسلے میں دوبارہ مذاکرات نہیں ہوں گے۔ مذاکرات کے بعد راولپنڈی سے کراچی پہنچ کر دس محرم کے سلسلے میں منعقدہ ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نورانی نے کہا ”کہ امام حسین رضی اللہ عنہ دنیا کے سب سے پہلے قائد حزب اختلاف تھے۔ انہوں نے یزید کو اس وقت للکارا جبکہ وہ اپنی بھرپور طاقت کا اظہار کر رہا تھا۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف اس لئے جدوجہد کی کہ یزید منتخب حکمران نہیں تھا۔ جبکہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو 33 ہزار مسلمانوں نے منتخب کیا تھا۔ باقی تین خلفاء بھی منتخب تھے۔ لیکن جب یزید ”چور دروازے“ سے اقتدار میں آیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی سب سے بڑی گدی کو چھوڑ کر کوفے میں جا کر اسے للکارا، جبکہ اس وقت یزید کے حامیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یہی مشورہ دیا تھا کہ آپ مدینہ واپس چلے جائیں۔ اللہ اللہ کریں دعائے خیر کریں! لیکن امام حسین حق اور سچ پر ڈٹے رہے۔ وہ اقتدار نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ صاحب اقتدار کی اصلاح چاہتے تھے۔ امام حسین کی فکر کو آج بھی عام کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت اسلامی طریقہ ہائے انتخاب کے مطابق قائم کی جائے ورنہ زکوٰۃ کا نظام تو اس دور میں بھی تھا اور نماز تو یزید بھی پڑھتا تھا“۔ مولانا نے اس طرح ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کے حکم کو پورا کرتے ہوئے دیگر سیاستدانوں کو درس دیا کہ سچائی کی خاطر کبھی کبھی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑتا ہے۔ اچھائی کے فروغ اور بدی کے خاتمہ کے لئے یہ سودا مہنگا نہیں ہوتا۔ مولانا شاہ احمد نورانی

Marfat.com

کے شہری حقوق اور جمہوری عمل کی بحالی کی غیر متزلزل جدوجہد دیکھتے ہوئے جمہوریت پسند طبقے انہیں خطاب کی دعوت دیتے تھے۔ انہوں نے اکتوبر میں لاہور کا دورہ کیا جہاں لاہور پریس کلب اور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے سختی سے حکومت کے اس الزام کی تردید کی کہ انہوں نے مذاکرات میں طے شدہ اصول کے خلاف ''خفیہ'' باتیں ظاہر کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کوئی خیانت نہیں کی جس بات کو امانت بنانے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ تو حکومت نے بتائی ہی نہیں۔ہم نے جنرل صاحب سے کہا تھا کہ سیاسی رہنماؤں کو اعتماد میں لیں اور بتا دیں کہ آپ کب تک انتخابات کرائیں گے؟

اور آپ کا پروگرام کیا ہے؟ اس سے اعتماد کی فضا پیدا ہوگی اور یہ بات امانت رہے گی۔ مگر جنرل ضیاء صاحب نے کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ سب کو اکٹھا بلا کر یا از خود فیصلے کا اعلان کروں گا اس لئے ہم نے کسی امانت میں خیانت نہیں کی۔

انہوں نے وکلاء کو بتایا کہ ہم نے حکومت سے مذاکرات اس لئے کئے کہ حکومت یہ تاثر نہ دے سکے کہ سیاسی جماعتیں افہام وتفہیم کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہتیں۔ ہم نے مذاکرات کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ سیاسی جماعتیں ملک کے بحران کا حل چاہتی ہیں۔ لیکن حکومت اس سلسلہ میں مخلص نہیں ہے۔ اس لئے دوبارہ مذاکرات نہیں ہوں گے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے اور یہی ملک کے بحران کا حل ہے کہ 1973ء کا آئین بحال کیا جائے کیونکہ یہ قوم کا ایک متفقہ آئین ہے۔ یہ کسی ایک پارٹی کا دیا ہوا آئین نہیں ہے، بلکہ ملک کی تمام قابل ذکر سیاسی جماعتوں نے اس کی تشکیل میں حصہ لیا۔ یہ ملک کا واحد آئین ہے، جس میں اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔

انہوں نے سندھ کے حالات کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ سندھ میں نفرت پیدا کی جارہی ہے۔ انتظامیہ نے بعض علاقوں کا پانی اور بجلی کاٹ دیے ہیں اور اس طرح خود تشدد کرکے تشدد کا جواز پیدا کیا جارہا ہے۔ مشرقی پاکستان کی طرح کے حالات پیدا کئے جارہے ہیں۔ جس طرح مشرقی پاکستان کے بحران کے دوران کراچی سے بنگلہ دیش کے پرچم تیار کرا کے ڈھاکہ بھیجے گئے تھے اور وہاں حکومتی لوگوں نے جلوسوں میں شامل ہوکر ''جئے بنگلہ'' کے نعرے لگوا کر عوامی لیگ کے خلاف کارروائی کا جواز بنایا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ سندھ کی تحریک علیحدگی کی تحریک نہیں ہے۔ لیکن اسے

جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام قومی جماعتی سربراہی کانفرنس کے موقع پر لی گئی تصویر۔

Marfat.com

نظرانداز نہیں کیے جانا چاہئے کیونکہ مشرقی پاکستان کا احساس محرومی بھی بڑھ کر علیحدگی کی شکل اختیار کرگیا تھا اور وہاں بھی تحریک چند ایک علاقوں تک محدود تھی۔

ہائی کورٹ بار سے خطاب میں مولانا نے وکلاء کے جلوس پر تشدد کی مذمت کی جنہیں جمہوری عمل کی بحالی کے حق میں جلوس نکالنے پر ہائی کورٹ میں زبردستی دروازے بند کرکے روک دیا گیا تھا اور پولیس نے باہر سے وکلاء پر پتھراؤ بھی کیا تھا۔ انہوں نے وکلاء کی تحریک کو سراہتے ہوئے ان کی جدوجہد پر مبارکباد پیش کی اور کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ وکلاء نے ہی سب سے پہلے جراتمندانہ قدم اٹھایا۔ 19 اکتوبر کا واقعہ قابل مذمت ہے ......اور اس واقعہ کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حکومت نے جس طرح عدالت عالیہ کے وقار کو مجروح کیا ہے اس پر ہر پاکستانی کو اظہار مذمت کرنا چاہیئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی خطاب کے بعد بھوک ہڑتالی وکلاء کے کیمپ میں آئے اور ان سے ملاقات کی اور تاثرات کے رجسٹر میں لکھا۔ ''مارشل لاء کے خلاف بھوک ہڑتال قابل تحسین اقدام ہے''۔

سابق اٹارنی جنرل اور پیپلز پارٹی کے لیڈر مسٹر یحیٰی بختیار اور MRD کے قائمقام سیکریٹری ملک محمد قاسم بھی وہاں موجود تھے۔ وہیں ان سے کچھ دیر موجودہ صورتحال پر گفتگو کی۔

ہائی کورٹ بار سے خطاب کے بعد شام کو مسلم لیگی لیڈر سید احمد سعید کرمانی نے مولانا کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس عشائیہ میں لاہور میں مقیم تمام قابل ذکر سیاستدانوں نے شرکت کی۔ جن میں پیر پگاڑا، ایس ایم ظفر، مولانا عبدالستار خان نیازی، ملک محمد اکبر ساقی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، پیر سید اعجاز ہاشمی، گوہر ایوب، اسعد گیلانی، ملک برکت علی عتیق اور میاں مسعود احمد بھی شریک تھے۔ اس عشائیہ میں جب میزبان احمد سعید کرمانی نے گوہر ایوب سے تقریر کے لئے کہا تو انہوں نے جواباً کہا کہ میں تو ایبٹ آباد سے مولانا نورانی کی باتیں سننے کے لئے آیا ہوں۔ پیر پگاڑا کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے کہا کہ

''آج نورانی ڈے اور نورانی ایوننگ ہے۔ اس لئے مولانا نورانی کی تقریر ہوگی تاہم انہوں نے مختصر الفاظ میں اپنا نقطہ نظر حسب معمول مزاحیہ انداز میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ مارشل لاء سے نجات حاصل کرنے کے لئے قوم کو اذانیں دینی چاہیے''۔ اس پر علامہ احسان الٰہی ظہیر نے کہا۔

''پیر صاحب! اذانیں بہت دی جا چکی ہیں۔ اب مولانا شاہ احمد نورانی کو آگے کھڑا کیجئے، اور ان کی اقتدا میں باجماعت نماز ادا کیجئے''۔

یہاں مولانا نے اپنے مختصر خطاب میں فوج کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ''ہماری فوج کا اولین فرض ملک کی سرحدوں کا تحفظ کرنا ہے۔ ہماری عوام اپنی فوج سے ضرور محبت رکھتی ہے، لیکن اسے میدان جنگ میں داد شجاعت دیتا ہوا دیکھنا چاہتی ہے اسے سیاسی معاملات میں الجھا کر دوہری ذمہ داری میں نہیں ڈالنا چاہیے اسلئے فوج کو جس قدر جلد ممکن ہو واپس بیرکوں میں چلے جانا چاہیئے اور یہ اس کے مفاد میں ہے اور یہی عوام کا پرزور مطالبہ بھی ہے''۔

مولانا شاہ احمد نورانی مارشل لاء حکمرانوں کا ہر میدان میں مقابلہ کررہے تھے۔ اس لئے جمعیت علماء پاکستان نے فیصلہ کیا کہ جمعہ کے اجتماعات میں تمام مساجد میں بحالی جمہوریت، آئین کی بحالی اور نظام مصطفٰے کے نفاذ کے لئے قراردادیں منظور کی جائیں۔ ان قراردادوں میں مارشل لاء کی طوالت کو ملک کے استحکام اور سالمیت کے لئے نقصان دہ قرار دیا گیا اور پریس پر عائد شدہ سنسرشپ کی مذمت کی گئی نومبر کے آخری جمعہ کو مولانا نورانی، شاہ فریدالحق اور سندھ کے دیگر صوبائی رہنماؤں نے مسجد شہدا لیاقت آباد (کراچی) میں خطاب کیا۔ اس موقع پر مولانا نورانی نے تاریخ پاکستان بیان کرتے ہوئے کہا کہ پہلے اور دوسرے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد مشرقی پاکستان ہم سے کٹ کر بنگلہ دیش بنا۔ اس تجربے کی روشنی میں اگر پاکستان کی سالمیت عزیز ہے تو ہمیں مارشل لاء کو ختم کرنا ہوگا۔ نظام مصطفٰے کا نفاذ اور پاکستان کا استحکام مارشل لاء دور میں ممکن نہیں ہوسکتا، ہمارا اعلان ہے کہ نظام مصطفٰے کے قیام تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی اگر گزشتہ چھ سالوں کے دوران نظام مصطفٰے نافذ ہوگیا ہوتا تو زکوٰۃ دینے والے تو ہزاروں ملتے لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوتا...... آج صرف اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے اسلام کا نام استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں مارشل لاء نہیں ہوسکتا...... خلافت راشدہ کے پورے دور میں مسلمان جرنیلوں اور سپہ سالاروں نے کبھی بھی سیاسی ضرورت کے تحت اقتدار پر قبضہ نہیں کیا۔ اس لئے مارشل لاء غیر اسلامی ہے''۔

مسجدوں کے بعد مولانا شاہ احمد نورانی اندرون سندھ کے قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں کے دورے پر روانہ ہوئے۔ اس دورے میں ان کے ہمراہ محمودالحق عثمانی، پروفیسر شاہ فریدالحق، ہارون احمد، اسلام صدیقی، صابر علی جامی، نذیر ضیاء، نذیر اے خان، غلام نبی قریشی اور عبدالمجید

خان شامل تھے۔ مولانا نورانی اور ان کا وفد نیوجتوئی پہنچا تو ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ ایک طویل جلوس مولانا نورانی کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ یہاں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئی انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لئے سندھ کے عوام کی جدوجہد کی تعریف کی اور کہا کہ جمہوریت اور 1973ء کے آئین کی بحالی کے لئے سندھ کے عوام جو عظیم الشان جدوجہد کررہے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے جن صبر آزما مراحل سے گزر رہے ہیں وہ تاریخ کا ایک باب ہے اور یہ جدوجہد ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ جمہوریت اور آئین کی بحالی، جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کے مطالبات پوری قوم کا مطالبہ ہیں جنہیں موجودہ حکومت کو بلاتاخیر تسلیم کرلینا چاہئے۔ اہل پاکستان اور بالخصوص سندھ کے جیالے عوام نے جمہوریت کی بحالی کے لئے جس تحریک کا آغاز کیا ہے وہ ضائع نہیں ہوگی۔ جمہوریت پاکستان کی بقاء کا مسئلہ ہے اس لئے غیر جمہوری نظام کا فی الفور خاتمہ ضروری ہے''۔ مولانا نے وفد کی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا: ''سندھ اتحاد بورڈ کا یہ وفد کراچی کے عوام کی جانب سے محبت خیر سگالی اور یک جہتی کا پیغام لایا ہے اور ہم ہر مرحلہ پر آپ کے ساتھ ہیں شام کو یہ وفد نوشہرو فیروز پہنچا۔ یہاں بھی مولانا نے خطاب میں کہا کہ اندرون سندھ دورے کا مقصد سندھ میں بحالی جمہوریت کے مظاہروں سے پیدا شدہ صورتحال کا جائزہ لینا ہے سندھ کے عوام بحالی جمہوریت کی تحریک میں تنہا نہیں ہیں بلکہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ سندھ کے عوام کی دی ہوئی عظیم قربانیاں ضرور رنگ لائیں گی۔ مولانا کا قافلہ یہاں سے مہار پہنچا۔ یہاں مختلف وفود نے مولانا سے ملاقاتیں کیں جو سیٹھانی، دادو، خیر پور ناتھن شاہ سے آئے تھے۔ مہار میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ موجودہ جدوجہد صرف سندھیوں کی جدوجہد نہیں ہے بلکہ ساری قوم مارشل لاء کے خاتمہ پر متفق ہے۔ پاکستان ہمارا وطن ہے اور ہم اسے امن وانصاف اور اسلام کا گہوارہ بنانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ وفد دوسرے دن قاضی احمد پہنچا...... نواب شاہ کے اجتماع میں سندھ کے عوام کے خلاف پھیلائے جانے والے پروپیگنڈے کو مارشل لاء کو طول دینے کی ایک کوشش قرار دیا۔ انہوں نے کہا: ''مارشل لاء حکومت نے MRD کی طرف سے بحالی جمہوریت کے لئے چلائی جانے والی تحریک کو ''سندھو دیش'' تحریک کا نام دے کر بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ آج ملک کا ہر محب وطن فرد MRD کی جمہوری تحریک کی حمایت کررہا ہے اور ہم نے اس ''پاکستان بچاؤ

Marfat.com

تحریک'' کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے اوراس کے لئے عوام سے رابطہ مہم شروع کردی ہے۔ سندھ کے لوگوں کی حب الوطنی شک وشبہات سے بالاتر ہے۔ حکومت اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے بھائی کو بھائی سے لڑانے کی کوشش کررہی ہے۔ ورنہ حقیقت میں سندھ میں کوئی بھی نیا و پرانا سندھی نہیں ہے۔ ہم سب سندھی ہیں۔ ہم میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں''۔

جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے مساجد میں قراردادیں منظور کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔ حکومتی حلقوں کی طرف سے یہ کہا جانے لگا کہ مساجد کو سیاست میں ملوث نہیں کرنا چاہئے۔ مولانا نورانی سے انگریزی اخبار ''میگ'' کے نمائندہ نے جب مساجد میں ہونے والی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق دریافت کیا تو مولانا نورانی نے اس کی شرعی حیثیت یوں واضح کی کہ مساجد میں سیاسی سرگرمیاں شروع کرنا اور جاری رکھنا کوئی غلط اقدام نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مسجدیں ہی مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ مسجد اس وقت سیکریٹریٹ بھی ہوتی تھی۔ عدالت بھی، پارلیمنٹ بھی اور فوجی ہیڈ کوارٹر بھی۔ لیکن بعد میں بدقسمتی سے مسجد کو غیر اہم حیثیت دے دی گئی اور یہیں سے زوال شروع ہوگیا۔ کیونکہ مسجد غیر اہم اور محلات اہم ہوگئے...... مارشل لاء کے خلاف تحریک چلانا ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ کیونکہ حکومت مذہب کو غلط طور پر استعمال کررہی ہے اور اس کے خلاف احتجاجی تحریک بھی مسجد سے ہی شروع ہونی چاہئے۔ جب مولانا سے تحریک کی وسعت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ''ہم اپنے آپ کو جلسوں تک ہی محدود رکھیں گے کیونکہ یہ ہر شہری کا آئینی حق ہے اور یہ حق اسلام نے بھی دیا ہے''۔

جب ان سے تحریک کے دوران ہلاک ہونے والوں کے متعلق شرعی نقطہ نظر دریافت کیا تو کہا ''اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا عبادت ہے اور انصاف کی خاطر جدوجہد میں جان دینا شہادت ہے اور یہ نبی کریم نے فرمایا ہے میں نہیں کہہ رہا۔ میں اپنا یہ موقف ریکارڈ کروانا چاہتا ہوں کہ حکومت کے خلاف تحریک میں سندھ اور بلوچستان میں جن افراد نے جانیں دیں وہ شہید ہیں اور یہ میرا ایمان ہے''۔

نمائندہ جنگ نے جب تحریک کی ناکامی کے متعلق پوچھا تو مولانا نورانی نے اعلیٰ سیاسی بصیرت بھرا جواب دیا۔ ''ضروری نہیں کہ تحریکیں فوری طور پر مطلوبہ نتائج حاصل کریں۔ تحریکیں صرف اس لئے تو نہیں چلائی جاتیں کہ فوری طور پر نتائج حاصل کرلیں گی۔ تحریکیں تو ایک طویل

Marfat.com

سلسلہ ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ کبھی تیز چلتا ہے تو کبھی آہستہ ہو جاتا ہے"۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے دوران عوام کے دلوں میں نفرت کی چنگاری سلگتی رہی تھی۔ جن ملکوں میں آمریت مسلط ہوتی ہے اور عنان اقتدار فرد واحد کے ہاتھ میں ہو پھر اظہار خیال پر پابندی ہو، جرات اظہار پر کڑی سزائیں دی جائیں، تاکہ کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوسکے وہاں وقتی طور پر تو ذہنوں کو تالے لگ جاتے ہیں اور لب سی دیے جاتے ہیں لیکن جب کبھی نفرت کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں تو لاوا بن جاتی ہیں۔

مارچ میں مولانا نورانی نے کراچی میں جمیعت کا اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کیا اور اس میں بین الاقوامی حالات سمیت پاکستان کی صورتحال پر غور کیا گیا۔ سیاسی جماعتوں سے کہا گیا کہ وہ بحالی جمہوریت کے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں اور کم سے کم نکات پر اتحاد کریں۔ یہ فارمولا 1973ء کے آئین کے تحت انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ تھا جسے بعد میں "یک نکاتی فارمولا" کا نام دیا گیا اور ملک کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے اس سے اتفاق کیا۔ حتیٰ کہ حکومت کے ساتھ روابط کا کھلے عام اظہار کرنے والے پیر پگاڑا نے بھی کہا تھا کہ اب یہ نکتہ پوری قوم کا "ون پوائنٹ" بنتا جارہا ہے۔ لیکن بعد میں نامعلوم کن مصلحتوں کے تحت وہ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجہ میں بننے والے حکومت کے حامی اور سرپرست بن گئے...... مولانا نورانی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ آئندہ انتخابات غیر جماعتی بنیاد پر ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے روزنامہ جنگ کے ایک پینل انٹرویو میں کہہ دیا تھا کہ ملک میں جمہوریت کا مستقبل تاریک ہے۔ کیونکہ اہم مسئلہ انتخابات نہیں پر امن انتقال اقتدار ہے اور حکومت انتقال اقتدار میں مخلص نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کے رفقاء نے ہر لمحہ جمہوری عمل کی مکمل بحالی کے لئے اپنی مہم جاری رکھی۔ کلمہ حق کہتے رہے اور سیاسی محاذ پر جدوجہد کرتے رہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے "ون پوائنٹ" پر دوسرے سیاسی لیڈروں سے گفتگو کے لئے پروفیسر شاہ فریدالحق کو اپنا نمائندہ نامزد کیا تھا اور 1984ء کے اخبارات کا ریکارڈ گواہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے اس سلسلے میں اپنے فرض کو خوب نبھایا۔ انہوں نے ملک کے ممتاز سیاست دانوں سے ملاقات کرکے اس فارمولے پر متفق ہونے کی دعوت دی اور باہمی اختلافات ختم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے پروفیسر غفور احمد اور میاں طفیل محمد سے بھی ملاقات کی اور ان سے جماعتی انتخابات کی تائید کرنے کے لئے کہا۔ لیکن شاید جماعت اسلامی ایوان اقتدار میں ہر حالت میں جانے کے لئے بے تاب

تھی۔ پھر بھی ملک کے دیگر ممتاز سیاست دانوں نے اس فارمولے کی مکمل تائیدوحمایت کی۔ نوابزادہ نصراللہ خان جو تین سالوں سے نظر بند تھے، نے اپنے پیغام میں کہا کہ اس فارمولے پر ایم آر ڈی بحیثیت مجموعی اتفاق کرے۔ کیونکہ یہ پروگرام MRD کے موقف سے متصادم نہیں ہے۔

مولانا نورانی کی انتہائی مصروفیت کی وجہ سے انہیں دل کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ جولائی میں بائی پاس آپریشن کے لئے انہیں ہالینڈ جانا پڑا۔ مولانا شاہ احمد نورانی ستمبر میں واپس پاکستان پہنچ کر پھر سے سیاسی رابطوں میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے ستمبر کے آخر میں جمعیت علماء پاکستان کے اعلیٰ سطحی اجلاس کی لاہور میں صدارت کی۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ انتخابات کے شیڈول پر حکومت سے بات چیت کی جاسکتی ہے۔ مولانا نورانی اس بات کے لئے صرف اس لئے آمادہ ہوئے تھے کہ وہ پرامن جمہوری عمل کی بحالی کے حامی تھے اور اس کیلئے انہوں نے نوابزادہ نصراللہ سے ان کی رہائی کے بعد ملاقات کی۔ یہ ملاقات چھ گھنٹے جاری رہی۔ دونوں رہنماؤں کی اس ملاقات کے بعد نوابزادہ نصراللہ خان نے بتایا کہ وہ اور ان کے ساتھی حکومت سے مذاکرات کے لئے تیار ہیں، تاکہ الیکشن شیڈول کی تفصیلات طے کی جائیں اور ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو الیکشن کے لئے سازگار ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے بتایا کہ اکثر سیاسی لیڈر اس بات پر آمادہ ہیں کہ حکومت کے ساتھ انتخابات کے انعقاد اور ملک میں جمہوریت کی بحالی کے بارے میں مذاکرات کئے جائیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اس موقع پر ایک اہم بات کہی جو ان کی دوراندیشی اور سیاسی بصیرت کی آئینہ دار ہے اور بعد کے حالات نے بھی یہ صحیح ثابت کی۔ انہوں نے کہا کہ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ الیکشن ہوں گے یا نہیں؟ بلکہ عوام کو شبہ ہے کہ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل ہوگا یا نہیں؟ اور یہ شکوک اس وقت تک رہیں گے جب تک انتخابات کے نتائج سامنے نہیں آجاتے۔ اس لئے سیاستدانوں کو اعتماد میں لینے کے لئے حکومت کو صورتحال سے آگاہ کرنا چاہیئے۔ لیکن حکومت نہ تو اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے میں مخلص تھی اور نہ ہی اس نے اس سلسلے میں سیاستدانوں کی پیش کش کا مثبت ردعمل ظاہر کیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے سندھ میں حکومت کی غیردانشمندانہ پالیسیوں کی وجہ سے بڑھتی ہوئی نفرت کی فضا کو ختم کرنے کے لئے یونٹی بورڈ کے دیگر قائدین کے ہمراہ نومبر 84ء میں سندھ کے زیریں علاقوں کا دورہ کیا۔ ملکی پریس نے بھی اس کی اہمیت و افادیت کو تسلیم

Marfat.com

کرتے ہوئے سراہا۔ معروف کالم نگار عبدالقادر حسن نے اپنے کالم ''غیر سیاسی باتیں'' میں لکھا کہ اس دورہ میں نئے اور پرانے سندھیوں کے درمیان محبت اور یگانگت پیدا کرنے پر زور دیا جارہا ہے حقیقت یہ ہے کہ یونٹی بورڈ اگر فعال طریقہ پر اپنی مہم جاری رکھے تو اس کے دور رس مفید نتائج برآمد ہوسکتے ہیں گویا حکومتی پالیسیاں قومی یکجہتی پر ضرب لگا رہی تھیں اور مولانا اسے بچانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔

یوں تو مارشل لاء کے عہد میں مسلسل پابندیوں کی وجہ سے مولانا شاہ احمد نورانی کے لئے ملک کے طول و عرض میں کارکنان و عہدیداران جمعیت سے رابطہ قائم کرنا مشکل تھا، لیکن جونہی پابندیاں ذرا نرم ہوئیں اور حالات تھوڑے سے سازگار ہوئے، مولانا کارکنان تک پہنچ گئے۔ انہوں نے ''ڈرائنگ روم'' کی سیاست کو کبھی پسند نہیں کیا۔ حقیقت میں وہ عوامی لیڈر ہیں اور عوام سے مسلسل رابطہ ہی ان کی زندگی کے شب روز ہیں۔

یہ عجیب تماشا تھا کہ انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر کرائے جارہے تھے اور جماعت جماعتی طور پر اس میں حصہ لینے کا تہیہ کئے ہوئے تھی اور حکومت کو بھی اس جماعت کی کوئی سیاسی سرگرمی غیر قانونی نظر نہ آتی تھی۔ جبکہ دوسری طرف حالت یہ تھی کہ ایک مجسٹریٹ نے مولانا نورانی کو جب وہ کوئٹہ گئے، ملاقات کرکے حکومتی احکامات سے آگاہ کیا جن کے تحت ان پر سیاسی سرگرمیوں اور تقریر پر پابندی عائد کی گئی تھی مولانا کو حکم دیا گیا کہ وہ کوئٹہ میں قیام کے دوران نہ ہی سیاسی تقریر کرسکتے ہیں اور نہ ہی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتے ہیں یہ نسبتاً نرم لہجے کا رویہ تھا۔ ورنہ عام طور پر ایسے مواقعوں پر مولانا نورانی کو زبردستی صوبہ بدر کردیا جاتا تھا۔ جیسے وہ ملک کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہوں۔ مارشل لاء نے صوبوں کی حدود کے مفہوم کو ہی تبدیل کردیا۔ انتظامی حد بندیاں علاقائی نفرتوں میں بدل دینے کی مہم کا آغاز تھا جس میں سیاسی قائدین کو ملک گیر سوچ کے برعکس صوبائی اور علاقائی سوچ اختیار کرنے کا درس دیا گیا تھا۔ مولانا نورانی جیسے ملکی سطح پر ہمہ گیر مقبولیت رکھنے والے سیاستدان تو یہ سوچ اختیار نہ کرسکے۔ البتہ حکومت ''سندھی پشتو بلوچ فرنٹ'' کے رہنماؤں کو یہ سبق پڑھانے میں کامیاب ہوگئی۔ پاکستان میں یہ مارشل لاء کے دور میں نیا اچھوتا نظریہ متعارف ہوا ہے۔ جنرل ایوب خان کے دور کا نظریہ ''چھ نکات'' تھے۔ جبکہ جنرل ضیاء الحق کے عہد کا تحفہ سندھی پشتون بلوچ فرنٹ ہے اور ایسے نظریات مارشل لاء دور میں ہی متعارف ہوسکتے ہیں اور اس کا سہرا اسی کے سر ہوتا ہے۔

Marfat.com

مولانا نورانی کوئٹہ سے لاہور پہنچے۔ جہاں غلام مصطفےٰ جتوئی اور ان کے درمیان سیاسی صورتحال اور آئندہ انتخاب کے سلسلہ میں مذاکرات ہوئے۔

ان دنوں لندن میں عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس نکلنا تھا۔ یہ برطانیہ میں اپنی نوعیت کا پہلا جلوس تھا۔ اس کا اہتمام جشن عید میلاد النبی کمیٹی نے کیا تھا۔ اس کمیٹی کے چیئرمین ''یو۔ کے'' کی ایک معروف مسلم شخصیت غلام السیّدین تھے۔ مولانا خود اس میں شرکت کے لئے نہ گئے۔ البتہ مولانا عبدالستار خان نیازی کو بھیج دیا۔ سید غلام السیّدین کی انتھک کوششوں سے یہ ایک تاریخ ساز جلوس بن گیا برطانوی اور عالمی پریس کے علاوہ اہم نشریاتی اداروں نے اس کو بہت اہمیت دی۔ پاکستان کے اندر مقتدر سیاسی رہنما جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا مطالبہ کر رہے تھے کہ دسمبر میں جنرل ضیاء الحق نے ریفرنڈم کا اعلان کر دیا۔ ریفرنڈم کیا تھا؟ محض ایک ڈرامہ! عوام سے یہ رائے لی گئی تھی کہ کیا وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے خواہاں ہیں؟ حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ ریفرنڈم متنازعہ مسئلہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ جہاں ملک کے عوام کی رائے دو حصوں میں بٹی ہوئی ہو اور حکومت کسی فیصلے تک آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ وہاں ریفرنڈم کا سہارا لیا جاتا ہے تاکہ براہ راست عوامی رائے معلوم کر کے ان کی خواہشات کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔ لیکن اس ریفرنڈم میں نفاذ اسلام کے متعلق پوچھا جا رہا تھا۔ جس کے متعلق پاکستان کے عوام کی اکثریت میں کبھی دو آراء نہیں رہیں اور اس نکتہ پر سب ہی متفق ہیں حتیٰ کہ بھٹو جیسے سوشلزم کے علمبردار شخص کو بھی ''اسلام ہمارا دین'' اپنے منشور میں لکھنا پڑا تھا۔ ریفرنڈم میں عوام سے تو اسلامی نظام کی بابت پوچھا جا رہا تھا، مگر اس کی تشریح کی گئی کہ ہاں کی صورت میں ضیاء الحق مزید پانچ سال کے لئے صدر پاکستان ہوں گے۔ ریفرنڈم سے قبل جنرل ضیاء الحق نے سرکاری خرچ پر ملک کا طوفانی دورہ کیا۔ ہر جگہ اقتدار پرست زعماء اور سیاسی بازیگروں نے انہیں خوش آمدید کہا یہ اجتماعات زیادہ تر محدود ہوتے تھے۔ بعض جگہ زبردست حفاظتی انتظامات میں عوامی اجتماع بھی ہوئے اس طرح جنرل ضیاء نے یک طرفہ مہم چلائی۔ نتیجہ عوام کو پہلے سے معلوم تھا۔ اس لئے لوگ رائے دینے ہی نہ گئے۔ لیکن ریفرنڈم کی ڈیوٹی پر مامور عملہ نے اپنے فرض کو دیانتداری سے ادا کرتے ہوئے تمام صندوقچے ''ہاں'' کی پرچیوں سے بھر دیئے۔ حتیٰ کہ بعض جگہوں پر وفادار انتظامیہ نے رائے دہندگان کی فہرستوں سے بھی زیادہ پرچیاں ڈال دیں اور دس دس سال قبل فوت شدگان نے بھی قبرستان سے آکر سرکاری ریکارڈ کے مطابق اس فرض کو

Marfat.com

1986ء جلسۂ عام۔ نشتر پارک۔ کراچی

Marfat.com

نبھایا۔ لہذا دوسرے دن پورے ملک نے ریڈیو، ٹی وی سے یہ خبر سن لی کہ جنرل ضیاء الحق مزید پانچ سال کے لئے صدر پاکستان چن لئے گئے ہیں۔ اس طرح جنرل ضیاء نے وردی سے شیروانی کے سفر آغاز کردیا۔ انہوں نے اپنی صدارت مستحکم کرنے کے بعد غیر جماعتی بنیادوں پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن شیڈول کا اعلان کردیا۔

جمعیت علماء پاکستان تو اس سے قبل ہی یہ پالیسی طے کرچکی تھی کہ غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات میں کسی طرح بھی حصہ نہیں لیا جائے گا۔ جہاں پارٹی کی پالیسی بیان نہ ہوسکے۔ پارٹی قائدین اپنے خیالات کا اظہار نہ کرسکیں اور امیدواروں کے حق میں مہم نہ چلا سکیں۔ وہاں الیکشن میں حصہ لینا بے معنی تھا۔ البتہ جماعت اسلامی ان تمام قوانین سے مستثنیٰ تھی۔ اس نے علی الاعلان الیکشن میں حصہ لیا۔ اس کے امیدواروں کے پینل کا باضابطہ طور پر اخبارات کے ذریعے اعلان کیا گیا اور ان کے حق میں جماعتی مہم چلائی گئی۔ جماعتی قیادت نے بھرپور کنویسنگ بھی کی، لیکن اس کے لئے مارشل لاء کا کوئی ضابطہ حرکت میں نہ آیا۔ اپوزیشن کے اتحاد MRD نے اس سلسلے میں ایبٹ آباد میں ائیر مارشل اصغر خان کی رہائش گاہ پر اجلاس طلب کیا۔ جس میں تمام مرکزی قائدین نے شرکت کی۔ اس پر کہا گیا کہ حکومت نے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے تمام اپوزیشن لیڈروں کو مل بیٹھنے کا موقع مہیا کیا ہے یعنی عام انتخابات کے دنوں میں بھی سیاسی رہنماؤں پر پابندی کا نہ ہونا ایک فیاضانہ پالیسی تھی۔

Marfat.com

باب 14

غیر جماعتی جمہوریت ،لسانی اور علاقائی سیاست

کسی بھی ملک میں جمہوریت کے استحکام کے لئے سیاسی جماعتوں کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ اور موجودہ دور میں تو ووٹ کی بنیاد پر ملکوں کے جغرافیے تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس لئے قومی سیاسی جماعتوں کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ مارشل لاء ایک ایسی ننگی تلوار ہے جو قومی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ ڈکٹیٹر اپنے اقتدار کو تحفظ دینے اور اپنی مدت حکمرانی بڑھانے کے لئے ایک قوم کو قومیتوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ تاکہ قومی سطح پر اس کو کوئی چیلنج نہ کر سکے اور قومی سوچ علاقائی سوچ میں تبدیل ہو جائے۔ 90 دن کے لئے برسر اقتدار آنیوالے جنرل ضیاء الحق نے بھی یہی روایتی کردار ادا کیا۔ پہلے انتخابات کی تاریخیں دیتے ہوئے وقت گذارا، پھر ملک کے اندرونی حالات اور بین الاقوامی دباؤ سے بچنے کے لئے بلدیاتی انتخابات کروائے اور جمہوریت پسند ممالک کو دھوکا دینے کے لئے 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کا اعلان کر کے چوں چوں کا مربہ بنانا شروع کر دیا۔ قومی، سیاسی و مذہبی جماعتوں نے قومی یک جہتی پر مارشل لاء کے اس وار کو ناکام بنانے کے لئے غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ قومی جماعتوں کے بائیکاٹ کے بعد علاقائی، لسانی اور برادری ازم کے نام پر سیاست کا بازار سجا۔ اب ووٹ ملک کی تعمیر و ترقی کے سیاسی منشور کے بغیر مانگا گیا۔ کسی نے زبان کو ووٹ حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا، جیسے MQM، جئے سندھ، SQM، سندھی بلوچ پشتون فرنٹ تو کسی نے فرقہ واریت کو ہوا دے کر اپنی نشست جیتنے کی کوشش کی۔ الغرض 1985ء میں جنرل ضیاء الحق کے غیر جماعتی الیکشن نے ملکی وحدت اور مسلم قومیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس الیکشن نے قومی سوچ کا خاتمہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ایسے لوگ سیاست کے منظر پر ابھرے جن کا مقصد صرف اقتدار کا حصول اور اپنے مفادات کی تکمیل تھا۔ ضیاء الحق ایسی ہی کمزور اسمبلی چاہتے تھے۔ جہاں رنگ

Marfat.com

برنگے لوگ بیٹھے ہوں اور ان میں اجتماعی ملکی مفاد کی کوئی قدر مشترک نہ ہو۔ تاکہ وہ جنرل ضیاء کے اقتدار کے لئے خطرہ نہ بن سکیں۔ 85ء کا غیر جماعتی الیکشن پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایسا بدنما داغ تھا۔ جس سے قومی یکجہتی کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس الیکشن میں ہمیشہ کی طرح سیاست کے اجارہ دار خاندانوں، مفادات پرست وڈیروں، استحصال کرنے والے گدی نشینوں، خوشامدی اور چور دروازے سے اقتدار میں آنیوالے سیاست دانوں نے حصہ لیا۔ عوام کو بھی ایک عرصے بعد اس الیکشن میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا۔ اس لئے بعض حلقوں میں دلچسپی نظر آئی اور غیر متوقع نتائج بھی سامنے آئے۔ کچھ مقامات پر جدی پشتی استحقاق کی بنیاد پر لڑنے والے امیدواروں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر جنرل ضیاء کی کابینہ کے اہم وزراء راجہ ظفر الحق، غلام دستگیر خان، علی احمد تالپور اور راجہ سکندر زمان شکست کھا گئے۔ جنرل ضیاء کی حکومت اس الیکشن میں اس لئے بھی غیر جانبدار رہی کہ وہ عہدۂ صدارت کا فیصلہ پہلے ہی کر چکی تھی۔ اب کوئی بھی منتخب ہوتا کرسی صدارت کو خطرہ لاحق نہیں تھا۔ اور پھر وزراء کے مقابلے پر جیتنے والے بھی اسی سیاسی ڈھانچے کے حامی تھے جس کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ اس لئے سابق وزراء کے مقابلے پر جیت کر آنے والے خاقان عباسی اور عبدالمجید عابد کو بھی بعد میں وفاقی کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ البتہ وزیر اعظم کے عہدہ کے لئے کچھ دن تجسس رکھا گیا۔ لیکن بالآخر پیر صاحب پگاڑا کے خاندانی مرید محمد خان جونیجو کو مارشل لاء کے سائے تلے اس منصب پر فائز کر دیا گیا اور اسمبلی نے بغیر کسی اختلاف کے انہیں اعتماد کا ووٹ بھی دے دیا۔ البتہ اسپیکر کے معاملے میں مختلف رویہ دیکھنے میں آیا۔ جہاں حکومتی امیدوار خواجہ محمد صفدر کے مقابلے میں سید فخر امام کے حق میں ووٹ ڈالے گئے اور وہ اسپیکر بھی منتخب ہو گئے۔ لیکن اسپیکر کی حیثیت سے فخر امام نے جمہوری انداز میں بعض اہم فیصلے کئے جو ضیاء حکومت کے خلاف تھے جس کی وجہ سے انہیں تحریک عدم اعتماد کے ذریعے ہٹایا گیا۔ ان انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان سے نکالے ہوئے بعض افراد نے بھی کامیابیاں حاصل کیں۔ ان میں حاجی حنیف طیب، عبدالمصطفیٰ الازہری، اور شاہ تراب الحق نمایاں تھے۔ مذکورہ تینوں حضرات نے ذاتی حیثیت میں الیکشن لڑا اور حاجی حنیف طیب وفاقی وزیر بھی بنے۔ جبکہ صوبائی سطح پر سندھ میں جمعیت کے سابق اراکین شمیم الدین اور حافظ محمد تقی نے بھی وزارتیں لیں۔

توقع کی جا رہی تھی کہ اس نئے نظام کے آغاز کے بعد واضح تبدیلیاں نظر آئیں گی اور

Marfat.com

قابل احترام سیاستدانوں کو آزادی اظہار کے موقع مہیا کیے جائیں گے۔ ان پر پابندیاں ختم کردی جائیں گی۔ لیکن یہ توقعات محض خوش فہمیاں ثابت ہوئیں سیاسی کارکن اسی طرح پابند سلاسل رہے اور سیاسی سوچ پر اسی طرح پہرے بیٹھائے رکھے گئے۔

انہیں دنوں سندھ یونٹی بورڈ کے محمود الحق عثمانی نے کراچی میں مولانا نورانی کے اعزاز میں استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا تو اس جرم کی پاداش میں انہیں تقریب کے انعقاد سے قبل ہی گرفتار کرلیا گیا۔ مسٹر عثمانی کی عدم موجودگی میں یہ تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر مولانا نورانی نے مطالبہ کیا کہ محمود الحق عثمانی سمیت تمام اسیروں کو رہا کیا جائے۔ کیونکہ قومی یکجہتی اور بھائی چارے کی فضا کو بحال کرنے والے سیاسی کارکنوں کو پابند سلاسل کر کے ملک میں فکری حبس اور گھٹن کا خاتمہ نہیں کیا جاسکتا۔

ان باتوں کے علاوہ غیر جماعتی انتخابات کی پیداوار پاکستان کی نئی سول حکومت کے وزراء کے ذمے شاید یہ بھی مہم لگائی گئی تھی کہ وہ عوام میں مقبول سیاست دانوں کی کردار کشی کریں اور اپنے بیانات کے ذریعے پروپیگنڈے میں ان سے ایسی باتیں منسوب کریں کہ عوام میں ان کی پذیرائی کم ہوجائے۔ وفاقی وزیر قانون اقبال احمد خان نے کراچی کی ایک تقریب میں کہا کہ لاہور میں پیپلز پارٹی کے غنڈوں نے مولانا نورانی کی پگڑی اچھالی۔ کیونکہ انہوں نے ملک میں الیکشن کرانے کی مخالفت کر کے مارشل لاء کے قیام کو ترجیح دی تھی۔ جب مولانا نورانی سے صحافیوں نے اس بیان سے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ صدر ضیاء الحق نے بعض وزراء کو حزب اختلاف کے رہنماؤں کی کردار کشی کے لئے ملازم رکھا ہوا ہے جو محض اپنی ملازمت کے تحفظ کی خاطر یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ وزیر موصوف نے میری پگڑی اچھالنے کے واقعہ کے حوالے سے یہ غلط بیانی کی ہے کہ میں نے الیکشن کرانے کی مخالفت کی تھی۔ حالانکہ میں صدر صاحب سے خود بارہا یہ مطالبہ کرچکا ہوں کہ ان رہنماؤں کے نام ظاہر کئے جائیں جو الیکشن کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب بھی وزیر صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ہمت ہے تو وہ صدر صاحب سے ان لیڈروں کے نام ظاہر کرنے کو کہیں جو الیکشن کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔

دراصل غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں بدقسمتی سے ایسے لوگ اسمبلیوں اور وزارتوں میں آگئے ہیں کہ اگر جماعتی انتخابات ہوتے تو وہ دور دور تک کہیں نظر نہ آتے۔ ''شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار'' ہونا الگ بات ہے، مگر حقائق کا سامنا کرنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ مولانا نے

Marfat.com

ساتھ ہی یہ شعر پڑھا۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

وزیراعظم جونیجو نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جنوری 86ء سے قبل مارشل لاء اٹھ جائے گا۔ مگر سیاسی سطح پر صورتحال وہی تھی۔ ادھر اسمبلی میں صدر اور وزیراعظم کے اختیارات زیر بحث تھے۔ ایک آزاد گروپ بھی تشکیل پذیر ہوا اور اس نے کچھ عرصہ ایوان میں اپنی آواز بلند کی۔ لیکن بالآخر زیادہ اختیارات صدر کے حصے میں آئے اور اس طرح عملی طور پر ''صدارتی نظام حکومت'' قائم ہو گیا۔ مارشل لاء کے تحت سیاسی پابندیوں کے احکامات کا سلسلہ جاری رہا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ قومی رہنماؤں کی صوبہ بدری کے احکامات اور مقتدر قومی رہنماؤں کو ایک جگہ جمع نہ ہونے دینا انتہائی قابل مذمت ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکومت خود کنفیڈریشن کے نعرے کو تقویت پہنچا رہی ہے۔ مقتدر قومی رہنماؤں کی صوبہ بدری سے یہ تاثر ملتا ہے کہ خدانخواستہ حکومت یہ چاہتی ہے کہ لوگ اپنی ذہنی اور فکری صلاحیتیں صوبے تک محدود رکھیں اور قومی سوچ کو نہ پنپنے دیں۔ حکومت عوام کو صوبوں میں بانٹ رہی ہے جس سے ملک کے استحکام اور یک جہتی کو نقصان پہنچے گا۔ ایک طرف حکومت یہ دعوی کر رہی ہے کہ جمہوریت آ گئی ہے اور دوسری طرف صوبہ بدری اور نظر بندی کے احکامات مارشل لاء کے تحت دیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلی میں وزیراعظم کے اختیارات کی بحث ہو رہی ہے۔ لیکن وزیراعظم کے اختیارات میں اضافہ کی ضرورت نہیں کیونکہ وزیراعظم موجودہ تنخواہ پر کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی تبلیغی دورے پر بھی بیرونی ممالک جاتے تو ان کا دل پاکستان میں رہتا۔ وہ ہر مقام پر پاکستان کے حالات پر اپنی تشویش کا اظہار بھی کرتے۔ مولانا تبلیغی دورے پر لندن پہنچے تو غلام السیدین نے صحافیوں سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر انہوں نے کھل کر ملکی سیاست و اقتصادی حالات پر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے سیاسی، اقتصادی، داخلی اور سرحدی مسائل کا حل اور استحکام اسی میں ہے کہ مسلح افواج ملک کی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے پوری توجہ ملک کی آزادی اور سرحدوں کی حفاظت پر مرکوز کریں۔ جب ان سے کنفیڈریشن کے نعرے سے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو ان کا جواب تھا کہ اگر پاکستان میں دستور توڑنے والوں کو قرار واقعی سزا دے دی جائے تو کنفیڈریشن کے

Marfat.com

غبارے سے از خود ہوا نکل جائے گی جس طرح ارجنٹائن میں فوجی جرنیلوں کا محاسبہ ہو رہا ہے۔ اگر اسی طرح پاکستان میں محاسبہ کیا جائے تو کسی حد تک صورتحال بہتر ہوسکتی ہے۔ حکومت کے نفاذ اسلام کے دعوی سے متعلق کہا کہ گزشتہ 8 برس کے دوران اسلام کے نام کو محض حکمرانوں نے اپنے غیر آئینی و غیر قانونی اقتدار کو طول دینے کے لئے استعمال کیا اور یہ ایک ایسی مزموم کوشش ہے کہ جس کی مذمت کرنا ہر صحیح مسلمان کا فرض اولین ہونا چاہئے۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں 8 برس میں مارشل لاء نے ملک کا اقتصادی ڈھانچہ تباہ کر دیا ہے۔ بھٹو مرحوم کی حکومت جب جولائی ۷۷ء میں ختم کی گئی، تو اس وقت پاکستان ساڑھے پانچ اور چھ ارب ڈالر کے درمیان مقروض تھا۔ لیکن اب پاکستان 14 ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ قرض کی یہ بھاری رقم عیاشیوں پر خرچ کی گئی۔ قرضوں کی یہ رقم ڈھائی سے 3 ارب ڈالر سالانہ کی اس رقم کے علاوہ ہے جو غیر ممالک میں کام کرنے والے پاکستانی ملک میں بھیجتے ہیں۔ موجودہ حکمرانوں کی قرضوں کی منصوبہ بندی سے پاکستان 1990ء تک 20 ارب ڈالر کا مقروض ہو جائے گا۔ پاکستان دفاعی لحاظ سے دیوالیہ ہو گیا ہے۔ ایک مارشل لاء کے دور میں مشرقی پاکستان گیا۔ پھر حاجی پیر کا علاقہ گیا۔ اب شمالی پاکستان (سیاچن گلیشیر) میں دو ہزار کلو میٹر کے علاقہ پر بھارت نے قبضہ کر لیا۔ یہ علاقہ ڈیڑھ برس سے بھارتی قبضہ میں ہے۔ اور پاکستانی حکمرانوں کو علم تک نہیں ہوا اور اب یہ کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں نہ تو کوئی گھاس اگتی ہے نہ تیل کا کنواں ہے نہ سونے کی کان ہے کہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ انتہائی اہم علاقہ ہے۔ دریائے سندھ اور شاہراہ قراقرام پر واقع ہے۔ یہ صورتحال اس لئے پیدا ہوئی کہ ہم جو فوجی جنرلوں نے خود کو سیاست میں ملوث کر لیا اور ملک کے دفاع کا خیال نہ کیا۔ یہ انتہائی اور بڑا سنگین جرم ہے جس کا محاسبہ ہونا چاہئے۔ محمد خان جونیجو کے اعلان کے مطابق پاکستان میں 86ء کے آغاز میں کہنے کو تو مارشل لاء ختم کر دیا گیا۔ لیکن اس کے عوض مارشل لاء دور کے تمام قوانین اور سزاؤں کو بھی تحفظ دے دیا گیا تھا اور مارشل لاء لگانے والی شخصیت، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بدستور سربراہ مملکت رہے۔ حتی کہ جنرل ضیاء نے چیف آف دی آرمی سٹاف کا عہدہ بھی اپنے ہی پاس رکھا۔ جس کی مدت وہ پہلے ہی پوری کر چکے تھے۔ البتہ دنیا کو دکھانے کے لئے وردی کے اوپر شیروانی پہن لی گئی اور سیاسی جماعتوں کو اجتماعات منعقد کرنے کی اجازت دے دی اس سہولت سے اس ملک کی اہم سیاسی جماعتوں نے فائدہ اٹھایا اور عوام سے عام جلسوں کے ذریعے پھر سے رابطہ

شروع کر دیا۔

جمعیت علماء پاکستان نے اپنی رابطہ مہم کا آغاز عروس البلاد کراچی سے کیا۔ کراچی مولانا نورانی کا اولین حلقہ انتخاب بھی ہے اور جمعیت کا ایک مضبوط مرکز بھی۔ مارشل لاء کے رسمی خاتمہ کے بعد جمعیت کا کراچی میں 28 فروری کو نشتر پارک میں منعقد ہونیوالا جلسہ عام ایک یادگار اجتماع تھا۔ ملکی پریس نے اسے ایک عظیم اجتماع قرار دیا۔ نوائے وقت کے سیاسی ایڈیشن میں الیاس شاکر نے کراچی سے لکھا:۔

''آیئے سب سے پہلے ہم پاکستان مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے جلسہ عام کے بعد جمعیت علماء پاکستان کے نشتر پارک میں منعقد ہونے والے جلسۂ عام کی بات کریں۔ یہ جلسۂ عام کراچی میں منعقد ہونیوالے دو سابقہ جلسوں سے بڑا تھا۔ اس جلسۂ عام میں کارکن اس قدر جوش اور جذبے میں تھے کہ تمام انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے اور اسٹیج کے اطراف میں سامعین کے ٹھٹ لگ گئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے بقول جمعیت علماء پاکستان کے کارکنوں نے نو سالہ مارشل لاء میں مختلف مصائب جھیلنے کے باوجود جس بہتر انداز میں جلسۂ عام کا انتظام کیا، یہ پاکستان کی جمہوری جدوجہد کا ایک ریکارڈ ہے۔ ان کے بقول اگر اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت اور سبز گنبد والے کا سایہ نہ ہوتا تو اس قدر بے سروسامانی کے عالم میں اتنا بڑا جلسۂ عام منعقد کرنا کوئی آسان کام نہ تھا''۔

سیاسی حلقے پہلے ہی قیاس کر چکے تھے کہ جمعیت علماء پاکستان کی اگر سیاسی اٹھان مناسب رہی تو اس کے دور رس اثرات نکلیں گے خود سیاسی مبصرین کے لئے ۲۸ فروری کو منعقد ہونے والا جمعیت کا جلسۂ عام حیران کن تھا۔ کیونکہ جمعیت کے چند فعال افراد کو حکومت توڑنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ کئی تجربہ کار مسلسل پابندیوں کی وجہ سے سیاست سے لاتعلق ہو چکے تھے۔ ایسے عالم میں عوام کا کراچی جیسے معروف اور پھیلے ہوئے شہر میں اتنا بڑا اجتماع منعقد کر لینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ MRD کے حلقوں نے 28 فروری کے جلسۂ عام کو کراچی میں اصلی اپوزیشن کا پہلا جلسۂ عام قرار دیا۔ ان کے بقول اس سے قبل دونوں جلسے تو سرکاری تھے۔ سیاسی حلقوں کے نزدیک اس جلسے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی اکثر تقاریر خالص سیاسی انداز میں تھیں اور عوام کے دل کی آواز تھیں۔ 28 فروری کو جمعیت کی برتری کوئی نئی بات نہ تھی۔ کیونکہ ماضی میں 1977ء تک سندھ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کا عہدہ جمعیت کے سینئر نائب صدر

Marfat.com

پروفیسر شاہ فریدالحق کے پاس تھا تو یہ سابقہ صورتحال کی ایک بار پھر بحالی تھی۔ جمعیت علماء پاکستان کے جلسۂ عام کے خلاف سب سے زیادہ سخت ردعمل جماعت اسلامی کے حلقوں میں پیدا ہوا جو گذشتہ کئی سالوں سے خود کو سیاسی میدان میں جمعیت کا حریف سمجھتی تھی۔ وسائل اور مادّی قوتوں کے لحاظ سے جماعت اسلامی سے جمعیت کا کوئی مقابلہ نہیں۔ لیکن جہاں تک افرادی قوت کا تعلق ہے جو جمہوری نظام میں ووٹر بھی کہلاتی ہے اس کی قوت جمعیت علماء پاکستان کے ہاتھ میں ہے۔

28 فروری کے جلسہ عام میں مولانا شاہ احمد نورانی نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ مارشل لاء اٹھنے کے اعلان کے باوجود مارشل لاء موجود ہے۔ کیونکہ آج بھی اختیارات کا مرکز جنرل ضیاء الحق ہیں۔ مارشل لاء لگانے اور ساڑھے آٹھ سال تک اس کا جواز پیش کرنے والے جنرل ضیاء الحق کی موجودگی سے مارشل لاء جانے کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کے اقتدار میں جونیجو وغیرہ حصے دار ضرور بن گئے ہیں اور آزادی کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے۔ لیکن آزادی ختم کرنے والے قوانین بھی اعلان سے قبل بنا دیئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ آزادی بے معنی ہے۔ جو آزادی مشروط ہوتی ہے اس میں خطرے کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ موجودہ نظام نہ صدارتی ہے نہ پارلیمانی۔ بلکہ یہ جنرل ضیاء کا نظام ہے اور یہ نظام ملک کے لئے نقصان دہ ہے جنرل ضیاء کی حکومت نے ملک میں بے روزگاری، مہنگائی اور رشوت کو فروغ دیا ہے۔ ملک کو ہیروئن کا تحفہ دیا ہے اور کنفیڈریشن کے نعرہ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ مولانا نورانی کا یہ خطاب عوام کے دل کی آواز تھا اسی لئے روزنامہ ''جنگ'' کے سیاسی ایڈیشن میں مختار عاقل نے لکھا:۔

''سندھ کے سیاسی حلقوں میں 14 فروری سے 28 فروری تک ہونے والے تینوں جلسے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں اور ملک کی تین اہم سیاسی جماعتوں پاکستان مسلم لیگ، جماعت اسلامی اور جمعیت علماء پاکستان کے سیاسی وزن کا اندازہ جلسوں کے حجم سے لگایا جا رہا ہے۔ تاہم بیشتر حلقے اس ایک بات پر متفق ہیں کہ جماعت اسلامی اور جمعیت علماء پاکستان کے جلسے سرکاری پارٹی کے جلسے سے زیادہ کامیاب تھے اور خصوصاً جمعیت علماء پاکستان پہلی دونوں جماعتوں سے بازی لے گئی''۔

مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے جلسوں سے زیادہ جمعیت علماء پاکستان کے جلسے میں حاضری کا تناسب زیادہ ہونے کی بنیادی وجہ یہی بیان کی جاتی ہے کہ یہ جماعت MRD میں

Marfat.com

شامل نہ ہونے کے باوجود ابتدا ہی سے اصولوں کی بنیاد پر موجودہ حکومت کی مخالفت کرتی رہی ہے اور اس نے قومی اتحاد کی دیگر جماعتوں کی طرح وزارتوں میں شمولیت بھی اختیار نہیں کی تھی۔ جمعیت علماء پاکستان کا یہی کریڈیٹ عوام کی توجہ کا سبب بنا۔

کراچی کے جلسے کے بعد جمعیت نے ملک کے دیگر علاقوں میں جلسوں کا پروگرام ترتیب دیا۔ 10 اپریل 85ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو اپنی جلاوطنی ختم کر کے لاہور آ رہی تھیں اور پیپلز پارٹی ملک بھر سے اپنے کارکنان کو لاہور میں مینار پاکستان پر اکٹھا کر رہی تھی۔ اسی روز جمعیت نے پیپلز پارٹی کے مقابلے میں موچی دروازہ لاہور میں منظم جلسہ کر کے عوام اور ارباب صحافت کو حیران کر دیا اور اپنی جمہوری جدوجہد کو باشعور طبقہ سے تسلیم کروایا۔ لاہور سے مولانا نورانی پنجاب کے دیگر شہروں شجاع آباد، بہاول پور، ہارون آباد، چشتیاں، اور بہاولنگر کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ جہاں انہوں نے کہا کہ حکومت نے سیاسی آزادیاں بحال کر کے قوم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ یہ عوام کا بنیادی حق ہے۔ لہذا حکومت کو عوام پر احسان جتانے کی بجائے اپنے 9 سالہ دور پر شرم محسوس کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ گھر کا چوکیدار رات کی تاریکی میں گھر کے اندر گھس آیا اور اب چوتھے مارشل لاء کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ جبکہ ہمارا حاکم رات کو خود پہرے میں سوتا ہے۔

جمعیت علماء پاکستان کا کراچی اور لاہور کے جلسۂ عام کے بعد ملتان کا جلسہ بھی مثالی تھا۔ ملتان کے جلسہ سے قبل مولانا نورانی نے ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن ساہیوال سے خطاب کیا۔ یہاں انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ اگر چوتھا مارشل لاء نافذ ہوا تو سندھو دیش کے قیام کا راستہ کھل جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ابن الوقت لوگ مارشل لاء کا ساتھ نہ دیتے اور قومی اتحاد میں شامل جماعتیں مارشل لاء کی وزارتیں قبول کر کے حکومت میں شامل نہ ہوتیں تو مارشل لاء نو سال تک نہیں چل سکتا تھا۔ اب قوم کو اس بات کا عہد کرنا چاہئے کہ وہ آئندہ کسی مارشل لاء کو قبول نہیں کرے گی۔

18 اپریل کو ملتان کے قلعہ قاسم باغ اسٹیڈیم میں جمعیت کے بھرپور عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نورانی نے کہا کہ حکومت نے گزشتہ نو برسوں میں اسلام کے نام پر اسلام کو اور جمہوریت کو نقصان پہنچایا ہے اور معیشت کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ بعض حلقے مطالبہ کر رہے ہیں کہ صدر ضیاء الحق کو چلے جانا چاہئے۔ لیکن میرے نزدیک یہ مطالبہ غلط ہے ہم یہ

Marfat.com

مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں جانے نہ دیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا حساب لیا جائے۔ انہوں نے قوم کے بچے بچے کو مقروض بنا دیا ہے اور معیشت کو امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا ہے جس کا حساب لیا جانا بھی ضروری ہے۔ مولانا نے عوام کو یاد دلایا کہ لاہور اور اٹک کے قلعوں میں بے گناہ لوگوں کو قید رکھا گیا۔ مارشل لاء عدالتوں کے ذریعے سیاسی کارکنوں کو کوڑے لگوائے گئے۔ اس لئے جب تک سیاسی کارکنان پر تشدد کا حساب نہ لیا جائے صدر کو جانے نہ دیا جائے۔ نظام اسلام میں انصاف اولین ستون ہے اور انصاف کا تقاضا ہے کہ احتساب صرف صدر کا ہی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے مشیروں جرنیلوں اور مجلس شوریٰ کے ارکان کا بھی کیا جائے مولانا نے چیلنج کیا کہ اگر وزیراعظم جونیجو بااختیار وزیراعظم ہیں تو کوئی ایک اختیار بتائیں جو ان کے پاس ہو۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی ضیاء الحق کے خلاف مسلسل جدوجہد جمہوریت پسند سیاست دانوں میں نمایاں مقام پا چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک بھر کے سیاسی حلقے انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولانا نورانی پنجاب کے دورے کا پہلا مرحلہ ختم کر کے کراچی پہنچے تو غلام مصطفیٰ جتوئی نے ان کے اعزاز میں عشائیہ کا اہتمام کیا۔ یہاں ایک اخبار نویس نے سوال کیا کہ جماعت اسلامی کی طرف سے دینی جماعتوں کے باہمی اتحاد کی بات ہو رہی ہے۔ اسی سلسلے میں آپ کا کیا نقطۂ نظر ہے؟ مولانا نے جواب دیا کہ دینی اور لادینی جماعتوں کی بحث کو چھیڑ کر ملک کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ تو بتایا جائے کہ لادینی جماعت کون ہے؟ کیونکہ لادین کا مطلب ہے جس کا دین نہ ہو۔ پیپلز پارٹی 73ء کے دستور کو اپنا دستور کہتی ہے۔ ولی خان بھی یہی کہتے ہیں۔ سب پارٹیاں ہی اس آئین کو بحال کروانا چاہتی ہیں جس کے مطابق اسلام سرکاری مذہب ہے یعنی سرکار مذہب کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ جس طرح چرچ آف انگلینڈ کی حفاظت ملکہ کی ذمہ داری ہے جو پارٹیاں اسلام کو سرکاری مذہب مانتی ہیں، ہم انہیں کیسے کہیں کہ لادین ہیں۔ دراصل یہ بحث خانہ جنگی کے لئے چھیڑی جا رہی ہے خانہ جنگی ہو اور پھر مارشل لاء لگانے کا عزم پورا ہو۔ تاکہ دوسرا جرنیل آئے تو اس کو بھی معلوم ہو کہ آپس میں لڑوانے کا کیا طریقہ ہے۔ نومبر کے آخر میں مولانا نورانی پنجاب کے دورے کے دوسرے مرحلے میں راولپنڈی پہنچے یہاں انہوں نے لیاقت باغ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اپنے پیغام کو پھر دہرایا کہ جمعیت علماء پاکستان نے ملک میں نظام مصطفیٰ قائم کرنے کا تہیہ کر رکھا

ہے۔ جس کے لئے قائداعظم کی قیادت میں یہ ملک قائم کیا گیا تھا۔ عوام کی اکثریت اس نظام کے نفاذ کی خواہاں ہے اور اس نظام کے لئے قوم نے قربانیاں دی ہیں۔ موجودہ غیر جماعتی اسمبلیاں بے اختیار ہیں یہ جمہوریت اور اسلام سے مخلص نہیں۔ یہ صرف فرد واحد کے اقتدار کو طول دینے کا ذریعہ ہیں۔ یہ عوام کے لئے نا قابل قبول ہیں عوام کا مطالبہ ہے کہ 1973 کے آئین کے تحت ملک میں انتخابات کرائے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ تیسری دنیا کے ممالک اور خاص طور پر عالم اسلام کا یہ المیہ ہے کہ ایک آدھ ملک کے سوا ہر جگہ آمریت نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ اکثر ممالک میں تو بدترین شخصی ڈکٹیٹر شپ موجود ہے۔ کہیں کہیں جمہوریت کی آواز بلند ہوتی ہے تو صرف دانشور اور پڑھے لکھے طبقے میں یا پھر نام نہاد پارلیمنٹس ہیں اور مسلم ممالک کے خود ساختہ اپوزیشن جائزے کے بعد مجموعی تاثر یہی ابھرتا ہے کہ ان ممالک میں بادشاہت رائج ہے یا پھر فوجی اقتدار اپنے قدم جما چکا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں بھی حالات ایسے پیدا کئے گئے ہیں یا پھر فوج کو اقتدار کا ایسا چسکا پڑا ہے کہ آزادی کے بعد مختصر سے سیاسی دور میں اب تک زیادہ عرصہ فوج بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک اقتدار رہی اور آج جنرل ضیاء الحق پاکستان کے پہلے چیف آف آرمی سٹاف ہیں جو طویل ترین عرصہ سے پاکستان کے مقتدر اعلیٰ ہیں۔ دس سال سے صدر پاکستان کے علاوہ فوج کی سربراہی کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے انہوں نے سابقہ حکمرانوں کے عرصہ اقتدار اور مارشل لاء کی طوالت کا ریکارڈ توڑا ہے۔ مولانا نورانی اسے ایک قومی المیہ کہتے ہیں کہ وہ ملک جو ووٹ کی پرچی سے معرض وجود میں آیا تھا اس پر اتنے عرصے سے فوج سیاسی طور پر قابض ہے اور سیاسی اداروں کو جو مکمل طور پر سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کے زیر نگرانی ہونے چاہیں۔ کنٹرول کئے ہوئے ہیں۔ مولانا نورانی اس امر کا بارہا مطالبہ کر رہے تھے کہ آئندہ جو بھی سیاسی حکومت برسراقتدار آئے وہ فوجی حکمرانوں کا محاسبہ کرے تاکہ آئندہ اس قسم کے حالات پیدا نہ ہوں جس سے فوج کو حکومتی معاملات میں مداخلت کا جواز مل سکے۔

مولانا نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کے سینئر نائب صدر پروفیسر شاہ فریدالحق کی جانب سے دی گئی ایک افطار پارٹی کے موقع پر اخبار نویسوں سے واضح لفظوں میں کہا کہ جنرل ضیاء جماعتی انتخابات سے اس لئے گریزاں ہیں کہ انہیں یہ خوف لاحق ہے کہ جماعتیں منتخب ہونے کے بعد حکمرانوں کے ساتھ وہی سلوک کریں گی جو ارجنٹائن میں گالمسترین کمپنی کے

Marfat.com

ساتھ ہوا ہے۔ ملک میں آرڈی ننس فیکٹری کی بجائے آرڈیننس اور ترمیمی آرڈیننس کا کارخانہ قائم کردیا گیا ہے۔ اپنے آپ کو برسراقتدار رکھنے کے لئے ہر چیز داؤ پر لگائی جارہی ہے اور غیر جماعتی انتخابات اس لئے کرائے گئے تھے کہ حکمران اپنی من مانی کرسکیں اور اپنے اقدامات کو قانونی تحفظ دلوا کر برسراقتدار رہ سکیں۔

مولانا نورانی مسلسل تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے جنرل ضیاء سے یہ مطالبہ کررہے تھے کہ صدارت اور چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ یکجا نہ کریں۔ کیونکہ اس سے فوج کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اگر ملک کا دفاع کرنے والی قوتیں سیاسی جوڑ توڑ میں لگ جائیں تو ملک کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ مولانا نے حیدرآباد میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ جنرل ضیاء الحق اقتدار سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ ملک کے حالات دانستہ خراب کرکے اپنی حکومت کو طول دینا چاہتے ہیں۔ جبکہ عوام روز بروز کی مہنگائی، رشوت ستانی، جرائم کی بڑھتی ہوئی وارداتوں، فحاشی اور عریانی سے پریشان ہیں۔ لیکن حکومت عوام کی پریشانی دور کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنے کی بجائے اپنے اقتدار کو طول دے رہی ہے۔ انہوں نے مارشل لاء دور حکومت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ حکمرانوں نے اسلام کے نام پر عوام کو سبز باغ دکھائے۔ لیکن ساری توجہ اپنے اقتدار کو مستحکم سے مستحکم تر کرنے کی طرف مبذول رکھی۔ آج پاکستان میں تعلیمی اداروں کا تقدس کھلے عام پامال ہورہا ہے۔ لیکن اس کی روک تھام کے لئے کوئی موثر اور فوری اقدامات نہیں کیے جارہے عوام انتخابات کا مطالبہ کررہے ہیں۔ لیکن حکومت عوام کی اکثریت کے اس مطالبے پر بھی کان دھرنے کو تیار نہیں، جونیجو حکومت نہ جمہوری ہے نہ اسلامی یہ صرف مارشل لاء کی "بی ٹیم" ہے۔

اگرچہ ضیاء الحق دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کررہے تھے کہ جونیجو حکومت ہی عوام کی نمائندہ حکومت ہے اور پاکستان میں جمہوری عمل کا آغاز ہوچکا ہے۔ لیکن ملک کے عوام کی اکثریت اور بیرونی دنیا بھی اس امر سے بخوبی آگاہ تھی کہ جونیجو حکومت دراصل مارشل لاء ہی کا تسلسل ہے۔ جس طرح ضیاء الحق نے اسلام کا نام استعمال کرکے اپنے شخصی اقتدار کو طول دیا۔ اسی طرح محمد خان جونیجو جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر قومی اور بین الاقوامی سطح پر اپنا مقام بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ضیاء الحق نہ ہی اسلام کو نافذ کرسکے اور نہ ہی جونیجو خالص سیاسی بنیادوں پر جمہوریت کو بحال کرسکے ہیں۔ اگر وہ صحیح جمہوریت کو رائج کرنا چاہتے تو جب وہ غیر

Marfat.com

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، نوابزادہ نصر اللہ خان، جنرل کے۔ ایم اظہر خان اور ارشد چوہدری۔ ایک اجلاس میں۔

جماعتی بنیاد پر منتخب ہونے والے نمائندوں کو جماعتی سیاست میں لانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس سے قبل انہیں جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان کرنا چاہئے تھا اگر جونیجو یہ اہم فیصلہ کر لیتے تو یقیناً ان کا یہ فیصلہ ملک بھر میں تحسین کی نظروں سے دیکھا جاتا اور ملک کے مختلف سیاسی نقطۂ نظر سے منسلک افراد اور سیاسی جماعتیں اس فیصلے کو سراہتیں۔ مولانا نورانی نے جس طرح ہمیشہ ضیاء الحق کے اسلامی نظام کے نفاذ کے دعووں کو اقتدار کو طول دینے کا بہانہ قرار دیا اسی طرح وہ جونیجو کے جمہوری حکومت کے نعروں کو بھی ایک سیاسی حربہ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ضیاء الحق کا نعرہ اسلام اور محمد خان جونیجو کا نعرہ جمہوریت زمینی سچائی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

مولانا نورانی نے کراچی میں ایک عیدملن پارٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہے کہ حکومت کی طرف سے اسلام کی توجیہہ اس طریقے سے کی جارہی ہے جس سے امریکی حکومت کے بین الاقوامی مفادات پورے ہوتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کو خبردار کیا کہ ہم امریکی اسلام نہیں صحیح اسلام چاہتے ہیں۔ مولانا نورانی پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکہ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور مداخلت کو ہمیشہ تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جس طرح ہم مسئلہ افغانستان پر امریکی حکمت عملی کے تحت پر خطر پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہمیں مسئلہ فلسطین پر بھی واضح دوٹوک پالیسی اپنانی چاہئے۔ جو اس مطالبے پر مبنی ہو جس میں فلسطین کی آزاد ریاست کے قیام کا واضح تصور موجود ہو۔ جبکہ آج کل اس مسئلے پر ضیاء حکومت کی پالیسی سرد مہری کا شکار ہورہی ہے۔ مولانا نورانی کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ حکومت افغانستان کے مسلمانوں کے معاملے کو تو اسلامی اخوت و ہمدردی کے زمرے میں لاتی ہے۔ لیکن بنگلہ دیش میں رکے ہوئے مہاجرین (جو کہ دراصل پاکستانی ہیں) اور فلسطینی مہاجرین سے متعلق اسلامی اخوت کے حوالے سے جوش و جذبے کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ مولانا نورانی افغانستان جیسے اہم خارجی مسئلے، دیگر اہم قومی معاملات اور ملک کو درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے سیاست دانوں اور حکومت کے باہمی مذاکرات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ملک کی سلامتی اور بقاء کے تحفظ کے لئے ٹھوس اور عملی اقدامات کئے جائیں۔ لیکن ضیاء الحق ملک کو درپیش سنگین مسائل کے حل کے لئے سیاست دانوں اور سیاسی پارٹیوں کے کردار کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مولانا نورانی بجا طور پر

کہتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کی خاطر پاکستان کو داؤ پر لگادیا ہے۔ ملک دفاعی لحاظ سے کبھی اتنا کمزور نہیں تھا جتنا آج ہے۔ قوم مارشل لاء کی مہربانیوں سے منزل کا نشان کھو بیٹھی ہے۔ اپنے مطلق العنانی عہد کے قوانین واحکامات کی توثیق کے لئے جنرل ضیاء الحق نے غیر سیاسی انتخابات کی کوکھ سے جنم لینے والی اسمبلی کے ایک ممبر محمد خان جونیجو کو وزارت عظمیٰ پر فائز تو کر دیا اور پھر اسمبلی میں پارٹی بنانے کے عمل کو بھی بہ نظر تحسین دیکھا۔ لیکن ضیاء الحق وقتاً فوقتاً ایسے ریمارکس دیتے رہتے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس اسمبلی پر کلیتہً اعتماد کا اظہار نہ کر کے نیم سیاسی نظام کو بھی کامیاب ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے...... کبھی وہ کہتے ہیں کہ اس اسمبلی سے ان کی مجلس شوریٰ بہتر تھی اور کبھی وہ جونیجو حکومت کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا برملا اظہار کرتے ہیں اور پارلیمنٹ پر شریعت کے نفاذ کے لئے دباؤ ڈالنے کا شوشہ چھوڑتے ہیں پیر صاحب پگاڑا تو اسے چوہے بلی کا کھیل کہتے ہیں۔ مولانا نوانی پوچھتے ہیں کہ جنرل ضیاء نے اپنے ساڑھے آٹھ سالہ دور میں شریعت کیوں نافذ نہیں کی؟ اس کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دینا ہوگا کہ انہوں نے ملک کے خزانے کو پانی کی طرح بہایا اور اپنے اقتدار کی مضبوطی کے لئے اسلام اور جمہوریت کا نعرہ لگایا لیکن نہ تو قوم کو اسلامی نظام ملا اور نہ ہی جمہوریت آئی۔ مولانا نورانی نے کراچی کے ایک عام اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کے مصائب و آلام کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فوجی بیوروکریسی انتظامیہ میں مداخلت سے باز نہیں آتی۔ جب تک صدر ضیاء الحق برسرِاقتدار ہیں ملک پر مارشل لاء کا بھوت مسلط رہے گا۔ مولانا نورانی کو پوری توقع ہے کہ ملک پر مارشل لاء کے تسلط کو روکنے اور پاکستان کے دفاع کے لئے قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے گی۔ ان کا عزم ہے کہ اقتدار کے بھوکوں کو روکنے اور نظام مصطفےٰ کا راستہ ہموار کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ مولانا نورانی چاہتے ہیں کہ پوری قوم متحد ہو جائے، تاکہ 1973ء کی آئین کے تحت جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرائے جائیں۔ وہ تمام سیاسی جماعتوں کے باہمی اتفاق کے شدت سے قائل ہیں، تاکہ نہ صرف حقیقی جمہوریت بحال ہوسکے بلکہ پاکستان باربار مارشل لاء کے نفاذ کا سلسلہ بھی ختم ہوسکے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ملک کو سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کو شاید ہم برداشت نہ کرسکیں۔ کراچی کے آرام باغ کے جلسۂ عام میں انہوں نے اپنی تقریر میں مارشل لاء کے نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مارشل لاء کے ذریعے علاقائیت

اور صوبائی تعصبات کو ہوا دی گئی۔ مارشل لاء کی وجہ سے بھارت بھی پاکستان کو مسلسل چیلنج کرتا چلا آرہا ہے۔ ملکی دفاع کا شعبہ بہت کمزور ہوگیا ہے۔ اقتصادی ڈھانچہ ضعیف ہے۔ غیرملکی قرضوں پر ہمارا انحصار بڑھ رہا ہے۔ لیکن ضیاء الحق ان تمام مسائل و مشکلات کے حل کی بجائے سیاسی جماعتوں پر بیرونی سرمایہ حاصل کرنے کا الزام لگاکرلوگوں کی نظروں میں گرانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔

سیاسی جماعتوں کے باہمی اتحاد اور اہم نکات پر یکساں سوچ اور وحدت فکر کے سلسلے میں مولانا نورانی کی پرخلوص کوششوں کے سبھی معترف ہیں۔ انہوں نے ہر دور میں سیاسی جماعتوں کو باہمی اختلاف رائے کم سے کم تر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ 1973ء کے آئین کے تحت جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کے انعقاد کے مطالبے کا یک نکاتی پروگرام بھی ان کی انہی کوششوں کا ایک حصہ ہے جس کے تحت وہ سیاستدانوں کو نقطۂ نظر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ترلانے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ان کی اسی خوبی اور بے لوث مساعی کی وجہ سے ملک کے تمام سیاستدان ان کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ان سے وقتاً فوقتاً مذاکرات کرتے رہتے ہیں۔ نوابزادہ نصراللہ خان اگرچہ MRD میں شامل ہیں اور جمعیت اس میں موجود نہیں لیکن اس کے باوجود وہ مولانا نورانی سے مسلسل رابطہ رکھتے ہیں۔

نوابزادہ نصراللہ خان ہمیشہ اس بات کا برملا تذکرہ کرتے ہیں کہ یو ڈی ایف اور پی این اے کے قیام میں جمعیت علماء پاکستان کا کردار قائدانہ تھا۔ پیپلزپارٹی کی کوکھ سے جنم لینے والی نوزائیدہ نیشنل پیپلزپارٹی کے لیڈر مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی، مولانا نورانی کے زبردست مداح ہیں...... مولانا کی سیاسی سوجھ بوجھ اور ان کے بے داغ سیاسی کردار کے قائل ہیں۔ حتی کہ اپنی پارٹی کی تشکیل سے قبل انہوں نے مولانا نورانی سے متعدد بار ملاقاتیں کیں۔ اخبارنویسوں نے مسٹر جتوئی سے ان ملاقاتوں کے متعلق دریافت کیا تو مسٹر جتوئی کا جواب تھا کہ میری چابی مولاناشاہ احمدنورانی کے پاس ہے۔ ان کا مشورہ میرے لئے اولین حیثیت رکھتا ہے۔ مولانانورانی کی طرف سے عشائیہ میں مسٹر جتوئی نے مولانا نورانی کی قومی خدمات کا اعتراف کیا اور خصوصی طور پر سندھ کے عوام میں یکجہتی کے جذبات بیدار کرنے کے لئے مولانا نورانی کے کردار کا تذکرہ کیا اور انہیں سراہا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا نورانی نے سندھ ''یونٹی بورڈ'' کے پلیٹ فارم پر جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ قابل صد تحسین ہیں۔ مسٹر جتوئی نے اس خواہش کا

Marfat.com

اظہار کیا کہ مولانا نورانی ایک محبِ وطن سیاستدان ہیں جنہوں نے قوم کی قیادت کا فریضہ بہتر انداز میں نبھایا اور ملک کی بقا و سالمیت کے لئے مسلسل جدوجہد کی ان کی سرپرستی میں سندھ یونٹی بورڈ کی طرح پورے ملک میں یکجہتی کے پیغام کو عام کرنے کے لئے ملک گیر پیمانے پر یونٹی بورڈ تشکیل دیا جانا چاہیے۔ اس عشائیہ میں پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر نوابزادہ نصراللہ خان، پاکستان مسلم لیگ کے صدر خواجہ خیرالدین، پاکستان نیشنل پارٹی کے صدر میر غوث بخش بزنجو، قومی محاذ آزادی کے سربراہ معراج محمد خان، مزدور کسان پارٹی کے صدر فتحیاب علی خان، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر سردار شیر باز مزاری، تحریک استقلال کے لیڈر مشیر احمد پیش امام، محمود الحق عثمانی اور دیگر سیاسی رہنماؤں کے علاوہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اہم شخصیات نے شرکت کی۔ یہ مقام آج صرف مولانا شاہ احمد نورانی کو حاصل ہے کہ MRD میں شامل اور اس سے باہر کی پارٹیاں مولانا نورانی کی سیاسی قیادت پر تدبر اور فراست کا برملا اعتراف کرتی ہیں...... جہاں تک MRD کے موقف سے ہم آہنگی کا تعلق ہے اگرچہ وہ اس کے کچھ نکات پر متفق ہیں لیکن وہ اس میں شامل بعض پارٹیوں کے مجوزہ مطالبات کو ملکی سلامتی کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ مولانا نورانی چاہتے ہیں کہ MRD میں شامل جماعتیں 1973ء کے آئین سے زائد صوبائی خودمختاری کے مطالبے کے مسئلے پر ایسے فیصلے نہ کریں جو ملک کو علیحدگی کے راستے پر ڈال دیں۔ ان کی خواہش ہے کہ 73ء کے آئین کو متفقہ دستاویز کی حیثیت سے باقی رہنا چاہیے۔ اس میں تبدیلی کا کام اسمبلیوں سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کنفیڈریشن یا صوبائی خودمختاری کی آوز دبانے کی بجائے منصفانہ جماعتی انتخابات کو بہترین حل سمجھتے ہیں۔ وہ اس سلسلے میں کینیڈا کی مثال دیتے ہیں جہاں وفاق کے ایک یونٹ کیوبک میں فرانسیسی بولنے والوں نے علیحدگی کا مطالبہ کیا جس پر وہاں الیکشن کرا دیے گئے۔ جس میں علیحدگی پسندوں کو شکست فاش ہوئی۔ جماعت اسلامی کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مسلک کے فرق کے باوجود جمعیت علماء اسلام یا ''جمعیت اہلحدیث'' سے تعاون کرسکتے ہیں تو آج بھی جماعت اسلامی سے بات ہوسکتی ہے۔

غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلیوں کے ارکان کے بارے میں مولانا نورانی کا موقف یہ ہے کہ وہ اس بات کے مجرم ہیں کہ انہوں نے مارشل لاء کے تسلط کو آئینی تحفظ دیا اور فوج کے چیف آف سٹاف کو اسمبلی توڑنے کے اختیارات بخشے۔ لیکن اس

Marfat.com

کے باوجود ان اسمبلیوں کے ان ارکان کے ساتھ تبادلہ خیالات کے مخالف نہیں ہیں جو جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کے انعقاد کے قائل ہیں۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن کے لیڈر سیف اللہ، فخر امام اور ان کے رفقاء جاوید ہاشمی، ڈاکٹر شیر افگن، طارق چوہدری اور جاوید جبار پر مشتمل ایک وفد نے مولانا نورانی کے ساتھ کراچی میں اس ملاقات کے دوران سید فخر امام نے اس بات کا یقین دلایا کہ از سر نو جماعتی انتخابات پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور وہ اس مطالبے کی پر زور تائید کرتے ہیں کہ آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہونے چاہیے، جبکہ مولانا نورانی نے اپنے سابقہ موقف کا اعادہ کیا کہ وہ موجودہ اسمبلیوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ مولانا نورانی کا موقف حقائق پر مبنی ہوتا ہے اس لئے مذاکرات میں مد مقابل کو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ نظام حکومت کے ضمن میں مولانا نورانی کا نظریہ واضح اور اظہر من الشمس ہے وہ دائیں اور بائیں بازو کی تفریق کے بغیر ملک میں اس نظام کے خواہاں ہیں جس کے نفاذ کے لئے یہ وطن حاصل کیا گیا تھا انہوں نے ہمیشہ نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی بات کی ہے اور ہر موقع پر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے منشور کی بنیاد نظام مصطفےٰ کا نفاذ اور مقام مصطفےٰ کا تحفظ ہے۔ مولانا نورانی ذاتی مقاصد کے لئے اسلام کے نام کے استعمال کی مذمت کرتے ہیں اور اسلام کی آڑ لے کر اقتدار کے تحفظ کو منافقت قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی نظام کا مقصد اولین انصاف ہے اور جب بھی ''نظام مصطفےٰ'' کو اس کی صحیح روح کے ساتھ نافذ کیا گیا تو معاشرے میں ہر سطح پر عدل و انصاف کی حکمرانی ہوگی اور یہی نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ وہ اسلامی نظام کو جمہوری طریقے سے نافذ کرنے کے موقف پر قائم ہیں۔ وہ جمہوریت کو ملک کے سیاسی اور اقتصادی استحکام کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ملک کی تمام قابل ذکر سیاسی پارٹیوں سے اشتراک عمل کے خواہاں ہیں۔ لیکن کوئٹہ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ ہمارا دو پارٹیوں سے مقابلہ ہوگا۔ ایک پارٹی وہ جو عوام پر اوپر سے مسلط کی گئی ہے اور دوسری جو موقع پرستوں کی جماعت ہے۔ مولانا نورانی اپنے اس عزم پر قائم ہیں کہ جمعیت علماء پاکستان ملک میں اسلامی نظام اور جمہوریت کے قیام کے لئے ہر قسم کے خوف و خطر کی پروا کئے بغیر اپنی جدوجہد جاری رکھے گی۔

ملکی معیشت کے بارے میں مولانا نورانی کا نقطۂ نظر کسی قسم کے ابہام سے خالی ہے۔ وہ مغربی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام ہائے معیشت دونوں کو استحصالی قرار دیتے ہیں۔ خاص طور

Marfat.com

پر پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لئے غیر ملکی قرضوں پر زیادہ انحصار کو بہت نقصان دہ سمجھتے ہیں ان کے نزدیک یہ قومی غیرت اور خود داری کے منافی ہے وہ اس بات پر ہمیشہ تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ ملکی معیشت کی منصوبہ بندی کے متعلق اہم مناصب پر غیر ملکی اثرورسوخ کافی حد تک بڑھ چکا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے تحت ایسے ایسے منصوبے منظور کئے جاتے ہیں جو قوم کی مجموعی خوشحالی میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کرسکتے۔ ترقی کے نام پر ملنے والے قرضے مخصوص شعبوں پر ہی خرچ کئے جاتے ہیں۔ اور ان شعبوں کا تعین بھی قرضے دینے والے ممالک ہی کرتے ہیں۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ لیکن یہاں نہ زراعت کی بنیاد پر صنعتیں لگائی جاسکیں اور نہ ہی ایسے قابل ذکر صنعتی منصوبے تشکیل دیے گئے جن سے ملکی ترقی میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔ ستم یہ ہے کہ غیر پیداواری اخراجات روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ مولانا نورانی ملک کے مراعات یافتہ طبقوں اور حکام بالا کی عیاشی کے لئے مخصوص رقوم اور بے جا مراعات کا خاتمہ چاہتے ہیں اور نظام مصطفیٰ کی حقیقی روح کے مطابق معاشرتی تفاوت اور حد سے زیادہ اونچ نیچ کی بیخ کنی کو لازمی سمجھتے ہیں۔ صرف اسی طریقہ سے ہی غیر ملکی قرضوں پر انحصار کم سے کم ہوسکتا ہے کیونکہ ان قرضوں کو غیر ضروری اخراجات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یا پھر سابقہ قرضوں پر عائد شدہ سود کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ مولانا نورانی اس بات کا تذکرہ بڑے دکھ سے کرتے ہیں کہ پاکستان میں پیدا ہونیوالا ہر بچہ مقروض پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ مولانا نورانی سیاست میں مذاکرات کے حامی ہیں۔ لیکن اصولوں پر سودا بازی ان کی سرشت میں شامل نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ جمعیت اپنے اصولوں کو کسی صورت میں قربان نہیں کرسکتی اور نہ ہی نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ پر کسی قسم کا سمجھوتہ کرسکتی ہے ان کا اصول ہے کہ انسان کی اصل زندگی ضمیر کی جلا ہے اور انسان اس وقت مرجاتا ہے جب اس کا ضمیر مرجائے۔

پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کو مولانا نورانی ہمیشہ اولیت دیتے ہیں وہ ملک کے لئے ایسی قیادت کو بے حد ضروری سمجھتے ہیں جو ملکی سالمیت اور قومی وحدت پر نہ صرف یقین رکھتی ہو۔ بلکہ اس کے لئے عملی اقدامات بھی کرے اپنی مومنانہ فراست اور مدبرانہ قیادت کی وجہ سے مولانا نورانی نے آج جمعیت علماء پاکستان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جس مقام تک پہنچنے کے لئے پارٹیوں کو ایک طویل عرصے تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ آج ملک کے عوام اور دانشور طبقے کی

رائے وہی ہے جس کی ترجمانی سینئر صحافی محمود شام نے اخبار جہاں میں ان الفاظ سے کی ہے:

''جمعیت علماء پاکستان کا کردار اس لحاظ سے ہمیشہ سراہا گیا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اصولوں کی بنا پر حکومت کی مزاحمت کی ہے۔ موجودہ مارشل لاء کو انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا اور حکمرانوں پر کھل کر تنقید کی ہے۔ کبھی کسی مصلحت کو پیش نظر نہیں رکھا۔ یحیٰ خان کے دور میں بھی انہوں نے مزاحمت جاری رکھی اب بھی وہ سینہ سپر ہیں''۔

چنانچہ جونہی 1988ء میں جماعتی بنیاد پر انتخابات کا اعلان کیا گیا، جمعیت علماء پاکستان نے اس میں بھر پور شرکت کا فیصلہ کیا مولانا نورانی نے پاکستان مسلم لیگ کے صدر محمد خان جونیجو اور تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان سے تفصیلی مذاکرات کر کے تینوں جماعتوں پر مشتمل ایک اتحاد کا اعلان کیا جس کا نام پاکستان عوامی اتحاد رکھا گیا۔ تمام مذاکرات جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی دفتر لاہور میں مکمل ہوئے حتی کہ معاونت کرنے والی ذیلی کمیٹیوں نے تمام نشستوں کی تقسیم کے فیصلے کر لئے اس دوران محمد خان جونیجو کچھ دیر آرام کرنے کے لئے اپنے ہوٹل چلے گئے مگر رات ان کی واپسی نہ ہوئی صبح پتہ چلا کہ سرکاری ایجنسیوں نے اسلامی جمہوری محاذ (IJI) کی تشکیل کے لئے انہیں روک لیا تھا اس طرح انتخابات کے آخری مرحلہ میں نادیدہ ہاتھوں نے عوامی اتحاد کو ناکام بنا دیا الیکشن 88ء میں عوامی اتحاد نے حصہ تو لیا مگر اب وہ کیفیت نہ تھی پھر بھی جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے تین ممبران قومی اسمبلی منتخب ہو گئے لیکن اب وہ وقت آ چکا تھا جسکی جانب مولانا شاہ احمد نورانی جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں مسلسل توجہ دلاتے رہے اب پوری قوم ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی قومی جماعتوں کے الائنسز کی جگہ لسانی اور علاقائی گروپوں کے درمیان اتحاد ہونے لگے صوبائی سیاستدانوں نے فرقہ پرستوں سے اتحاد کیا سندھ بالخصوص کراچی اور حیدرآباد لسانیت کا گڑھ بن چکے تھے پنجاب میں جھنگ اور صوبہ سرحد فرقہ پرستوں کی آماجگاہ تھے بلوچستان میں قبائلی لڑائیاں پھر سر ابھار چکی تھیں۔ الغرض ہر طرف نفرتوں کی سیاست عروج پر تھی امن وامان کی صورتحال انتہائی مخدوش تھی ہر چند کہ الیکشن 90ء، 93ء اور اب 97ء میں منعقد ہو چکے ہیں مگر لسانی، علاقائی اور صوبائی عصبیتوں نے امن کے اس گہوارہ کو تباہ کر دیا ہے جو 77ء میں تحریک نظام مصطفٰے کی وجہ سے مسلم قومیت کے جذبہ سے قائم ہوا تھا۔ اب مولانا نورانی کو اسمبلی سے باہر رکھنے کے لئے منصوبہ بندیاں کی جاتی ہیں ان سازشوں میں لسانی گروہوں کیساتھ ساتھ

اسلام دشمن لابیاں بھی شریک ہوتی ہیں ان کے جلسوں پر حملے کیے جاتے ہیں انتخابات میں کلاشنکوف کے زوروں پر درجنوں پولنگ اسٹیشنوں سے ووٹر بکس اس لئے اٹھا لئے گئے کہ کہیں مولانا جیت نہ جائیں ان کے ووٹرز کو ہراساں کیا جاتا ہے تاکہ وہ ایسی شخصیت کو ووٹ نہ دے سکیں جو مسلم قومیت پر یقین رکھتی ہے۔ اور پاکستان کو اسلام کے نام پر متحدہ رکھنا چاہتی ہے اس لئے گولیوں سے ان کے رکن شہید اور زخمی کیے جاتے ہیں۔ انہیں جلسوں میں ثناء اللہ نے نظام مصطفےٰ کے نام پر لسانیت کے علمبرداروں کے ہاتھوں کراچی میں جام شہادت نوش کیا۔ یوں پاکستان کا سیاسی کلچر پائیدار ہونے کی بجائے کمزور ہوتا گیا آج مذاکرات کے بجائے بندوق کی زبان میں باتیں کی جارہی ہیں ہر طرف نفرت ہی نفرت ہے۔

صحافت کے طالب علم ہونے کے ناطے پاکستان کی سیاسی تاریخ کے نشیب و فراز کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سیاسی کلچر کو پختگی نہ دینے کی بنیادی وجہ فوج اور بیورو کریسی کا کردار رہا ہے اور اس بات کا ذکر پاکستان کے بڑے بڑے اسکالرز نے اپنی کتابوں میں بھی کیا ہے جن حالات کا تفصیلی ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پڑھنے والے جو پاکستان سے محبت رکھتے ہیں اور اس ملک کے اندر سیاسی استحکام دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس بات کو سمجھ لیں کہ پاکستان میں سیاسی استحکام صرف اس وقت آسکتا ہے جب فوج پاکستان کی سیاست میں مداخلت نہ کرے اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہمارا سیاسی کلچر پختہ ہوجائے گا۔ پختگی کا عمل سیاسی جماعتوں میں تربیت سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں پارٹی کے اندر انتخابات بہت اہم ہوتے ہیں یہ کتنے افسوس کی بات ہے مفتی محمود جیسے سلجھے ہوئے سیاستدان الیکشن سے خائف تھے الیکشن اور سیاسی جماعت کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔

الیکشن سے ڈرنا ہمارے سیاست دانوں کے کھوکھلے پن کا ثبوت ہے جس سے فوج بخوبی واقف ہے۔ ضیاء الحق کی طرح ایوب خان کو بھی سیاسی مشیر مل گئے تھے جن کے ذریعے انہوں نے بھی جمہوری عمل کو سبوتاژ کیا۔ اس سبوتاژ کے نتیجہ میں پاکستان دولخت ہوگیا ایوب خان نے پاکستانی سیاست میں اس وقت مداخلت کی جب پورے ملک میں سیاسی جماعتیں انتخابات کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ایوب خان نے الیکشن سے پہلے ہی جمہوری عمل کے خوف سے سیاسی مداخلت کی اور پاکستان میں فوجی آمریت کا بیج ہمیشہ کے لئے بو دیا۔ پھر ایک ایسا آئین ملک کے اوپر مسلط کر دیا گیا جہاں سے سیاسی محرومیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ انفرادی اور اجتماعی

Marfat.com

آزادی کو آئینی ہتھیار سے کچلا گیا جس سے پاکستان کا ایک بڑا حصہ (مشرقی پاکستان) سیاسی محرومیوں کا شکار ہوگیا جو بنگال کے مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ تھا۔ اس سے سیاسی دوری نے جنم لیا۔ اس کا پہلا اظہار شیخ مجیب الرحمان کا چھ نکاتی پروگرام تھا۔ مجیب کا چھ نکاتی پروگرام ایک سیاسی ری ایکشن تھا جس کو فوجی نہیں سمجھ سکتے۔ اس قسم کی دوری کا سلسلہ ضیاء الحق کے دور اقتدار میں سندھ میں شروع ہوا۔ جو بیج ضیاء الحق نے بویا اس کے اثرات کو ہم سیاسی عمل کے ذریعے ختم کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کسی بھی سیاست دان کے پاس نہیں ہے۔ ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں ملک کو جو نقصان پہنچا ہے اس کو سمجھنے کی صلاحیت بہت کم سیاستدانوں میں ہے۔ اور یہ ہرگز مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ اس قسم کی سیاسی سوجھ بوجھ مولانا شاہ احمد نورانی جیسے سیاستدان کے پاس ہے۔ لیکن ان جیسے سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والوں کو آج کی سیاسی افراتفری کے دور میں بے بس کردیا گیا ہے اس کی بنیادی وجہ پھر ضیاء الحق ہے، جس نے مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی بصیرت سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ شاید ان سے خائف ہو کر اور جمہوریت کے استحکام سے ڈر کر ایم کیو ایم، جئے سندھ جیسی لسانی تنظیموں کی پشت پناہی کرنا شروع کردی تھی۔ پاکستان لسانیت کے نام پر نہیں بنا تھا جس کے نام پر آج ہزاروں نوجوانوں کو موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا ہے۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے اور لسانیت کے علمبردار لیڈر لارنس آف عربیہ کا کردار ادا کررہے ہیں۔ یہاں یہ بات شدت سے کہی جاسکتی ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران زبان جیسے نازک اور اہم ایشو مسلمانوں کے درمیان میں حائل نہیں ہوئے۔ مولانا نورانی نے جن خدشات کا اظہار کیا آج کا پاکستان ان میں گھرا ہے۔ الیکشن 80ء سے 97ء تک کی جمہوری حکومتیں اپنی اپنی حد تک کوششیں کرتی رہیں ہیں کہ علاقائی، لسانی اور فرقہ واریت پر مبنی نفرتوں کی سیاست ختم ہو۔ پاکستانی سوچ اور مسلم قومیت کا جذبہ پھر سے بیدار ہوجائے۔ آج بھی مولانا شاہ احمد نورانی اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر قومی وحدت کو بحال کرنے کے لئے ہمہ وقت جدوجہد کررہے ہیں تاکہ مارشل لاء کی سخت دھوپ میں نفرتوں کے بیج سے پک کر تیار ہونے والی عصبیتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور پاکستان بغیر ''سمجھوتوں'' کے حقیقی جمہوری شاہراہ پہ گامزن ہوجائے۔

Marfat.com

باب 15

مولانا نورانی اور ہم عصر سیاسی زعماء

قبل اس کے کہ پاکستان کے سیاست دانوں کی کارکردگی کا 1970ء سے لے کر 1995ء تک کا تقابلی جائزہ لیا جائے، یہ طے کرنا پڑے گا کہ جائزہ کن بنیادوں پر لیا جائے۔ اسلام اور جمہوریت میں قدر مشترک ووٹ ہے۔ اور ووٹ ہی کی بنیاد پر پاکستان کا قیام ممکن ہوا اور اس کا استحکام بھی اسلامی جمہوریت کو مستحکم کرنے میں مضمر ہے۔ اور سیاست دانوں کی کارکردگی کی کسوٹی یہی ہے کہ 1970ء سے لے کر آج تک انہوں نے اس سلسلے میں کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

پاکستان میں سیاسی و مذہبی جماعتیں قیام پاکستان کے بعد وجود میں آ چکی تھیں اور آج تک جماعتیں بنتی ہی چلی جا رہی ہیں۔ کوئی ایک جماعت بھی ایسی نہیں جو اپنے منشور و دستور میں مارشل لاء کی حمایت کرتی ہو۔ اس کی شاید بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر جماعت کے تحت الشعور میں یہ بات ہے کہ اسلام میں مارشل لاء نہیں ہے اور خلافت راشدہ کے پورے دور میں مسلمان جرنیلوں اور سپہ سالاروں نے کبھی بھی سیاسی ضرورت کے تحت خلیفہ وقت کی شہادت کے باوجود اقتدار پر قبضہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ مارشل لاء غیر اسلامی عمل ہے۔ اور کسی بھی جمہوریت پسند جماعت نے اس کا تذکرہ پسندیدہ الفاظ میں نہیں کیا۔ اس سے دو قدم اور آگے چلیں تو تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ کربلا ہمیں بہترین درس دیتا ہے۔ جہاں ایک ڈکٹیٹر طاقت کے زور پر اپنی حکمرانی قائم رکھنا چاہتا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سب سے پہلے قائد حزب اختلاف بن کر اس کا راستہ روکا۔ انہوں نے یزید کو اس وقت للکارا جبکہ وہ اپنی بھرپور طاقت کا مکمل اظہار کر رہا تھا۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف اس لئے جدوجہد کی کہ یزید منتخب حکمران نہیں تھا۔ جبکہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو 33 ہزار مسلمانوں نے منتخب کیا تھا۔ باقی تین خلفاء بھی منتخب تھے۔ لیکن جب یزید چور دروازے سے اقتدار میں آیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی سب سے بڑی گدی کو چھوڑ کر میدان کربلا میں جا کر اسے للکارا۔ امام حسین حق اور سچ پر ڈٹے رہے وہ اقتدار نہیں چاہتے تھے

بلکہ صاحب اقتدار اور طریقہ اقتدار کی اصلاح چاہتے تھے۔ تاریخ اسلام کی ان اعلیٰ اقدار کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان میں جمہوریت کو قائم کرنے کی جدوجہد کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات فخر کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سیاست دانوں کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے مختلف ادوار میں جمہوریت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس فہرست میں حسین شہید سہروردی، فضل الحق اور ایئر مارشل اصغر خان کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ہماری سیاسی تاریخ کا بے رحم تجزیہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سیاست دانوں نے جمہوریت کا گلا گھونٹنے والوں کے ساتھ سمجھوتہ بھی کیا ہے۔ ان میں بہت سارے ایسے لوگ ملیں گے جو جمہوریت کیلئے جدوجہد تو کرتے رہے لیکن اپنے سیاسی مستقبل میں کسی نہ کسی اسٹیج پر انہوں نے آمروں کی ساتھ سیاسی مصالحت بھی کر لی۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے ہم عصر سیاسی زعماء کا جائزہ لیں تو ایسی فہرست بہت مختصر ہو گی۔ جنہوں نے کسی بھی مقام پر آمروں سے سمجھوتہ نہیں کیا یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز 1970ء کے الیکشن میں کیا اور بحالی جمہوریت تک (ضیاء الحق تک) ان کی جدوجہد کا یہ سلسلہ شدت سے جاری رہا۔ جدوجہد کی یہ کہانی طویل ہے لیکن بحیثیت سیاسیات کے طالب علم کے اس کہانی کو قلم بند کرنا بہت ضروری ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خود بھٹو نے جو بعد میں جمہوریت کے علمبردار بن گئے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز مارشل لاء کی گود سے کیا تھا۔ بھٹو کی سیاسی زندگی پروان چڑھانے میں اسکندر مرزا اور ایوب خان کا بڑا دخل تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ 1970ء میں بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو وہ جمہوری طریقے سے اقتدار میں آئے۔ ہم یہاں اس بحث میں نہیں پڑیں گے کہ بھٹو نے مشرقی پاکستان کے بحران میں کیا رول ادا کیا ہے۔ تاریخ بھٹو کو اس بات کا کریڈٹ دیتی ہے کہ انہوں نے 1973ء کے آئین کو پاس کروانے کیلئے مختلف سیاسی جماعتوں سے تعاون کا جو طریقہ کار اپنایا اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ

"The Constitution of 1973 was a master piece of Bhutto's Politics of consensus."

آئین کو متفقہ طور پر پاس کروانے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کی سیاست اس نہج پر چل پڑی جو انہوں نے غالباً ایوب خان سے سیکھا تھا یعنی: ''ارتکازِ اختیارات''

Marfat.com

"Concentration of Power"

ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ بھٹو ایک جاگیردارانہ ماحول کی پیداوار تھا۔ اس لئے پڑھا لکھا بھٹو ایک جاگیردار بھی تھا۔ لہذا جمہوریت پر یقین رکھنے والے بھٹو کو غیر جمہوری سیاست سے اتفاق نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی زندگی ان کے جمہوری اقدار پر مکمل یقین کی آئینہ دار ہے۔ اس لئے ان کا اپوزیشن میں بیٹھنا ایک فطری عمل تھا۔ وہ یہاں ہمیں تھیوری اور پریکٹیکل سیاست میں اکٹھے چلتے نظر آتے ہیں۔

"Theoretically he was a believer in democratic norms and practicaly he demonestrated is believer in democracy."

چونکہ پاکستانی سیاست میں جمہوری اقدار کو پروان چڑھانے کی تسلسل کے ساتھ روایات نہیں ہیں۔ اس لئے اعلیٰ جمہوری اقدار کو قائم کرنے والوں کو بہت ساری مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بہت سے لیڈر سیاست کو خیر باد کہہ گئے یا ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ تعاون کے نام پر مل گئے۔ اس طرح پرانے سیاست دانوں کا ایک طبقہ بھٹو کے ساتھ نہیں ملا۔ بلکہ اس نے دھیمے انداز میں اپوزیشن کے جھنڈے کو قائم و دائم رکھا۔ لیکن یہ بات بہت وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ سیاست کی دہلیز پر جن نئے سیاست دانوں نے قدم رکھا ان میں مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت بہت ہی قدآور نظر آتی ہے۔ متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے اس انقلابی شخص نے سیاست میں قدم رکھتے ہی اپنا لوہا منوا لیا۔ جب انہوں نے بھرپور انداز میں اصولوں کی بنیاد پر مجیب الرحمان کو اقتدار سونپنے کی بات کی۔ اسلام کے اس نڈر سپاہی نے قائداعظمؒ کے پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد بھی اپنی جدوجہد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مولانا شاہ احمد نورانی، ذوالفقار علی بھٹو کو پہلے ہی دن سمجھ گئے تھے۔ بھٹو کا جمہوریت کا نعرہ لگانا ان کے نزدیک محض ایک نعرہ تھا۔ جس پر بھٹو عمل کرنے کیلئے ہرگز تیار نہ تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح بھٹو کا اقتدار مضبوط ہوتا چلا گیا اسی طرح جاگیردار بھٹو سامنے آنے لگا اور بالکل اسی طریقہ سے مولانا شاہ احمد نورانی کی اپوزیشنل سیاست میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمہوریت اور نظام مصطفیٰ کو نافذ کرنے کیلئے وہ سر سے کفن باندھ کر پاکستانی سیاست میں داخل ہوئے تھے۔ وہ جاگیردار بھٹو کی ہر قسم کی اذیت کو

برداشت کرنے کیلئے تیار تھے۔ اس کی خوبصورت مثال اس خط سے ملتی ہے جو ان کی والدہ نے جیکب آباد گڑھی خیرو کی حوالات میں پابند سلاسل کے دوران لکھا۔ بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد اور پی این اے (PN.A) کی تحریک میں مولانا شاہ احمد نورانی کا جو کردار رہا ہے اسے کئی لوگوں نے قلمبند کیا ہو گا۔ جب جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کا دور شروع ہوا اور PNA کی پوری قیادت نے ضیاء الحق کے ساتھ ''مصلحت کی سیاست'' کا راستہ اپنایا تو مولانا شاہ احمد نورانی واحد سیاست دان تھے جنہوں نے سیاست کے اس رنگ کو اپنانے سے انکار کر دیا۔ اس دور اندیش سیاست دان کے نزدیک ایسا اقدام جمہوری اقدار کو قتل کرنے کے مترادف تھا۔ ایک ڈکٹیٹر کو ہٹا کر دوسرے ڈکٹیٹر کا ساتھ دینا جمہوریت کی خدمت نہ تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی بصیرت کا خوبصورت پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب وہ MRD تحریک میں شرکت سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ MRD تحریک کے اندر کئی سیاست دان ایسے تھے جنہوں نے اپنی زندگی پاکستان میں جمہوریت کیلئے وقف کر دی تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن MRD میں شامل نہ ہونے کی وجہ پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت تھی اور یہ قیادت اب بھٹو خاندان کی خواتین کے ہاتھ آ چکی تھی۔ وقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو ایک جاگیردار کی بیٹی ہیں اور مغرب میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود وہ جاگیردارانہ ذہنیت سے چھٹکارا نہ پا سکیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو دو مرتبہ ملک کی وزیر اعظم بنیں اور ضیاء الحق کے خلاف اپنی طویل جدوجہد کے دوران بھی اپنی پارٹی کی تنظیم نو نہ کر سکیں اور انہوں نے نہ ہی اپنی پارٹی کے اندر الیکشن کلچر کو اپنایا۔ MRD تحریک جاگیرداروں کے ہاتھوں میں جمہوریت بحالی کا ایک کھلونا تھی۔ جس طرح پاکستان میں بہت سارے اتحاد اپنی منزل نہ پا سکے اس طرح MRD بھی اپنی موت آپ مر گئی۔

پاکستان کی سیاست کے ایک اور رخ کی طرف نشاندہی کرنا بہت ضروری ہے اور وہ اسلام پسند پارٹیوں کی کہانی ہے۔ ان میں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت اہلحدیث اور اسی طرح کی کئی پارٹیاں اور شخصیات قابل ذکر ہیں۔ ان پارٹیوں کے متعلق یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ یہ حکومت کے خلاف یا حاکم وقت کے خلاف صف اول میں شامل نہیں ہوتیں۔ جماعت اسلامی کی سیاست ہی کو دیکھ لیں۔ انہوں نے بھٹو کی مخالفت اس لئے کی کہ بھٹو انہیں اپنانے کو تیار نہ تھا اور جب انہیں ضیاء الحق نے جو بلا کسی مبالغے کے بھٹو سے بڑا ڈکٹیٹر تھا

Marfat.com

اقتدار میں شرکت کی دعوت دی تو اس کے ساتھ انہوں نے مکمل تعاون کیا جو اس کی موت تک جاری رکھا اور کہا جاتا ہے کہ بحالی جمہوریت کی تمام کوششوں کو سبوتاژ کرنے میں بھی اس وقت کی جماعت اسلامی نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی قیادت کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ جمہوری عمل کے ذریعے وہ اقتدار میں کبھی نہیں آ سکتی۔ اس طرح جمعیت علمائے اسلام کی قیادت نے اقتدار میں حصہ لینے کیلئے (PNA کی قیادت ہونے کے باوجود) پوری تحریک نظام مصطفیٰ کو داؤ پر لگا کر ضیاء الحق کے مارشل لاء میں اپنا حصہ وصول کیا۔ جمعیت علماء اسلام نے ایوان اقتدار میں بیٹھ کر ضیاء الحق کے ہاتھ مضبوط کئے اور ہمیشہ الیکشن سے گریز کی پالیسی اختیار کی۔ ان کے مقابلے میں جمعیت علمائے پاکستان اور اس کی قیادت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات پوری ذمے داری سے کہی جا سکتی ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی کے اندر جمہوریت اور جمہوری اقتدار رچی بسی ہیں۔ انہوں نے کسی بھی ڈکٹیٹر سے سمجھوتہ کرنے کا سوچا تک نہیں۔ ان کی اپوزیشن کی سیاست جمہوری دور میں دھیمی ہو جاتی ہے اور اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جمہوریت اپوزیشن کے بغیر بے معانی ہے۔ لیکن اپوزیشن برائے اپوزیشن نہیں۔ بے نظیر کا دور اقتدار ہو یا نواز شریف کا، چونکہ یہ لوگ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود جمہوری طریقہ پر اقتدار میں آتے ہیں، اس لئے مولانا شاہ احمد نورانی اپنی اپوزیشن سیاست میں لچک پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ بحیثیت ایک سیاست دان کے انہیں پتا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کا پودا کمزور ہے اور اسے چیک کرنے کی ضرورت تو ہے لیکن بھرپور مخالفت سے ان طاقتوں کو تقویت ملے گی جنہوں نے بارہا پاکستان کی سیاست میں جمہوریت کا گلا گھونٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور یہ بات افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہی ہے کہ جمہوریت کو سبوتاژ کرنے میں اس وقت کی جماعت اسلامی جیسی جماعت ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ پیش پیش رہی ہے۔ اسی طریقے سے اس وقت کی جمعیت علمائے اسلام اور پاکستان جمہوری پارٹی نے بھی ضیاء الحق کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنے سیاسی قد کاٹھ کو خود ہی چھوٹا کرلیا۔

مصلحت پسندی کی سیاست میں خان عبدالولی خان جیسے قد آور انسان کی شخصیت بھی ''بونی'' نظر آتی ہے۔ ماضی کا نیپ اور عصر حاضر کی عوامی نیشنل پارٹی (ANP) دو مکمل مختلف روپ ہیں۔ جو ولی خان اور ان کے ساتھیوں نے اپنایا ہے۔ ان کی سیاست کا آغاز نظریاتی سیاست سے ہوتا ہے اور پھر یہ سفر ضیاء الحق کے دور میں مصلحت پسندی کا روپ دھار لیتا ہے۔

Marfat.com

اور ضیاء الحق کے دور میں یہ نیا کلچر بڑی تیزی سے پھلتا پھولتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ایم کیو ایم کے دروازے پر حاضر ہوتی رہی ہے۔ اور اب پاکستانی سیاست ایک ایسی نہج پر آ کھڑی ہے جہاں جمہوریت خود جمہوری حکومت ہوتے ہوئے ہچکیاں لے رہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی اصولوں بھری سیاست لے کر پارلیمنٹ میں دوبارہ آئیں تو تبھی پاکستان میں جمہوریت کو ایک نیا رخ ملے گا۔ ورنہ آج کی سیاست کے متعلق مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک "Chios Model" یعنی جمہوری افراتفری کی عکاسی کرتی ہے یا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ آج کے جمہوری دور میں ایسے غیر جمہوری واقعات رونما ہو رہے ہیں جنہیں قلم بند کرنے سے جمہوریت کے علمبردار خود شرما جائیں گے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں.................. پروفیسر محمد عثمان

۲۔ The Great Tragedy.......................... Mr. Z.A. Bhutto

۳۔ مقالات کاظمی.................................. علامہ سید احمد سعید کاظمی

۴۔ Last Days of United Pakistan........ G.W. Choudhry

۵۔ Generals in Politics.......................... ایئر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان

۶۔ شاہ احمد نورانی (حصہ اول)............................ مولانا ابوداؤد محمد صادق

۷۔ شاہ احمد نورانی (حصہ دوئم)............................ مولانا ابوداؤد محمد صادق

۸۔ نورانی سیاست.................................. جاوید صدیقی

۱۰۔ براہ راست انٹرویوز.................................. مولانا شاہ احمد نورانی

۱۱۔ روداد قومی اسمبلی.................................. لائبریری قومی اسمبلی

۱۲۔ میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا.................................. طفیل سالک

۱۳۔ اردو ڈائجسٹ.................................. لاہور

۱۴۔ روزنامہ جنگ.................................. کراچی

۱۵۔ روزنامہ جنگ.................................. لاہور

۱۶۔ روزنامہ نوائے وقت.................................. کراچی

۱۷۔ روزنامہ نوائے وقت.................................. ملتان

۱۸۔ یادداشت (مضمون).................................. میجر جنرل راؤ فرمان علی

۱۹۔ ہفت روزہ چٹان.................................. لاہور

۲۰۔ روزنامہ جسارت.................................. کراچی

۲۱۔ فارایسٹرن اکنامک ریویو.................................. لندن

۲۲۔ غیر اخلاقی سیاست (مقالہ).................................. ممتاز احمد خان (سابق سینیٹر)

Marfat.com

۲۳۔ روزنامہ سعادت .... فیصل آباد

۲۴۔ اخبار جہاں .... کراچی

۲۵۔ ہفت روزہ زندگی .... لاہور

۲۶۔ ہفت روزہ محور .... کراچی

۲۷۔ روزنامہ امروز .... ملتان

۲۸۔ امپیکٹ انٹرنیشنل .... لندن

۲۹۔ ہفت روزہ ایشیا .... لاہور

۳۰۔ ہفت روزہ تعمیر وطن .... لاہور

۳۱۔ ہفت روزہ ضیائے حرم .... بھیرہ شریف

۳۲۔ ہفت روزہ استقلال .... لاہور

۳۳۔ ندائے اہل سنت .... لاہور

۳۴۔ دستور و منشور .... جمعیت علماء پاکستان

۲۳۔ منشور .... ورلڈ اسلامک مشن

۳۶۔ مولانا نورانی کی تبلیغی سرگرمیاں .... کتابچہ

۳۷۔ "The Massage" International .... کراچی

۳۸۔ Weekly "MAG" .... کراچی

Marfat.com

سید محمد حفیظ قیصر

- 13 فروری 1965ء کو بھاولپور میں پیدا ہوئے۔
- 1981 میں بھاولپور ڈویژن سکولز کی سطح پر بہترین مقرر قرار پائے۔
- 1986 میں کالجز کی سطح پر ایس ای کالج بھاولپور کی طرف سے بہترین مقرر کا اعزاز حاصل کیا۔
- 1986 میں ہفت روزہ 'احوال' کراچی سے اپنی صحافتی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔
- 1989 میں بھاولپور سے اپنا ہفت روزہ 'تجسس' جاری کیا۔
- 1994 میں اسلامیہ یونیورسٹی کی جانب سے بہترین مضامین لکھنے اور تقاریر پر اعلیٰ کارکردگی کا اول انعام حاصل کیا۔
- 1995 میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ ابلاغیات سے ایم اے صحافت کی ڈگری حاصل کی۔
- 1998 میں اعلیٰ صحافتی خدمات ... جرنلسٹ میڈل' حاصل کیا۔

صحافت میں کالم نویسی ان کا خاص شعبہ

297.9924 ن 872 ق
74003-U-67
Marfat.com

ایک عالم - ایک سیاستدان

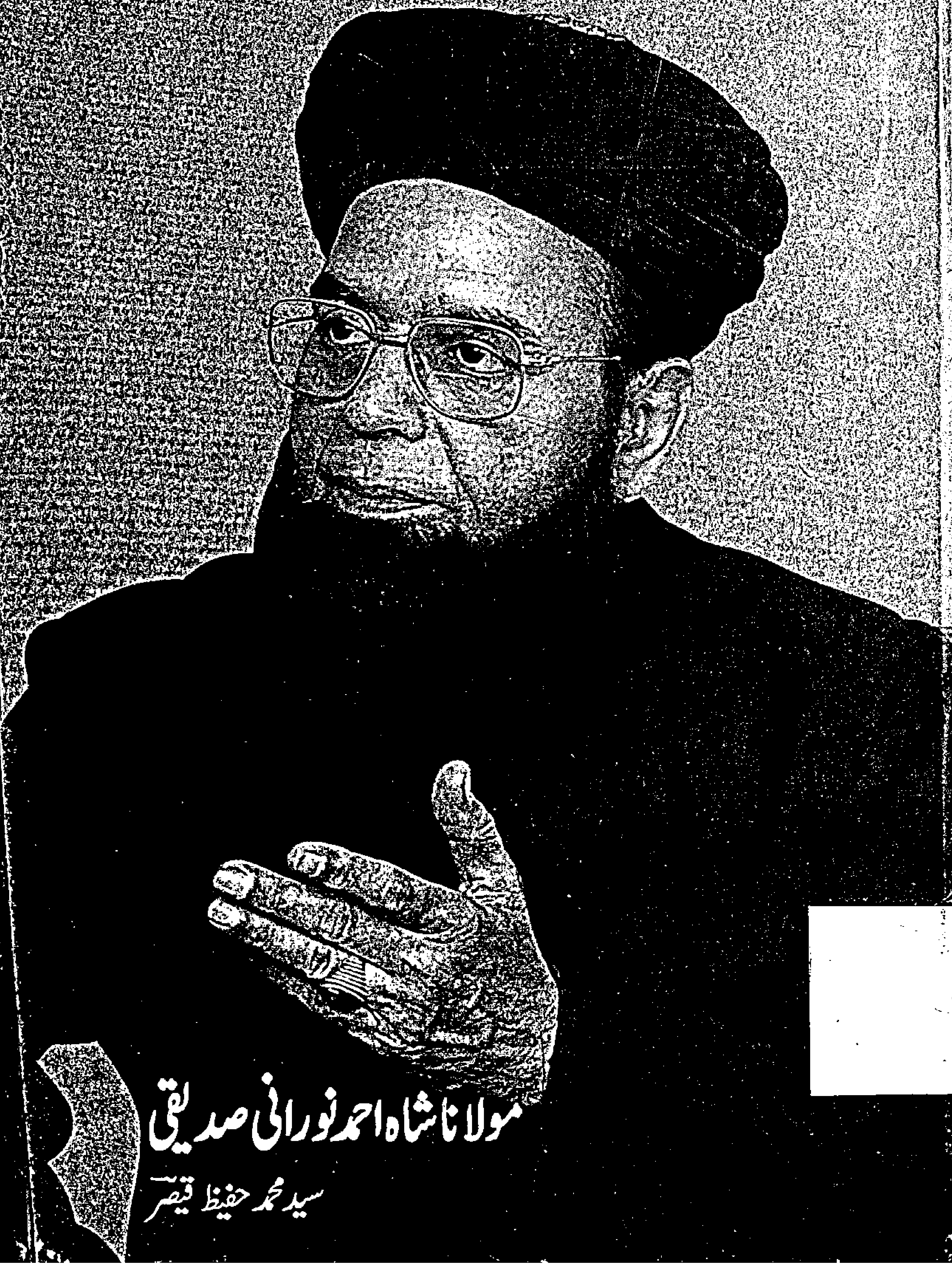

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

سید محمد حفیظ قیصر

Marfat.com